بدعات کی پہچان

تالیف

استاذ ڈاکٹر محمد بن حسین بن حسن جیزانی حفظہ اللہ
(پروفیسر شعبۂ اصول فقہ کلیۃ الشریعہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ)

ترجمہ و تعلیق

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی
(داعی و باحث صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی)

صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

بدعات کی پہچان

[قواعد و ضوابط]

تالیف

استاذ ڈاکٹر محمد بن حسین بن حسن جیزانی حفظہ اللہ

(پروفیسر شعبۂ اصول فقہ کلیۃ الشریعۃ، جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ)

ترجمہ و تعلیق

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

(داعی و باحث صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

حقوق طبع محفوظ ہیں

نام کتاب : **بدعات کی پہچان** -قواعد وضوابط

تالیف : استاذ ڈاکٹر محمد بن حسین بن حسن جیزانی حفظہ اللہ

(پروفیسر شعبۂ اصول فقہ کلیۃ الشریعۃ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ)

ترجمہ وتعلیق : ابوعبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

تقریظ : فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ (شارجہ، متحدہ عرب امارات)

سنہ اشاعت : شعبان 1443ھ مطابق مارچ 2022ء

تعداد : ایک ہزار

ایڈیشن : اول

صفحات : ۲۸۴

قیمت :

ناشر : شعبۂ نشر واشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

ملنے کے پتے:

- دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی: 14-15، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل کرلا بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی-70 ٹیلیفون: 022-26520077
- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی: 226526 / 225071
- مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ، بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینۃ انگلش اسکول، مہاڈ ناکہ، کھیڈ، ضلع: رتناگری-415709، فون: 02356-264455
- شعبۂ دعوت وتبلیغ، جماعۃ المسلمین، مہسلہ ضلع رائے گڈھ، مہاراشٹرا۔

فہرست مضامین

❊ ❊ ❊

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على عبده ورسوله خاتم النبيين وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

امت میں شرک و بدعت دیکھ کر علماء حق دوسری معصیتوں کے مقابل زیادہ بے چین ہوتے ہیں، ان کی رگ حمیت پھڑک اٹھتی ہے کہ لوگ اللہ کی توحید کے ساتھ شرک اور راہ حق و ہدایت سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ہوتے ہوئے بدعت کرتے ہیں۔ علماء سنت پوری ذمے داری کے ساتھ سنت کے احیاء اور بدعات کے قلع قمع کرنے کے لئے ہمہ وقت کھڑے رہتے ہیں، وہ یہ کام صراحت کے ساتھ دوٹوک انداز میں کرتے ہیں، سنت و بدعت پیش کرنے میں جھجکتے ہیں نہ ہی کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ کرتے ہیں، ان کے سامنے یہ مقصد ہوتا ہے کہ لوگ سنت جانیں تاکہ اس پر چل سکیں اور بدعت جانیں تاکہ اس سے بچ سکیں، کیونکہ بدعت سب سے بڑی گمراہی ہے اور نصوص کتاب وسنت میں بدعات وشبہات سے بچنے کی سخت تاکیدیں ہیں۔

آج عام امت کو حق و باطل کا ضروری علم ہے نہ ہی اس کی پرواہ، نتیجۃً دین پارہ پارہ ہو رہا ہے، ایسے میں سب کو استطاعت بھر کوشش کرنی چاہئے کہ اس تاریکی اور جہالت سے باہر آئیں تاکہ دین خالص پر رہ سکیں اور ہر خاص و عام کو دل کی گہرائی سے یہ مسنون دعا کرتے رہنا چاہئے:

''اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الأَخْلاَقِ، وَالأَعْمَالِ، وَالأَهْوَاءِ''.

[ترمذی: ۳۵۹۱، صحیح الجامع: ۱۲۹۸]

یہ گراں قدر علمی شاہکار ''بدعات کی پہچان'' بدعات کے قواعد وضوابط پر مشتمل مستند مجموعہ بلکہ مختصر موسوعہ ہے۔ اسے معروف علمی اور اصولی شخصیت جناب ڈاکٹر محمد بن حسین جیزانی حفظہ اللہ نے بڑی عرق ریزی اور مشقتوں سے جمع کر کے امت کے سامنے پیش کیا ہے۔

اس وجہ سے بدعات کی پہچان اور اس کے قواعد وضوابط کی معرفت کے لئے یہ کتاب ایک کلیدی درجہ رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ امت کی طرف سے مولف محترم کو جزائے خیر دے۔ چونکہ برصغیر کا دین پسند مسلمان دیگر معصیتوں کے مقابل بدعات میں زیادہ ہی مبتلا ہے اور بدعات سے روشناس کرانے میں یہ کتاب بڑا رول ادا کر رہی ہے اس لئے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے باعث ومحقق، تالیف وترجمہ میں معتبر عزیز مکرم شیخ عنایت اللہ حفیظ اللہ مدنی حفظہ اللہ نے اس کا سلیس ترجمہ کر کے اشاعت کے لئے پیش کیا ہے، فجزاہ اللہ خیراً۔ اردو داں طبقہ کے لئے انتہائی اہم سمجھتے ہوئے اسے فوراً جمعیت کے شعبۂ نشر واشاعت سے شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ شیخ عنایت اللہ مدنی حفظہ اللہ کے علم وعمل اور زبان وقلم میں مزید برکت دے، صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے اراکین اس اہم اصولی کتاب کی توفیق اشاعت ملنے پر اپنے رب کے بے پایاں شکر گزار ہیں اور مولف ومترجم اور جملہ معاونین جمعیت کے احسان مند ہیں، نیز سب کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کی کوششوں میں اخلاصِ عمل کی توفیق دے، اور ہر ایک کی چھوٹی بڑی کوششوں کو قبول فرمائے، آمین۔

وصلی اللہ علیٰ نبینا محمد وبارک وسلم۔

خادم جماعت

عبدالسلام سلفی

(ممبئی)

۵ / شعبان ۱۴۴۳ھ مطابق ۸ / مارچ ۲۰۲۲ء

مقدمہ مترجم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی خیر خلقہ نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، وبعد:

اسلام اللہ تعالیٰ کا چنندہ، پسندیدہ، جامع، کامل، شامل، عالمگیر، آخری، ابدی وسرمدی دین ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کے ذریعہ کائنات پر احسان عظیم فرمایا ہے، قرآن کریم اللہ کا آخری آسمانی صحیفہ، اسلام کی نمائندہ کتاب، اصول، دستور اور ضابطۂ حیات ہے، جبکہ اللہ کے آخری رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول وعمل اور تقریر قرآن کریم کی تفسیر وتوضیح اور بیان ہے، نیز آپ کی سیرت طیبہ اور عملی زندگی قرآن کریم کی عملی تصویر، اُس کی تعلیمات کی تطبیق اور چلتا پھرتا اُسوہ، قدوہ اور آئیڈیل ہے۔ کتاب وسنت میں اس کو حدیث، سنت، اثر، خبر وغیرہ ناموں سے جانا جاتا ہے، جس کی اطاعت، اتباع، اقتداء، اہتداء اور اقتفاء وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے۔

حدیث وسنت کی اہمیت وحیثیت اس اعتبار سے بھی کسی سے پوشیدہ نہیں رہنی چاہئے کہ اسلام چونکہ زندگی کے تمام گوشوں میں ایک عملی وتطبیقی دین ہے اس لئے حدیث وسنت رسول ہی اسلام کی حقیقی وسچی تعبیر ہے، بایں طور کہ اسلام بواسطہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیئیس سالہ زندگی میں پوری طرح ڈھلا ہوا ہے، جسے اسلام دیکھنا ہو وہ سنت وسیرت رسول کا آئینہ دیکھ لے۔

جبکہ اس کے بالمقابل دو چیزیں ہیں، ایک تو سنت کی خلاف ورزی بصورت نافرمانی ومعصیت اور دوسرے طریقۂ سنت کے خلاف کسی اعتبار سے کوئی بے اصل طریقہ ایجاد

کرلینا جسے اسلام میں ''بدعت'' و ''محدثۃ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

یوں تو معصیت و نافرمانی کی سنگینی بھی کسی سے مخفی نہیں، لیکن یہ دوسری چیز خصوصیت کے ساتھ اسلام میں نہایت سنگین اور خطرناک ہے، بایں طور کہ یہ شریعت کے بالمقابل شریعت سازی اور سنت رسول کے خلاف ناپاک جرأت و جسارت، نیز دین اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی سازش ہے، بنا بریں بدعت اسلام میں 'شجرۂ ممنوعہ ملعونہ' ہے جس کا انجام ضلالت وگمرہی کا زقوم اور نار جہنم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نصوص میں جابجا سنت کو حرز جاں بنانے، اُسے مضبوطی سے پکڑنے اور دانتوں سے جکڑنے کا حکم دیا گیا ہے، ساتھ ہی بدعت سے مطلق طور پر بچنے، دور رہنے اور اس کا بائیکاٹ کرنے کا حکم ہے، چنانچہ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾﴾ [الأنعام: ١٥٣]۔

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے ''سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو'' کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''**{وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ}** [الأنعام: 153] قَالَ: الْبِدَعُ وَالشُّبُهَاتُ''.[1]

---

[1] دیکھئے: تفسیر طبری، ۱۲/ ۲۲۹، نمبر (۱۴۱۶۳-۱۴۱۶۵)، نیز دیکھئے: سنن دارمی، ۱/ ۲۸۶، نمبر (۲۰۹)، محقق نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

"**دوسری راہوں پر مت چلو**" سے مراد بدعات اور شبہات ہیں۔

آیت کریمہ میں صراط مستقیم (راہ سنت) کے لئے (فاتبعوہ) اور بدعات کی پگڈنڈیوں کے لئے (ولاتتبعوا) کی تعبیر کس قدر صریح، جامع اور عظیم ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو سنت اپنائے رہنے اور بدعات سے بچنے کا حکم دیتے ہوئے اپنی عظیم وصیت میں ارشاد فرمایا ہے:

"**فَعَلَيْكُمْ** بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، **وَإِيَّاكُمْ** وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ". [1]

لہٰذا تم میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر کاربند رہنا، اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا، اور دانتوں سے خوب اچھی طرح پکڑ لینا، اور دیکھنا نئی ایجاد کردہ باتوں سے بچ کر رہنا، کیونکہ دین میں ہر نئی ایجاد کردہ بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

غور کریں کہ اس حدیث میں سنت کے لئے (علیکم) اور بدعات کے لئے (إیاکم) کی تنبیہ آمیز تعبیر کس طرح صریح جامع اور عظیم ہے، بلکہ مذکورہ آیت کریمہ میں "فاتبعوہ" اور "ولاتتبعوا" کی تفسیر و بیان ہے۔

سنت و بدعت کی حیثیتوں کے باہمی تضاد و تناقض اور ایک دوسرے سے معرکہ آئی کے سبب نصوص کتاب و سنت کے علاوہ امت کے سلف صالحین کے یہاں اس سلسلہ میں بے شمار اقوال وفرمودات، ہدایات اور رہنمائیاں موجود ہیں، جو امت کے لئے نہایت

---

[1] مسند احمد، ۲۸/ ۳۷۵، حدیث: (۱۷۱۴۵)۔

ضروری اور گرانقدر ہیں، موقع کی مناسبت سے چند پہلوؤں کا ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا:

① اسلام اور سنت ایک سکّے کے دو رخ ہیں:

● **امام بربہاری (۳۲۹ھ) رحمہ اللہ شرح السنۃ میں فرماتے ہیں:**

''اعلَمُوا أَنَّ الإِسلَامَ هُوَ السُّنَّةُ، وَالسُّنَّةَ هِيَ الإِسلَامُ، وَلَا يَقُومُ أَحَدُهُمَا إِلَّا بِالآخَرِ. فَمِنَ السُّنَّةِ لُزُومُ الجَمَاعَةِ، فَمَن رَغِبَ عَنِ الجَمَاعَةِ وَفَارَقَهَا، فَقَد خَلَعَ رِبقَةَ الإِسلَامِ مِن عُنُقِهِ، وَكَانَ ضَالاً مُضِلاً''۔ [1]

جان لیں کہ اسلام ہی سنت ہے اور سنت ہی اسلام ہے' دونوں ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے، جماعت کو لازم پکڑنا بھی سنت کا حصہ ہے، لہٰذا جس نے جماعت سے منہ موڑا اور اس سے جدا ہوگیا، اُس نے اسلام کا پٹّہ اپنی گردن سے نکال پھینکا، اور خود گمراہ نیز دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوگیا۔

② سنت کشتیِ نوح اور ہلاکت وضلالت سے راہ نجات ہے:

● **ابن وہب بیان کرتے ہیں کہ ہم امام مالک رحمہ اللہ کی مجلس میں تھے، میں نے سنت کا ذکر کیا تو امام مالک نے فرمایا:**

''**السُّنَّةُ سَفِينَةُ نُوحٍ، مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ**''۔ [2]

سنت رسول کشتیِ نوح ہے، جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہا غرق آب ہوگیا۔

● **اور امام زہری رحمہ اللہ اپنے تمام سلف صحابہ وتابعین کے حوالے سے فرماتے ہیں:**

---

[1] شرح السنۃ، از امام بربہاری، ص:۳۵۔

[2] تاریخ بغداد، ۸ / ۳۰۸۔

''كَانَ مَنْ مَضَى مِنْ عُلَمَائِنَا يَقُولُونَ: الِاعْتِصَامُ بِالسُّنَّةِ نَجَاةٌ، وَالْعِلْمُ يُقْبَضُ قَبْضًا سَرِيعًا، فَنَعْشُ الْعِلْمِ ثَبَاتُ الدِّينِ وَالدُّنْيَا، وَفِي ذَهَابِ الْعِلْمِ ذَهَابُ ذَلِكَ كُلِّهِ''. [1]

ہمارے علماء جو گزر چکے ہیں کہا کرتے تھے: سنت پر مضبوطی سے قائم رہنا نجات کا ذریعہ ہے، اور (سنت کا) [2] علم بڑی تیزی سے اٹھالیا جائے گا، چنانچہ علم سنت کو قائم اور زندہ رکھنے میں دین و دنیا کی پائیداری ہے، اور علم سنت کے چلے جانے میں ان تمام کی بربادی ہے۔

- نیز عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

''إِنَّ اللهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ ﷺ سُنَنَ الْهُدَى، ... وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ ﷺ لَضَلَلْتُمْ'' [3]

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کے لئے ہدایت کی سنتیں (راہیں) مشروع فرمائی ہیں، ... لہٰذا اگر تم اپنے نبی ﷺ کی سنت چھوڑ دو گے تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے۔

③ سنت رسول ﷺ سے افضل و بہتر راستہ کوئی نہیں:

- علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا: کیا آدمی اپنے حج کی قربانی کے جانور پر سوار ہو سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

---

[1] سنن دارمی، ۱/ ۲۳۰، نمبر (۹۷) محقق نے کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح ہے۔ نیز دیکھئے: مجموع فتاوی ابن تیمیہ، ۴/ ۵۶، ۵۷۔

[2] علم سے مراد علم سنت ہے جیسا کہ آگے متعدد اقوال سے واضح ہوگا۔

[3] صحیح مسلم، ۱/ ۴۵۳، حدیث (۶۵۴)۔

"لَا بَأْسَ بِهِ، قَدْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَمُرُّ بِالرِّجَالِ يَمْشُونَ فَيَأْمُرُهُمْ يَرْكَبُونَ هَدْيَهُ، هَدْيَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: وَلَا تَتَّبِعُونَ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنْ سُنَّةِ نَبِيِّكُمْ ﷺ"۔ [1]

اس میں کوئی حرج نہیں، نبی کریم ﷺ لوگوں کے پاس سے گزرتے، وہ پیدل چل رہے ہوتے، تو آپ انہیں اپنے ہدی (قربانی کے جانور) پر سوار ہونے کا حکم دیتے تھے، یعنی نبی کریم ﷺ کے جانور پر، فرماتے ہیں: یاد رہے تم اپنے نبی ﷺ کی سنت سے افضل کسی اور چیز کی پیروی نہیں کر سکتے۔

● عَنْ أَبِي حَسَّانَ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِنْ بَلْهُجَيْمٍ: يَا أَبَا عَبَّاسٍ، مَا هَذِهِ الْفُتْيَا الَّتِي قد تَفَشَّغَتْ بِالنَّاسِ: أَنَّ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ فَقَدْ حَلَّ؟ فَقَالَ: "سُنَّةُ نَبِيِّكُمْ ﷺ، وَإِنْ رَغِمْتُمْ"۔ [2]

ابوحسان بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنوہجیم کے ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: اے ابوعباس! یہ (آپ کا) کیسا فتویٰ ہے جو لوگوں میں پھیلا ہوا ہے کہ: جس نے خانۂ کعبہ کا طواف کرلیا وہ حلال ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ تمہارے نبی کی سنت ہے، گرچہ تمہیں راس (پسند) نہ آئے۔

④ سنت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب ضروری:

● عثمان بن حاضر ازدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا مجھے وصیت کیجئے، تو انہوں نے فرمایا:

---

[1] مسند احمد، ۲/ ۲۷۹، حدیث (۹۷۹/حسن لغیرہ)۔

[2] مسند احمد، ۴/ ۳۱۰، حدیث (۲۵۱۳/ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے)۔

''عَلَيْكَ بِالِاسْتِقَامَةِ، وَاتِّبَاعِ الْأَثَرِ، وَإِيَّاكَ وَالتَّبَدُّعَ''۔ ①

راہ راست پر قائم رہو، اَثَر (حدیث وسنت) کی پیروی کرو، اور بدعتیں ایجاد کرنے سے بچو۔

⑤ سنت کی پابندی کی اہمیت اور ترک سنت کا انجام:

● عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ إِذَا ذُكِرَ عِنْدَهُ أَبُو حَنِيفَةَ، وَالزَّائِغُونَ فِي الدِّينِ يَقُولُ: قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ رَحِمَهُ اللّٰهُ: ''سَنَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَوُلَاةُ الْأَمْرِ مِنْ بَعْدِهِ سُنَنًا، الْأَخْذُ بِهَا اتِّبَاعٌ لِكِتَابِ اللّٰهِ، وَاسْتِكْمَالٌ لِطَاعَةِ اللّٰهِ، وَقُوَّةٌ عَلَى دِينِ اللّٰهِ، لَيْسَ لِأَحَدٍ مِنَ الْخَلْقِ تَغْيِيرُهَا، وَلَا تَبْدِيلُهَا، وَلَا النَّظَرُ فِي شَيْءٍ خَالَفَهَا، مَنِ اهْتَدَى بِهَا فَهُوَ مُهْتَدٍ، وَمَنِ اسْتَنْصَرَ بِهَا فَهُوَ مَنْصُورٌ، وَمَنْ تَرَكَهَا اتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ، وَوَلَّاهُ اللّٰهُ مَا تَوَلَّى، وَأَصْلَاهُ جَهَنَّمَ، وَسَاءَتْ مَصِيرًا''۔ ②

مطرف بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ کو دیکھا کہ جب ان کے پاس ابوحنیفہ اور دین سے منحرف لوگوں کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد مسلمانوں کے ذمہ داروں نے کچھ سنتیں اختیار کی ہیں، انہیں اپنانا کتاب اللہ کی پیروی ہے، اطاعت الٰہی کی تکمیل ہے اور اللہ کے دین کی بابت قوت واستحکام ہے، پوری مخلوق میں کسی کے

---

① الابانۃ الکبری، از ابن بطہ، ۱/ ۳۳۷، نمبر (۲۰۰)، و۱/ ۳۳۹، نمبر (۲۰۶)۔

② دیکھئے: الابانۃ الکبری، از امام ابن بطہ عکبری، ۲/ ۵۱۱-۵۱۳، نمبر (۵۹۴)، وکتاب الشریعۃ، از امام آجری، ۱/ ۴۰۷-۴۰۸، نمبر (۹۲)، و۱/ ۴۶۰۔

لئے اُس میں تغیر وتبدیلی کرنا اور اس کے خلاف کسی چیز میں غور وفکر جائز نہیں۔ جو ان سنتوں پر گامزن ہوگا ہدایت یاب ہوگا، اور جو ان کے ذریعہ اللہ کی مدد چاہے گا اللہ کی نصرت سے سرفراز ہوگا، اور جو انہیں چھوڑ دے گا، مومنوں کی راہ چھوڑ کر دوسروں کی راہ پر چلے گا، اور اللہ تعالیٰ اُسے اُسی جانب پھیر دے گا جدھر وہ مائل ہوگا اور آخرت میں اُسے جہنم رسید کر دے گا، اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔

⑥ بدعات اور بدعتیوں کی کثرت، فتنہ سامانی اور اس کے اسباب کی پیشین گوئی:

● عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''سَيَلِي أُمُورَكُمْ بَعْدِي رِجَالٌ يُطْفِئُونَ السُّنَّةَ، وَيَعْمَلُونَ بِالْبِدْعَةِ، - وعند البيهقي: وَيُحْدِثُونَ الْبِدْعَةَ - وَيُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيتِهَا'' فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أَدْرَكْتُهُمْ، كَيْفَ أَفْعَلُ؟ قَالَ: ''تَسْأَلُنِي يَا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ كَيْفَ تَفْعَلُ؟ لَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللَّهَ (قَالَهَا ثَلَاثًا)''۔[1]

عنقریب میرے بعد کچھ ایسے لوگ تمہارے معاملات کے ذمہ دار ہوں گے جو سنت کو بجھائیں (مٹائیں) گے اور بدعت پر عمل کریں گے۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ: بدعت ایجاد کریں گے۔ اور نماز کو اس کے وقت سے موخر کریں گے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے ان لوگوں کا زمانہ ملے تو میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ام عبد کے بچے! تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ کیا کرو گے؟ اللہ کی نافرمانی کرنے والے کی اطاعت نہیں ہے (تین مرتبہ فرمایا)۔

---

[1] سنن ابن ماجہ، ۲/۹۵۶، حدیث (۲۸۶۵)، والسنن الکبری للبیہقی، ۳/۱۷۷، حدیث (۵۳۱۴)، و ۳/۱۸۲، حدیث (۵۳۳۶)، حدیث صحیح ہے، دیکھئے: صحیح الجامع، حدیث (۳۶۶۴)۔

● عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: ''**كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَبِسَتْكُمْ الفِتْنَةُ يَرْبُو فِيهَا الصَّغِيرُ، وَيَهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ، وَيَتَّخِذُهَا النَّاسُ سُنَّةً، فَإِنْ غُيِّرَ مِنْهَا شَيْءٌ قِيلَ: ''غُيِّرَتِ السُّنَّةُ''**، قَالُوا: مَتَى يَكُونُ ذَلِكَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ؟ قَالَ: ''**إِذَا كَثُرَتْ قُرَّاؤُكُمْ، وَقَلَّتْ أُمَنَاؤُكُمْ، وَكَثُرَتْ أُمَرَاؤُكُمْ، وَقَلَّتْ فُقَهَاؤُكُمْ، وَالْتُمِسَتِ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الآخِرَةِ، وَتُفُقِّهَ لِغَيْرِ الدِّينِ**''۔ [1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہیں ہر طرف سے فتنے گھیر لیں گے (بدعت کا دور دورہ ہو جائے گا)، بچہ اسی میں پرورش پائے گا، جوان اُسی میں بوڑھا ہوگا، اورلوگ اُسی (بدعت) کوسنت بنالیں گے! اگر اس میں کوئی تبدیلی کی جائے گی تو لوگ کہیں گے: ''سنت بدل دی گئی''! لوگوں نے پوچھا: اے ابوعبدالرحمن! ایسا کب ہوگا؟ فرمایا: جب تمہارے پڑھنے والے زیادہ ہوجائیں گے، امانت دارکم ہوجائیں گے، تمہارے امراء زیادہ ہوجائیں گے، اورتمہارے فقہاء (علماء) کم ہوجائیں گے، آخرت کی نیکی سے دنیا تلاش کی جائے گی اوردین کے علاوہ دوسرے مقصد کے لئے علم حاصل کیا جائے گا۔

علامہ البانی (۱۴۲۰ھ) رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''هٰذَا الحَدِيثُ مِنْ أَعْلَامَ نُبُوَّتِهِ ﷺ وَصِدْقِ رِسَالَتِهِ، فَإِنَّ كُلَّ فَقْرَةٍ مِنْ فَقَرَاتِهِ قَدْ تَحَقَّقَ فِي الْعَصْرِ الحَاضِرِ، وَمِنْ ذٰلِكَ كَثْرَةُ الْبِدَعِ وَافْتِتَانُ النَّاسِ بِهَا حَتَّى

---

[1] سنن دارمی، ۱/ ۲۷۸، حدیث (۱۹۱، ۱۹۲)، ومستدرک علی الصحیحین، از امام حاکم، ۴/ ۵۶۰، حدیث (۸۵۷۰)، حدیث صحیح لغیرہ موقوف ہے، دیکھئے: صحیح الترغیب والترہیب، ۱/ ۱۵۵۔

اتَّخَذُوهَا سُنَّةً، وَجَعَلُوهَا دِيناً يُتَّبَعُ، فَإِذَا أَعْرَضَ عَنْهَا أَهْلُ السُنَّةِ حَقِيقَةً، إِلَى السُّنَّةِ الثَّابِتَةِ عَنْهُ ﷺ قِيلَ: تُرِكَتِ السُّنَّةُ![1]

یہ حدیث نبی کریم ﷺ کی نبوت اور صدقِ رسالت کی نشانیوں میں سے ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا ایک ایک جملہ اس دور میں سچ ثابت ہو چکا ہے، اسی میں بدعات کی کثرت اور اس میں لوگوں کا مبتلا ہونا بھی ہے کہ آج لوگوں نے بدعت کو سنت بنا لیا ہے' اور اُسے قابل اتباع دین ٹھہرالیا ہے، چنانچہ اگر حقیقی اہل سنت اُس سے منہ موڑ کر نبی کریم ﷺ کی ثابت سنت اپناتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ: سنت چھوڑی جارہی ہے!!

⑦ بدعتیں ظلمت وتاریکی ہیں!

● عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی مسجد میں کنکریوں پر تسبیح، تحمید اور تکبیر کا وظیفہ کرنے والوں کو مخاطب کرکے فرمایا تھا:

''لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ، أَوْ لَقَدْ فَضَلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ عِلْماً''۔[2]

یقیناً تم لوگوں نے نہایت تاریک بدعت ایجاد کرلی ہے، یا پھر محمد ﷺ کے صحابہ سے زیادہ علم والے ہو گئے ہو (کیونکہ انہوں نے یہ کام نہیں کیا تھا)۔

⑧ بدعتیں شیطان کی ایجاد ہیں:

● عبد الرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''إِيَّاكُمْ وَمَا يُحْدِثُ النَّاسُ مِنَ الْبِدَعِ، فَإِنَّ الدِّينَ لَا يَذْهَبُ مِنَ الْقُلُوبِ بِمَرَّةٍ،

---

[1] دیکھئے: قیام رمضان فضلہ وکیفیۃ أدائہ ومشروعیۃ الجماعۃ فیہ...ص: ۴)۔

[2] مصنف عبد الرزاق، ۳/ ۲۲۱، حدیث (۵۴۰۹)۔

وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ يُحْدِثُ لَهُ بِدَعًا، حَتَّى يُخْرِجَ الْإِيمَانَ مِنْ قَلْبِهِ، وَيُوشِكُ أَنْ يَدَعَ النَّاسُ مَا أَلْزَمَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَرْضِهِ فِي الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ، وَيَتَكَلَّمُونَ فِي رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ الزَّمَانَ فَلْيَهْرُبْ''. قِيلَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَإِلَى أَيْنَ؟ قَالَ:''إِلَى لَا أَيْنَ''. قَالَ:''يَهْرَبُ بِقَلْبِهِ وَدِينِهِ، لَا يُجَالِسُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ''۔ ①

خبردار! لوگوں کی ایجاد کردہ بدعات سے بچ کر رہنا، کیونکہ دین دلوں سے یکبارگی ختم نہیں ہوتا، بلکہ شیطان اُس کے لئے بدعتیں ایجاد کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کے دل سے ایمان ختم کردے، اور قریب ہے کہ لوگ (بدعات کے سبب) اپنے اوپر اللہ کے واجب کردہ فرائض؛ نماز، روزہ اور حلال وحرام تک چھوڑ دیں گے، اور اپنے رب عزوجل کے بارے میں بھی زبان درازی کریں گے! لہٰذا جسے یہ زمانہ ملے وہ بھاگ جائے۔ کسی نے پوچھا: اے ابوعبدالرحمن (ابن مسعود رضی اللہ عنہ)! کہاں بھاگ جائے؟ فرمایا: کہاں نہیں، یعنی اپنے دل اور دین کو بچا کر بھاگ جائے، کسی بدعتی کی ہم نشینی اختیار نہ کرے۔

⑨ بدعتیں اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض ہیں:

● عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''إِنَّ أَبْغَضَ الْأُمُورِ إِلَى اللهِ الْبِدَعُ، وَإِنَّ مِنَ الْبِدَعِ الِاعْتِكَافَ فِي الْمَسَاجِدِ الَّتِي فِي الدُّورِ''۔ ②

---

① شرح أصول اعتقاد أہل السنۃ والجماعۃ، از لالکائی، ۱/۱۳۶، حدیث (۱۹۶)۔

② السنن الکبری، از امام بیہقی، ۴/۵۱۹، حدیث (۸۵۷۳)، والسنۃ للمروزی ص: ۲۹، حدیث (۸۴)۔ نیز دیکھئے: قیام رمضان فضلہ وکیفیۃ أدائہ... از علامہ البانی ص: ۳۶۔

یقیناً اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض چیزیں بدعات ہیں، اور بلاشبہہ گھروں کی مسجدوں میں اعتکاف کرنا بھی بدعت ہے۔

⑩ بدعتیوں کے ساتھ رہن سہن کی خطرناکی:

● اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ٱلَّذِينَ يَخُوضُونَ فِىٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ ٱلشَّيْطَٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ ٱلذِّكْرَىٰ مَعَ ٱلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٦٨﴾﴾ [الأنعام:٦٨]۔

اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام طبری (۳۱۰ھ) رحمہ اللہ نے ابو جعفر محمد بن علی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"لَا تُجَالِسُوا أَهْلَ الخُصُومَاتِ، فَإِنَّهُمُ الذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِ اللهِ"۔[1]

جھگڑے اور بے جا حجت کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو، کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات میں عیب جوئی کرتے ہیں۔

نیز اس آیت کے تحت دوسرے مسئلہ میں امام قرطبی (۶۷۱ھ) رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے بدعتیوں سے تعلق کے بارے میں فرمایا:

"مَنْ أَحَبَّ صَاحِبَ بِدْعَةٍ أَحْبَطَ اللّٰهُ عَمَلَهُ، وَأَخْرَجَ نُورَ الْإِسْلَامِ مِنْ قَلْبِهِ،

[1] تفسیر طبری، ۱۱/ ۷ ۴۳، نمبر (۱۳۳۹۱)، نیز دیکھئے: تفسیر قرطبی، ۷/ ۱۲۔

وَمَنْ زَوَّجَ كَرِيمَتَهُ مِنْ مُبْتَدِعٍ فَقَدْ قَطَعَ رَحِمَهَا، وَمَنْ جَلَسَ مَعَ صَاحِبِ بِدْعَةٍ لَمْ يُعْطَ الْحِكْمَةَ، وَإِذَا عَلِمَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ رَجُلٍ أَنَّهُ مُبْغِضٌ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ رَجَوْتُ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُ''۔ (1)

جو کسی بدعتی سے محبت ولگاؤ رکھے گا اللہ اُس کے عمل کو رائیگاں کردے گا اور اس کے دل سے اسلام کا نور نکال دے گا، اور جس نے اپنی چہیتی (بہن، بیٹی) کو کسی بدعتی سے بیاہ دیا' یقیناً اُس نے اس کا رشتہ کاٹ دیا، اور جو کسی بدعتی کی ہم نشینی اختیار کرے گا علم سے محروم کردیا جائے گا، اور جب اللہ عزوجل کسی شخص کے بارے میں جان لے کہ وہ بدعتی سے نفرت کرتا ہے' تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی مغفرت کردے گا۔

اسی طرح امام شوکانی (۱۲۵۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''... وَمَنْ عَرَفَ هَذِهِ الشَّرِيعَةَ الْمُطَهَّرَةَ حَقَّ مَعْرِفَتِهَا؛ عَلِمَ أَنْ مُجَالَسَةَ أَهْلِ الْبِدَعِ الْمُضِلَّةِ فِيهَا مِنَ الْمَفْسَدَةِ أَضْعَافُ أَضْعَافِ مَا فِي مُجَالَسَةِ مَنْ يَعْصِي اللَّهَ بِفِعْلِ شَيْءٍ مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ، وَلَا سِيَّمَا لِمَنْ كَانَ غَيْرَ رَاسِخِ الْقَدَمِ فِي عِلْمِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔ (2)

جسے اس شریعت مطہرہ کا کماحقہ علم ہے وہ بخوبی جانتا ہے گمراہ کن بدعت پرستوں کی ہم نشینی کا نقصان بعض حرام کاموں کی انجام دہی کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کی ہم نشینی سے کئی گنا زیادہ ہے، بالخصوص ان لوگوں کے لئے جن کے قدم کتاب وسنت کے علم میں راسخ نہیں ہیں۔

(1) دیکھئے: تفسیر قرطبی، ۷/ ۱۳۔

(2) فتح القدیر، از امام شوکانی، ۲/ ۱۴۶۔

⑪ بدعات کی بیخ کنی کرنے والے علماء سے شیطان کی نفرت:

● ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''وَاللهِ مَا أَظُنُّ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ الْيَوْمَ أَحَداً أَحَبَّ إِلَى الشَّيْطَانِ هَلاكاً مِنِّي''. فَقِيلَ: وَكَيْفَ؟ فَقَالَ: ''وَاللهِ إِنَّهُ لَيُحْدِثُ الْبِدْعَةَ فِي مَشْرِقٍ أَوْ مَغْرِبٍ، فَيَحْمِلُهَا الرَّجُلُ إِلَيَّ، فَإِذَا انْتَهَتْ إِلَيَّ قَمَعْتُهَا بِالسُّنَّةِ، فَتَرُدُّ عَلَيْهِ''۔ [1]

اللہ کی قسم! میں نہیں سمجھتا کہ آج روئے زمین پر شیطان کو مجھ سے زیادہ کسی کی موت عزیز ہوگی! کسی نے پوچھا: وہ کیوں؟ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! مشرق یا مغرب میں کہیں بھی بدعت جنم لیتی ہے، تو آدمی اُسے لے کر میرے پاس آتا ہے، اور جب وہ بدعت میرے پاس پہنچتی ہے تو میں اُسے سنت کے ذریعہ نیست و نابود کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ بدعت شیطان کی طرف پلٹ جاتی ہے۔

⑫ سنت واہل سنت کی قلت اور بدعات کے پھیلاؤ پر سلف کا اظہار افسوس:

● عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اعْلَمْ أَيْ أَخِي أَنَّ الموتَ اليومَ كَرَامَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللَّهَ عَلَى السُّنَّةِ، فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، فَإِلَى اللهِ نَشْكُو وَحْشَتَنَا، وَذَهَابَ الْإِخْوَانِ، وَقِلَّةَ الْأَعْوَانِ، وَظُهُورَ الْبِدَعِ، وَإِلَى اللهِ نَشْكُو عَظِيمَ مَا حَلَّ بِهَذِهِ الْأُمَّةِ مِنْ ذَهَابِ الْعُلَمَاءِ وَأَهْلِ السُّنَّةِ وَظُهُورِ الْبِدَعِ''۔ [2]

---

[1] شرح اعتقاد أهل السنة، از لالکائی، ۱/ ۶۱، نمبر (۱۲)۔

[2] البدع والنهی عنها، از ابن وضاح، ص: ۸۴، نمبر (۹۷)۔

میرے بھائی! جان لو کہ آج موت ہر اس مسلمان کے لئے شرف وسعادت کا سبب ہے جس کی سنت پر رہتے ہوئے اللہ سے ملاقات ہو جائے، لیکن افسوس! یقیناً ہم اللہ کے لئے ہیں اور بیشک ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں! ہم اپنی وحشت و اجنبیت کا، بھائیوں کے دنیا سے چلے جانے کا، مددگاروں کی قلت کا اور بدعات کے پھیلاؤ کا شکوہ اللہ ہی سے کرتے ہیں، نیز علماء اور اہل سنت کے چلے جانے اور بدعات کے غلبہ وظہور کے سبب امت پر مسلط ہونے والی اندوہناک مصیبت کا نالہ بھی اللہ ہی سے کرتے ہیں۔

⑬ بدعات سے بچنے کے لئے اس کے قواعد وضوابط کی معرفت واجب ہے:

● علامہ البانی (۱۴۲۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’إِنَّ مِمَا يَجِبُ الْعِلْمُ بِهِ أَنَّ مَعْرِفَةَ الْبِدَعِ الَّتِي أُدْخِلَتْ فِي الدِّينِ أَمْرٌ هَامٌّ جِدًّا، لِأَنَّهُ لَا يَتِمُّ لِلْمُسْلِمِ التَّقَرُّبُ إِلَى اللهِ تَعَالَى إِلَّا بِاجْتِنَابِهَا، وَلَا يُمْكِنُ ذٰلِكَ إِلَّا بِمَعْرِفَةِ مُفْرَدَاتِهَا؛ إِذَا كَانَ لَا يَعْرِفُ قَوَاعِدَهَا وَأُصولَهَا، وَإِلَّا وَقَعَ فِي الْبِدْعَةِ وَهُوَ لَايَشْعُرُ، ... فَثَبَتَ مِمَّا تَقَدَّمَ أَنَّ مَعْرِفَةَ الْبِدَعِ أَمْرٌ لَا بُدَّ مِنْهُ، لِتَسْلَمَ عِبَادَةُ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْبِدْعَةِ الَّتِي تُنَافِي التَّعَبُّدَ الخَالِصَ للهِ تَعَالَى، فَالْبِدَعُ مِنَ الشَّرِّ الَّذِي يَجِبُ مَعْرِفَتُهُ‘‘۔ [1]

یقیناً یہ جان لینا بھی واجب ہے کہ دین میں داخل کردہ بدعات کی معرفت بڑی اہم چیز ہے، کیونکہ بدعات سے اجتناب کے بغیر ایک مسلمان کے لئے اللہ سے قربت کا حصول ممکن نہیں، اور اگر مسلمان کو بدعات کے قواعد واصول کی معرفت نہ ہو؛ تو کم از کم الگ الگ بدعات کی جانکاری کے بغیر اللہ کا تقرب ممکن نہیں، ورنہ وہ غیر شعوری طور پر بدعت میں جا واقع ہوگا،

---

[1] الأجوبة النافعة عن أسئلة لجنة مسجد الجامعة، از علامہ البانی ص: ۱۰۹-۱۱۱۔

...سابقہ باتوں سے ثابت ہوا کہ بدعات کی معرفت ایک ضروری امر ہے، تاکہ مومن کی عبادت اس بدعت سے محفوظ ہو سکے جو اللہ کی خالص بندگی کے منافی ہے، لہٰذا بدعتیں اس شر و بدی کا حصہ ہیں (جن سے بچنے کے لئے) ان کا جاننا واجب ہے۔

بہرکیف بدعت کی فتنہ سامانی کے سلسلہ میں سلف کے اقوال وفرمودات بکثرت ہیں، جو اس کی تباہ کاریوں سے آگاہ کرنے اور سنت سے وابستگی واجب قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔

زیر نظر کتاب ''قواعد معرفۃ البدع'' (بدعات کی پہچان-قواعد وضوابط) فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن حسین بن محسن جیزانی حفظہ اللہ کی ایک ٹھوس علمی وتحقیقی تصنیف ہے، جو اپنے موضوع پر ایک بے مثال اور انوکھی کتاب ہے۔علامہ البانی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا اقتباس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ کی خالص بندگی کے لئے نبی کریم کی سنتوں کے ساتھ ساتھ بدعات کی بھی معرفت ہونی چاہئے، اور اس کا اصل طریقہ یہ ہے کہ اُسے بدعات کی معرفت کے اصول وضوابط کا علم ہو، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو کم از کم افرادِ بدعت کا علم ہونا چاہئے۔اور اس میں شک نہیں کہ علماء امت نے دونوں پہلوؤں پر گرانقدر علمی سرمایہ چھوڑا ہے، عوام کو الگ الگ بدعات سے آگاہ کرنے کے لئے کتابوں کی تصنیف بھی ایک اہم کارنامہ ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں عمر بن حسن الأندلسی معروف بابن دحیۃ الکلبی (۶۳۳ھ) رحمہ اللہ کی کتاب ''أداء ما وجب من بیان وضع الوضاعین فی رجب''، امام حافظ ابن رجب (۷۹۵ھ) رحمہ اللہ کی کتاب ''لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف''، حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) رحمہ اللہ کی کتاب ''تبیین العجب بما ورد فی رجب''، امام ابوالبقاء قرشی عدوی (۸۵۴ھ) کی کتاب ''مختصر تنزیہ المسجد الحرام عن بدع الجھلۃ العوام''، امام سیوطی (۹۱۱ھ) رحمہ اللہ کی کتاب ''حقیقۃ السنۃ والبدعۃ''، علامہ جمال الدین القاسمی (۱۳۳۲ھ) رحمہ اللہ کی کتاب ''إصلاح المساجد من

البدع والعوائد"، علامہ عبد العزیز بن باز (۱۴۲۰ھ) رحمہ اللہ کی کتاب "التحذیر من البدع" علامہ البانی (۱۴۲۰ھ) رحمہ اللہ کی کتاب "قاموس البدع" اور اسی طرح شیخ عبد اللہ بن عبد العزیز التویجری کی کتاب "البدع الحولیۃ"، ڈاکٹر حسام الدین عفانہ کی کتاب "اتباع لا ابتداع" شیخ رائد بن صبری بن ابو علفہ کی کتاب "معجم البدع" وغیرہ بطور مثال قابل ذکر ہیں۔

جبکہ بدعات کے قواعد وضوابط پر مستقل کتابیں نادر ہیں، گرچہ کہ اہل علم کی کتابوں میں یہ اصول وضوابط منتشر اور بکھرے ہوئے ہیں، یا بعض قواعد ضمناً آئے ہیں مگر مستقل کتاب کی صورت میں معرفت بدعات کے اصول وضوابط مرتب ومنظم نہ ہونے کے سبب عوام بلکہ بسا اوقات بعض خواص کے لئے بھی بدعات کی پہچان اور اس پر حکم لگانا دشوار ہو جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بدعت پر سنت اور سنت پر بدعت کا حکم لگا دیا جاتا ہے، بنا بریں بدعت کی معرفت کے اصول وضوابط کی اہمیت وضرورت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

ایسی صورت میں بدعات کی معرفت کے قواعد وضوابط پر ایک علمی، اصولی، مدلل، محقق، مرتب ومنظم اور متوسط حجم کی کتاب کی فراہمی کسی عظیم نعمت سے کم نہیں۔

ڈاکٹر محمد بن حسین جیزانی حفظہ اللہ (پروفیسر شعبۂ اصول فقہ کلیۃ الشریعۃ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ) نے اس عظیم شاہکار کو ستر علمی مراجع کی مدد سے بڑی عرق ریزی سے کتاب وسنت کے نصوص اور خیر القرون کے آثار کے علاوہ بیسوں ائمۂ اسلام رحمہم اللہ کے مستند اقوال وتصریحات کی روشنی میں مرتب کیا ہے، جن میں عمر بن عبد العزیز (۱۰۱ھ)، سفیان ثوری (۱۶۱ھ)، مالک بن انس (۱۷۹ھ)، عبد الرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ)، امام شافعی (۲۰۴ھ)، احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)، ابن وضاح قرطبی (۲۸۶ھ)، علامہ بربہاری (۳۲۹ھ)، امام آجری (۳۶۰ھ)، ابن بطہ عکبری (۳۸۷ھ)، ابن عبد البر (۴۶۳ھ)،

ابوبکر طرطوشی (۵۲۰ھ)، علامہ سمعانی (۵۶۲ھ)، ابن الجوزی (۵۹۷ھ)، حافظ عبد الغنی مقدسی (۶۰۰ھ)، ابوشامہ دمشقی (۶۶۵ھ)، عز بن عبد السلام (۶۷۸ھ)، امام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)، حافظ ذہبی (۷۴۸ھ)، حافظ ابن القیم (۷۵۱ھ)، تقی الدین سبکی (۷۵۶ھ)، امام شاطبی (۷۹۰ھ)، علامہ ابن ابو العز حنفی (۷۹۲ھ)، امام ابن رجب (۷۹۵ھ)، حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ)، حافظ سیوطی (۹۱۱ھ) محمد شلتوت (۱۳۸۳ھ) رحمہم اللہ شامل ہیں۔ فجزاہ اللہ خیراً

کتاب اور موضوع کی مذکورہ اہمیت وافادیت نیز اپنے محدود علم کے مطابق اردو زبان میں اس موضوع پر کتابوں کی نایابی کے سبب جونہی یہ کتاب زیر مطالعہ آئی دل میں اس کے اردو ترجمہ کی چاہت وجستجو قائم ہوگئی، اور آج اللہ کی توفیق سے اس کا ترجمہ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر آپ قدردانوں کے ہاتھوں میں ہے، فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

اس کتاب میں مجھ طالب علم کا کام یہ رہا ہے کہ میں نے ترجمہ کے علاوہ بعض جگہوں پر بغرضِ اتمامِ فائدہ توضیحی نوٹ لگایا ہے۔ کتاب کے ترجمہ میں حسب معمول کوشش یہ رہی ہے کہ الفاظ وتعبیرات سے آزاد ہوتے بغیر زبان سلیس اور رواں رہے اور مولف کے مقصود کی کما حقہ ترجمانی ہو سکے، لیکن چونکہ خطائیں ولغزشیں بشری تقاضہ کا لازمہ ہیں، جس سے کسی کو مفر نہیں، اس لئے میں اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق، غلطیوں لغزشوں سے معافی اور نفس وشیطان کے شر سے پناہ کا خواستگار ہوں، نیز احباب اور بہی خواہوں کے مخلصانہ مشوروں کا منتظر بھی، علامہ حریری نے کہا تھا:

وَإِن تَجِـدْ عَيبًا فَسُدَّ الخَـلَلَا　　　فَجَلَّ مَنْ لَا عَيبَ فِيهِ وَعَلَا

اگر آپ کو کوئی عیب ملے تو خلل کی تلافی کر دینا، کیونکہ اللہ بزرگ و برتر ہی کی ذات ہے جو بے عیب ہے۔

ساتھ ہی رب کریم سے پر امید ہوں کہ ان شاء اللہ کتاب اردو داں طبقہ کے حق میں مفید ثابت ہوگی، اور موضوع کے تئیں ایک ضروری خلا پر کرنے کا ذریعہ ہوگی، اللہ کرے کہ علماء وطلباء بالخصوص اس کتاب سے کما حقہ استفادہ کریں، اور بدعات ومحدثات اور سنتوں کی بابت ہر قسم کے افراط وتفریط سے بچکر مستند قواعد وضوابط کی روشنی میں معتدل اصولی اور صحیح حکم لگائیں، کیونکہ خواہشات نفسانی، شیطانی وساوس، جدل وخصومت اور بے جا عقیدت وارادت وغیرہ کے باعث آج بعض لوگوں کے یہاں سنت وبدعت کے پیمانے بدل چکے ہیں، فاللہ المستعان۔

میں اس کتاب کی اشاعت پر اللہ ذوالکرم کی حمد وسپاس کے بعد اپنے اہل خانہ بالخصوص مشفق والدین اور مخلص اساتذۂ کرام کا بے انتہا شکر گزار ہوں جن کی انتھک تعلیمی وتربیتی کوششوں سے دین کا علم اور اس کی خدمت کا یہ شرف حاصل ہوا، فجزاہم اللہ عنی خیراً، بعدہ مسلک کتاب وسنت اور خالص منہج سلف کی علمبردار صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی بالخصوص اس کے امیر محترم فضیلۃ الشیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ کا تہ دل سے ممنون ہوں جن کی منہجی غیرت، علمی ودعوتی حمیت، جماعتی فکر ولگن، پیہم جد وجہد اور حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں حسب معمول اس اہم اور مفید ترین کتاب کی اشاعت عمل میں آئی۔ بلاشبہہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی تمام تر سرگرمیاں، بالخصوص شعبۂ نشر واشاعت سے شائع ہونے والی علمی، عقدی، منہجی، دعوتی اور اصلاحی کتب کا جو زریں سلسلہ جاری ہے وہ اللہ عزوجل کی توفیق ارزانی اور خصوصی مدد ونصرت کے بعد امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ وتولاہ کی خصوصی توجہ اور فکرمندی کی مرہون منت ہے، میں امیر محترم کا تہ دل سے شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ رب کریم ملت وجماعت کے حق میں آپ کی ان مخلصانہ کاوشوں کو قبول فرمائے، انہیں آپ کے میزان حسنات کا حصہ بنائے، اور ہم سب کو دنیا وآخرت میں اجر عظیم سے نوازے، آمین۔

اسی طرح منہج سلف ومسلک اہل حدیث کے غیور اور یگانہ شہرہ آفاق داعی وخطیب اور مشفق مربی فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ (شارجہ) کا صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں، جو دنیا کے گوشے گوشے میں توحید وسنت اور منہج سلف کی ضیا بار کرنوں سے ہزاروں لاکھوں لوگوں کے قلوب واذہان کو منور کررہے ہیں، دعا ہے کہ بار الٰہ آپ کو صحت وعافیت بخشے اور تادیر امت کو آپ کے علم سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

میں شیخ محترم کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنے دعوتی اسفار اور علمی مشاغل کے باوصف اس کتاب پر گرانقدر تقدیم وتقریظ کے ذریعہ اپنی محبت وحوصلہ افزائی سے نوازا، اللہ عزوجل آپ کی عمر دراز کرے اور ہر قسم کے شر وفساد سے آپ کی حفاظت فرمائے، آمین۔

اخیر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہر خاص وعام کے لئے یکساں مفید بنائے، اور اراکین صوبائی جمعیت بالخصوص امیر محترم شیخ عبد السلام سلفی حفظہ اللہ اور دیگر محسنین کو اجر عظیم سے نوازے، نیز اِس ادنیٰ سی کوشش کو اس کے مولف، مترجم، مقرظ اور ناشر کے حق میں قبول فرمائے، نیز مقدمہ کے یہ کلمات تحریر کرتے ہوئے ان دنوں دنیا میں پھیلے ہوئے کورونا وائرس کی مہلک وباء سے عالم اسلام کو بالخصوص اور عالم انسانیت کو بالعموم نجات عطا فرمائے، آمین۔

۱۴/شعبان ۱۴۴۱ھ-۸/اپریل ۲۰۲۰ء

ممبرا، ممبئی

اخوکم فی اللہ

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

(شعبۂ نشر واشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

(inayatullahmadani@yahoo.com)

تقریظ

(از: فضیلۃ الشیخ ظفرالحسن مدنی حفظہ اللہ- شارجہ، متحدہ عرب امارات)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

اسلام نے حق و باطل کا سمجھنا اور ان میں تفریق کرنا ضروری قرار دیا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرة:٤٢]- ﴿قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ [البقرة:٢٥٦]-

مگر آج دور حاضر میں جبکہ علوم شرعیہ سے امت کا بڑا طبقہ کنارہ کشی اختیار کئے ہوئے ہے اور اللہ کے فرمان:

﴿فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿٣٠﴾﴾ [النجم:٢٩-٣٠]

کے مصداق بن گئے تو اہل باطل اور اہل بدعات ومحدثات اور شیاطین انس وجن کو عوام میں اپنی بدعات ومحدثات کی اشاعت اور باطل نظریات وافکار اور ملحدانہ عقائد کو پھیلانے کا خوب اچھا موقع مل گیا؛ کیونکہ اکثر لوگوں میں حق و باطل کی تمیز اور بدعات ومحدثات اور سنت وشریعت میں تفریق کرنے کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے اہل بدعات اور ملحدین کو

بدعات ومحدثات اور اپنے باطل افکار ونظریات کے پھیلانے میں کامیابی ہوئی، اور عوام اپنی لاعلمی اور جہالت کے سبب فرق نہ کرسکے، خصوصا جب کہ اہل بدعات نے بدعات کی اشاعت کے غرض سے ہر بدعت کا نام بدعت حسنہ قرار دے کر اسے شریعت اور اسی کو دین اسلام بنا کر پیش کیا اور ’’ظلمات بعضھا فوق بعض‘‘ کے مطابق اس کی دعوت دینے والے بھی علماء ’’سوء‘‘ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے حق وباطل اور سنت وبدعت میں فرق کرنا اور بدعت کو بدعت اور غلط سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو ہوشیار رہنے کی تاکید کی تھی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’سَيَكونُ في آخِرِ أُمَّتي أُناسٌ يُحَدِّثُونَكُمْ ما لَمْ تَسْمَعُوا أنتُمْ ولا آباؤُكُمْ، فإيَّاكُمْ وإيَّاهُمْ‘‘۔ (1)

میری امت کے آخری دور میں بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو تم کو ایسی ایسی حدیثیں (دین کے نام پر جھوٹی اور من گھڑت) بیان کریں گے جن کو نہ تم نے کبھی سنا ہوگا اور نہ تمہارے آباء واجداد نے، تم ایسے لوگوں سے بچنا اور ان کو اپنے سے دور رکھنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی لوگوں کو اس سے بچنے کی تاکید کرتے تھے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے:

’’لَا يَأْتِي عَلَى اَلنَّاسِ عَامٌ إِلَّا أَحْدَثُوا فِيهِ بِدْعَةً، وَأَمَاتُوا فِيهِ سُنَّةً حَتَّى تَحْيَى اَلْبِدَعُ وَتَمُوتُ السُّنَنُ‘‘۔ (2)

---

(1) مسلم فی المقدمہ، نمبر:٦۔

(2) معجم کبیر طبرانی، رقم:١٠٦١٠، وشرح اصول اعتقاد أھل السنۃ، رقم:١٢٥۔

ہر سال لوگ نئی نئی بدعات ایجاد کرتے رہیں گے اور سنتوں کو مار ڈالیں گے (چھوڑ دیں گے) یہاں تک کہ دین کے نام پر بدعات بالکل عام ہو جائیں گی اور سنتیں مرجائیں گی (یعنی سنتیں مٹ جائیں گی)۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

”كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَبِسَتْكُمْ فِتْنَة: يَهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ، وَيَرْبُو فِيهَا الصَّغِيرُ، وَيَتَّخِذُهَا النَّاسُ سُنَّةً، فَإِذَا غُيِّرَتْ، قَالُوا: ”غُيِّرَتِ السُّنَّةُ“۔

اس وقت تمھارا کتنا برا حال ہو گا جب کہ شرک و بدعات اس قدر عام ہو جائیں گی اور سنتیں اس قدر معاشرہ سے مٹ جائیں گی ،شرک و بدعات اور اسی ضلالت و گمراہی میں تمہاری نسل کے بچے پلیں اور بڑھیں گے اور جوان اسی میں بوڑھے ہوں گے، دینی حالت تمہاری اس قدر بدتر ہو جائے گی کہ اگر اللہ نے کسی کو سنت و بدعت کی معرفت اپنے فضل و کرم سے عطا کر دیا اور وہ بدعت سے توبہ کر کے سنت پر عمل کرنے لگے گا تو لوگ کہیں کہ زمانہ کتنا برا آ گیا ہے کہ لوگ سنت ترک کر کے بدعات پر عمل کرنے لگے ہیں، حالانکہ اس نے بدعت ترک کر کے سنت اور ضلالت و گمراہی چھوڑ کر سنت اور ہدایت قبول کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس بات کو سن کر لوگوں نے کہا:

”وَمَتَى ذَلِكَ يَا أَبَا عَبدِ الرَّحْمنِ؟ “امت کی یہ حالت کب ہوگی؟

تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

”إذا قلَّت أمناؤُكم، وَكَثُرَتْ أُمراؤُكمْ، وَقَلَّتْ فقهاؤُكمْ، وَكَثُرَتْ قُرَّاؤُكُمْ، وتُفُقِّه لغيرِ الدينِ، والتُمسَتِ الدُّنيا بِعملِ الآخرةِ “۔

یہ حالت اس وقت ہوگی جب تمہارے امانت دار کم ہو جائیں گے، تمہارے امراء بہت زیادہ ہو جائیں گے، اور فقہاء (علماء حق) بہت کم ہو جائیں گے، اور تمہارے پڑھنے والے بہت ہوں گے، اور علم حاصل کرنے کا مقصد اللہ کے دین کی خدمت اور تقرب الی اللہ کے بجائے دنیا اور جاہ ومنصب بنا لیا جائے گا، جن اعمال کے اجر وثواب کے ذریعہ آخرت کی کامیابی حاصل کرنی چاہیئے ان کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانے لگیں گے۔ (1)

جب لوگ اس قدر سنت اور بدعات ومحدثات کی معرفت اور پہچان سے ناواقف اور لاعلم ہوں اور ان کے درمیان بدعات ومحدثات دین وشریعت (بدعت حسنہ اور سنت) کے نام پر اس قدر عام ہو جائیں کہ سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت سمجھنے لگیں تو اہل حق اور طائفہ منصورہ پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس باطل اور ملحدانہ افکار ونظریات اور عقائد منحرفہ کی اپنی زبان اور قلم وقرطاس کے ذریعہ جہاد کریں اور رسول اللہ ﷺ کے تاکیدی حکم پر عمل کریں:

”جاهِدوا المشرِكينَ بأموالِكُم وأنفسِكُم وألسَنتِكُم“۔ (2)

اسی دینی اور منہجی ذمہ داری کو ادا کرنے کی غرض سے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ اور سارے اراکین جمعیت **”بدعات کی پہچان-قواعد وضوابط“** کے نام سے ایک مختصر مگر جامع کتاب شائع کر رہے ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ لوگ بدعات کو پہچانیں، خود بچیں اور دوسروں کو بھی اس منکر سے بچائیں، یہ کتاب دراصل عربی زبان میں تھی **”قواعد معرفۃ البدع“** جس کے مؤلف فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن حسین الجیزانی حفظہ اللہ استاذ مدینہ یونیورسٹی ہیں، اس کتاب کے مترجم صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے مبلغ وداعی

(1) عبدالرزاق فی المصنف والدارمی، ۱/ ۶۴ والحاکم رقم: ۸۵۷۰۔

(2) احمد، ابوداود، نسائی، ابن حبان، حاکم، صحیح الجامع: ۳۰۹۰۔

اور مشہور قلم کار شیخ عنایت اللہ سنابلی ثم مدنی حفظہ اللہ ہیں جو بیک وقت داعی و مبلغ بھی ہیں، مصنف ومؤلف اور ماہر مترجم بھی ہیں، ہم اہل اسلام سے عموماً اور اہل حدیث عوام وخواص علماء وطلبہ سے خصوصاً گزارش کرتے ہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ کریں اور دوسروں تک پہنچانے کی کوشش بھی کریں، اس کار خیر پر ہماری طرف سے تمام ذمہ داران جمعیت خصوصاً امیر محترم مولانا عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ شکریہ کے مستحق ہیں اور مترجم موصوف بھی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں جو اپنی تصانیف اور تراجم کے ذریعہ پوری جمعیت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرتے رہتے ہیں، **فجزاكم الله خيرا وبارك فی حياتكم وعملكم وزاد فی ميزان حسناتكم.**

أخوكم ومحبكم فی الله

ظفر الحسن مدنی

(شارجہ، متحدہ عرب امارات)

۶/شعبان ۱۴۴۳ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مُقدّمہ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے لائق وزیبا ہیں جس نے اسلام، سنت اور عافیت کی توفیق بخشی؛ کیونکہ دنیا و آخرت کی سعادت اور اُس کی نعمتوں کا دار و مدار انہی تین بنیادوں پر ہے، یہ تینوں چیزیں جس کسی بندے میں حدِ کمال تک اکٹھا ہو جاتی ہیں وہ اللہ کی بھر پور نعمتوں سے مالا مال ہو جاتا ہے، ورنہ اس کے مقدر میں اللہ کی نعمت کا اتنا ہی حصہ آتا ہے جتنا حصہ اُسے ان چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ [1]

اور درود وسلام ہو اس ذات گرامی پر جو تمام جہانوں کی طرف رحمت بنا کر بھیجے گئے، اور آپ کے تمام آل واصحاب پر اور تا قیامت اُن کے سچے پیرو کاروں پر۔

حمد وصلاۃ کے بعد:

بدعت کی حقیقت اور اس کے معنیٰ کی تعیین میں لوگوں کے دو طبقے ہیں:

ایک طبقہ بدعتی ٹھہرانے میں افراط اور مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے، اور ہر نو ایجاد امر یا مسئلہ جس کی دلیل اُس تک نہ پہنچی ہو اُس پر بدعت کا حکم چسپاں کرنے میں تساہل برتتا ہے، ان لوگوں نے بدعت سازی کے دروازہ کو بڑا کشادہ کر دیا ہے، بلکہ بسا اوقات شریعت اور سنت کی کچھ چیزوں کو بھی بدعت کے نام میں شامل کر دیا ہے۔

جبکہ دوسرا طبقہ بدعت اپنانے میں بڑا متساہل اور اس کے ارتکاب میں بڑا کشادہ واقع ہوا ہے، ان لوگوں نے بدعت سازی کے دروازہ کو بڑا تنگ کر دیا ہے، جس میں بڑی بڑی

---

[1] دیکھئے: اجتماع الجیوش الاسلامیۃ، (ص: ۳۳)۔

بدعات اور سنگین قسم کی نوایجاد چیزوں کے علاوہ دیگر چیزیں داخل نہیں ہوتی ہیں، بلکہ بسااوقات ان کی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ وہ بہت ساری بدعات اور نوایجاد امور کو شریعت وسنت کے دائرہ میں داخل کردیتے ہیں۔

لہٰذا اللہ آپ پر رحم فرمائے ذرا غور کریں کہ کس طرح پہلے طبقے نے بدعت میں اس قدر توسع برتا کہ اُس میں وہ چیزیں بھی شامل کردیں جو اس میں سے نہیں ہیں، ساتھ ہی اس کے بالمقابل انھوں نے شریعت کے نام کو انہی چیزوں تک محدود کردیا جن پیش آمدہ احکام ومسائل کا انہیں علم ہے اور جن سے وہ مانوس ہیں، حتیٰ انھوں نے بعض شرعی امور کو بھی شریعت سے خارج کردیا۔

نیز غور کریں کہ کس طرح دوسرے طبقے نے بدعت کی حقیقت کو اس حد تک تنگ کردیا کہ بعض بدعتی امور کو بھی اُس سے باہر نکال دیا، ساتھ ہی اس کے بالمقابل انھوں نے شریعت وسنت کو اتنا کشادہ کردیا کہ بعض ایسی چیزوں کو بھی شریعت بنادیا جو اُس میں سے نہیں ہیں۔

ناظر کریم! اس سے آپ کے سامنے بدعت کے معنی کی تعیین میں دونوں طبقوں کے یہاں پائی جانے والی غلطی عیاں ہوجاتی ہے، اور اسی غلطی کے نتیجے میں سنت کے معنی میں غلطی ہوئی ہے؛ کیونکہ سنت و بدعت ایک دوسرے کے بالمقابل الگ الگ معنیٰ کی چیزیں ہیں، نیز اس سے معلوم ہوا کہ ہر طبقہ ایک گوشے اور زاویے کو اپنا کر راہ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تقریباً اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

''لَكِن أَعْظَمَ الْمُهِمّ فِي هَذَا الْبَابِ وَغَيْرِهِ تَمْيِيْزُ السُّنَّةِ مِنَ الْبِدْعَةِ؛ إِذِ السُّنَّةُ مَا أَمَرَ بِهِ الشَّارِعُ، وَالْبِدْعَةُ مَا لَمْ يَشْرَعْهُ مِنَ الدِّيْنِ، فَإِنَّ هَذَا الْبَابَ كَثُرَ فِيهِ اضْطِرَابُ النَّاسِ فِي الْأُصُولِ وَالْفُرُوعِ؛ حَيْثُ يَزْعَمُ كُلُّ فَرِيقٍ أَنَّ طَرِيقَهُ هُوَ

السُّنَّةُ، وَطَرِيقَ مُخَالِفِهِ هُوَ الْبِدْعَةُ، ثُمَّ إِنَّهُ يَحْكُمُ عَلَى مُخَالِفِهِ بِحُكْمِ الْمُبْتَدِعِ، فَيَقُومُ مِنْ ذَلِكَ مِنَ الشَّرِّ مَا لَا يُحْصِيهِ إِلَّا اللهُ"۔ [1]

لیکن اس باب اور دیگر ابواب میں سب سے بڑا اہم کام سنت کو بدعت سے ممتاز اور نمایاں کرنا ہے، کیونکہ سنت اس چیز کا نام ہے جس کا شارع نے حکم دیا ہے، اور بدعت اسے کہتے ہیں جسے شارع نے دین میں مشروع ہی نہ کیا ہو۔

کیونکہ اس باب میں اصول وفروع دونوں حیثیتوں سے لوگوں کے یہاں بڑا اضطراب پایا جاتا ہے، بایں طور کہ ہر طبقے نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اسی کا طریقہ سنت ہے اور اس کے مخالف کا طریقہ بدعت ہے، اور پھر اسی اعتبار سے وہ اپنے مخالف پر بدعتی کا حکم لگا دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں اتنا شر وفساد برپا ہوتا ہے جسے اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

واجب یہ ہے کہ افراط وتفریط کے بغیر بدعت کو اس کا صحیح معنیٰ دیا جائے۔

اور اس واجبی ذمہ داری کا راستہ اسی طور پر ہموار ہوسکتا ہے کہ بدعت کے معنیٰ کے سلسلہ میں نمایاں اصول وضوابط طے کئے جائیں، اور اس کی تعریف وحدود، نیز اس میں کونسی چیزیں داخل ہوتی ہیں اور کونسی داخل نہیں ہوتیں' کے لئے واضح علامتیں بنائی جائیں۔

اس کے ذریعہ بدعات پر الگ الگ اور انفرادی طور پر حکم لگایا جاسکے گا، جب ہر بدعت کو اس کے کلّی قواعد کی طرف لوٹایا جائے گا۔

اس سے ان قواعد وضوابط کی تعیین کی اہمیت واضح ہوتی ہے جن سے بدعات کی پہچان کی جاسکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مختلف متعدد ومنتشر امور کو اصول وضوابط کے دائرہ میں لانے اور

---

[1] الاستقامۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ، (۱/ ۱۳)۔

بہت سارے متفرق احکام کو یکجا کرنے کی صورت میں انہیں یاد کرنا اور گہرائی سے از بر کرنا بڑا آسان ہو جاتا ہے۔

حکیم ودانا شخص کو جب تعلیم ورہنمائی کی چاہت ہو تو اسے دو قسم کی وضاحتیں درکار ہوتی ہیں: ایک اجمالی وسرسری وضاحت جس کے لئے طبیعت مشتاق ہو، اور دوسری تفصیلی وضاحت جس سے طبیعت کو سکون واطمینان پہنچے۔ [1]

بدعات ومحدثات کے باب میں اہل علم کی تحریر کردہ کتابوں [2] میں طویل اور گہری سوچ وفکر کے بعد میرے پاس کل تیئیس قواعد اکٹھا ہوئے ہیں، جن پر دین میں بدعات کی بنیاد ہے، اور یہی دین میں گھناؤنی نوایجادکاری کا مرجع وسرچشمہ ہیں۔

عجیب حسنِ اتفاق یہ ہے کہ ان قواعد کی تعداد رسالت محمدیہ ﷺ کے سالوں کی تعداد کے موافق یعنی تیئیس ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُۥ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى ٱلسَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝٣٧﴾ [ق:۳۷]۔

اس میں ہر صاحب دل کے لئے عبرت ہے اور اس کے لئے جو دل سے متوجہ ہو کر

---

[1] دیکھئے: المنثور فی القواعد، از امام زرکشی، (۱/ ۶۵، ۶۶)۔

[2] اس باب میں لکھی گئی چند نمایاں اور نفع بخش کتابیں یہ ہیں:

۱۔ البدع والنھی عنھا، از امام ابن وضاح قرطبی (۲۷۶ھ) رحمہ اللہ۔

۲۔ الحوادث والبدع، از امام طرطوشی (۵۳۰ھ) رحمہ اللہ۔

۳۔ الباعث علی إنکار البدع والحوادث، از امام ابوشامہ (۶۶۵ھ) رحمہ اللہ۔

۴۔ اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ أصحاب الجحیم، از شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ۔

۵۔ الاعتصام، از امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ۔

کان لگائے اور وہ حاضر ہو۔

میں نے مناسب سمجھا کہ ان قواعد سے پہلے دو مدخل (تمہیدی باتیں) ذکر کروں:

پہلا مدخل: بدعت کی تعریف سے متعلق، اور **دوسرا مدخل:** ایجاد بدعت کے جامع اصولوں سے متعلق۔

پہلا مدخل: بدعت کی تعریف:

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

① بدعت کی لغوی تعریف۔

② بدعت کی شرعی (اصطلاحی) تعریف۔

③ لغوی واصطلاحی تعریفوں کے مابین موازنہ۔

④ ابتداع (دین میں انوکھی بات پیدا کرنے) اور اِحداث (نئی بات ایجاد کرنے) کے درمیان تعلق۔

⑤ سنت و بدعت کے درمیان تعلق۔

⑥ بدعت اور گناہ کے درمیان تعلق۔

⑦ بدعت اور مصلحت مرسلہ (مفاد عامہ) کے درمیان تعلق۔

⑧ بدعت کی خصوصیات۔

دوسرا مدخل: ایجادِ بدعت کے جامع اصول:

اس مدخل میں ایجاد بدعت کی بابت جامع اصولوں پر تفصیلی گفتگو ہے، یہ مجموعی طور پر تین اصول ہیں:

- **پہلا اصول:** ان چیزوں کے ذریعہ اللہ سے تقرب کا حصول جنہیں اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے۔
- **دوسرا اصول:** دین کے نظام کے خلاف بغاوت۔
- **تیسرا اصول:** بدعت کے وسائل و ذرائع۔

رہی بات اس کتاب کے بنیادی موضوع اور اس کے مرکزی عنوان کی یعنی ان قواعد کا بیان جن سے بدعات کی پہچان ہوتی ہے: تو میں نے اسے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے، بایں طور کہ یہ قواعد- جن کی تعداد تیئیس ہے- مجموعی طور پر تین اصولوں میں منحصر ہیں، جو درج ذیل ہیں:

پہلا اصول: ان چیزوں کے ذریعہ اللہ سے تقرب کا حصول جنہیں اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے:

اس اصول کے تحت کل دس قواعد ہیں:

١. جو عبادت کسی جھوٹی حدیث کی بنیاد پر ہو۔
٢. جو عبادت خواہش نفس اور محض رائے کی بنیاد پر ہو۔
٣. جو عبادت سنتِ ترکی (چھوڑنے کی سنت) کے خلاف ہو۔
٤. جو عبادت عملِ سلفِ صالحین کے خلاف ہو۔
٥. جو عبادت شریعت کے اصولوں کے خلاف ہو۔
٦. عادات اور مباح امور کے ذریعہ اللہ کے تقرب کا حصول۔
٧. گناہ و معاصی کے ذریعہ اللہ کے تقرب کا حصول۔
٨. مقید عبادت کو مطلق کرنا۔
٩. مطلق عبادت کو مقید کرنا۔

⑩ عبادت میں غلو کرنا۔

دوسرا اصول: دین کے نظام کے خلاف بغاوت:

اس اصول کے تحت کل آٹھ قواعد ہیں:

⑪ جو عقائد و آراء نصوص وحی کے معارض (خلاف) ہوں۔

⑫ جو عقائد وحی الٰہی میں آئے ہوں نہ صحابہ وتابعین سے ماثور ہوں۔

⑬ دین میں جھگڑا اور بے جا بحث و تکرار کرنا۔

⑭ کسی طرح کے عادات و معاملات کو لازم ٹھہرا لینا۔

⑮ جس عادت یا امر کی انجام دہی سے شریعت کے ثابت شدہ حالات اور حیثیتوں میں تبدیلی واقع ہوتی ہو۔

⑯ کافروں کی خصوصیات میں ان کی مشابہت اختیار کرنا۔

⑰ کافروں کے ایجاد کردہ امور میں ان کی مشابہت اختیار کرنا۔

⑱ جاہلی اعمال میں سے کوئی عمل انجام دینا۔

تیسرا اصول: بدعت کے وسائل و ذرائع:

اس اصول کے تحت کل پانچ قواعد ہیں:

⑲ شرعاً مطلوب کام کو اس طرح انجام دیا جائے کہ اس سے اصل حقیقت کے خلاف ہونے کا وہم پیدا ہو۔

⑳ شرعاً جائز کام کو اس طرح انجام دیا جائے کہ اُس کے شرعاً مطلوب (واجب) ہونے کا عقیدہ رکھا جائے۔

㉑ علماء گناہ کے کام انجام دیں اور ان کی جانب سے گناہ ظاہر ہوں، بایں طور کہ عوام یہ

عقیدہ رکھیں کہ یہ گناہ دین کا حصہ ہے۔

(۲۲) عوام گناہ کے کام کریں، ان میں گناہ عام ہوں، اور علماء انکار کی قدرت کے باوجود اس پر نکیر نہ کریں، بایں طور کہ عوام سمجھیں کہ اس گناہ میں کوئی حرج نہیں۔

(۲۳) نوایجاد بدعات کی انجام دہی کے نتیجے میں ہونے والے اعمال۔

پھر ان قواعد کے اخیر میں میں نے خاتمہ ذکر کیا ہے جو اِن قواعد کے سرسری تذکرہ اور بدعات کے میدانوں (پہلوؤں) پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب کے سرسری موضوعات ہیں۔

ان قواعد کے جمع وترتیب کا مقصود یہ ہے کہ بدعت وگمراہی کا راستہ آشکارا ہوجائے اور سنن وبدعات کے درمیان پیدا ہونے والا شبہہ زائل ہوجائے۔

کیونکہ دو ہی باتیں ہیں: سنت کی پیروی اور خواہش نفسانی کی پیروی۔

لٰہذا جو سنت کی پیروی کرنا چاہے گا روشن اور درمیانی شاہراہ پر چلے گا، یعنی: کتاب وسنت کے محکم نصوص اور سلف صالحین کے عمل اور ان کی ڈگر پر گامزن ہوگا۔

اور جو اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنا چاہے گا وہ شاہراہ سے نکلے ہوئے گلی کوچوں میں جا گھسے گا، جہاں اُسے بہت سارے عموم، قیاس، کسی صحابی یا تابعی کا قول، یا کسی عالم کی رائے وغیرہ ملیں گے، یہ ساری چیزیں بظاہر دلیلیں محسوس ہوتی ہیں، لیکن حقیقت میں دلیلیں نہیں ہیں۔

ہر مسلک کا پیروکار اپنے مسلک کی تائید کے لئے کسی شرعی دلیل سے استدلال کرنے سے نہیں چوکتا؛ خواہ صحیح ہو یا نہ ہو، جبکہ-اے متلاشیٔ حق-حق کو روشن شاہراہ کی اتباع اور واضح راستے کی پیروی میں تلاش کیا جاتا ہے، نہ کہ لوگوں کی اکثریت کی موافقت، اُن کی ہمنوائی اور ان کے لئے توسع اور گنجائش میں۔

اور جان لیں کہ ایسے معاملہ -یعنی لوگوں کی اکثریت اور ان کے ردعمل کی مخالفت- میں پڑنے والا شخص خلیفۂ راشد عمر بن عبد العزیز (۱۰۱ھ) رحمہ اللہ کے طریقہ پر گامزن ہوتا ہے، جوانہوں نے (اپنے خطبہ میں) فرمایا تھا:

”أَلا وَإِنِّي أُعَالِجُ أَمْرا لَا يُعِينُ عَلَيْهِ إِلَّا اللهُ قَدْ فَنِيَ عَلَيْهِ الْكَبِيرُ وَكَبُرَ عَلَيْهِ الصَّغِيرُ وَفَصَحَ عَلَيْهِ الأَعْجَمِيُّ وَهَاجَرَ عَلَيْهِ الْأَعرَابِيُّ حَتَّى حَسبُوهُ دِينًا لَا يَرَوْنَ الْحَقَّ غَيرَهُ“۔ [1]

سن لو! میں ایک ایسی چیز سے جوجھ رہا ہوں جس پر اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں، بوڑھے کی اسی پر موت ہوئی ہے، بچہ اسی پر بوڑھا ہوا ہے، عجمی اسی پر فصیح ہوا ہے، اور دیہاتی نے اسی پر ہجرت کی ہے، یہاں تک کہ لوگوں نے اسی کو دین سمجھ لیا ہے اُس کے سوا کسی بات کو حق نہیں سمجھتے!!

میں اللہ جل شانہ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں حق کو حق دکھائے اور اس کی پیروی کی توفیق بخشے اور ہمیں باطل کو باطل دکھائے اور اس سے اجتناب کرنے کی توفیق دے۔

﴿سُبْحَٰنَ رَبِّكَ رَبِّ ٱلْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلَٰمٌ عَلَى ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿١٨١﴾ وَٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٨٢﴾﴾ [الصافات:۱۸۰-۱۸۲]۔

پاک ہے آپ کا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے ہر اس چیز سے (جو مشرک) بیان کرتے ہیں۔ پیغمبروں پر سلام ہے۔ اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔

* * *

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، از امام شاطبی، (۱/ ۳۲)۔

پہلا مدخل

بدعت کی تعریف

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

① بدعت کی لغوی تعریف۔

② بدعت کی شرعی (اصطلاحی) تعریف۔

③ لغوی و اصطلاحی تعریفوں کے مابین موازنہ۔

④ ابتداع (دین میں انوکھی بات پیدا کرنے) اور اِحداث (نئی بات ایجاد کرنے) کے درمیان تعلق۔

⑤ سنت و بدعت کے درمیان تعلق۔

⑥ بدعت اور گناہ کے درمیان تعلق۔

⑦ بدعت اور مصلحت مرسلہ (مفاد عامہ) کے درمیان تعلق۔

⑧ بدعت کی خصوصیات۔

پہلا مسئلہ: بدعت کی لغوی تعریف [1]

عربی زبان میں (ب د ع) کا مادہ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

پہلا معنیٰ: جس چیز کو کسی سابق مثال کے بغیر ایجاد کیا گیا ہو۔

اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ ٱلرُّسُلِ﴾ [الأحقاف:۹]۔

آپ کہہ دیجئے! کہ میں کوئی بالکل انوکھا پیغمبر تو نہیں۔

اور اسی معنیٰ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان: ''نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ'' [2] یہ تو بڑی اچھی بدعت (انوکھی چیز) ہے اور ان کے علاوہ دیگر اماموں کا قول بھی ہے۔

جیسے امام شافعی (۲۰۴ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''الْبِدْعَةُ بِدْعَتَانِ: بِدْعَةٌ مَحْمُودَةٌ، وَبِدْعَةٌ مَذْمُومَةٌ. فَمَا وَافَقَ السُّنَّةَ فَهُوَ مَحْمُودٌ، وَمَا خَالَفَ السُّنَّةَ فَهُوَ مَذْمُومٌ''۔ [3]

بدعتیں دو قسم کی ہیں:

قابل تعریف (اچھی) بدعت اور قابل مذمت (بُری) بدعت؛ چنانچہ جو بدعت سنت

---

[1] دیکھئے: النہایۃ فی الغریب الحدیث والأثر، (۱/۱۰۶، ۱۰۷)، ومختار الصحاح، (ص: ۴۳، ۴۴)، والمصباح المنیر (ص: ۳۸)، والاعتصام، (۱/۳۶)۔

[2] صحیح بخاری، ۴/۲۶۰، حدیث (۲۰۱۰)۔

[3] اسے امام ابونعیم نے الحلیۃ میں روایت کیا ہے، (۹/۱۱۳)۔

کے موافق ہو وہ قابل تعریف ہے اور جو سنت کے خلاف ہو وہ مذموم ہے۔

امام ابن رجب (۷۹۵ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَأَمَّا مَا وَقَعَ فِي كَلَامِ السَّلَفِ مِنَ اسْتِحْسَانِ بَعْضِ الْبِدَعِ، فَإِنَّمَا ذَلِكَ فِي الْبِدَعِ اللُّغَوِيَّةِ لَا الشَّرْعِيَّةِ، فَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا جَمَعَ النَّاسَ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ عَلَى إِمَامٍ وَاحِدٍ فِي الْمَسْجِدِ، وَخَرَجَ وَرَآهُمْ يُصَلُّونَ كَذَلِكَ فَقَالَ: ''**نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ**''۔ [1]

سلف کی باتوں میں جو بعض بدعتوں کو اچھا سمجھنے یا اچھا قرار دینے کی بات آئی ہے وہ لغوی بدعات میں ہے، شرعی بدعات میں نہیں، چنانچہ اسی قبیل سے عمر رضی اللہ عنہ کا وہ قول بھی ہے جو انہوں نے لوگوں کو قیام رمضان کے لئے مسجد میں ایک امام پر اکٹھا کرنے کے بعد اُنہیں باجماعت نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا تھا: ''یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے''۔

دوسرا معنیٰ: تکان اور اکتاہٹ ہے۔

چنانچہ جب اونٹنی دبلے پن، کمزوری یا بیماری اور تکان کے سبب راستے میں بیٹھ جائے تو کہا جاتا ہے: ''أبدعت الإبل''، اور اسی قبیل سے اُس آدمی کی بات بھی ہے جس کے بارے میں ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

''جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي **أُبْدِعَ بِي** فَاحْمِلْنِي، فَقَالَ: ''**مَا عِنْدِي**''، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَا أَدُلُّهُ عَلَى مَنْ يَحْمِلُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ''**مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ**''۔ [2]

---

[1] جامع العلوم والحکم، از امام ابن رجب، (۱/ ۱۲۹)۔

[2] صحیح مسلم، ۳/ ۱۵۰۶، حدیث (۱۸۹۳)۔

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، کہنے لگا: **میری سواری تھک کر بیٹھ گئی ہے،** لہٰذا آپ میرے لئے سواری کا انتظام فرما دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس سواری نہیں ہے'' اتنے میں ایک دوسرے شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اُسے ایسے شخص کی رہنمائی کرسکتا ہوں جو اُس کے لئے سواری کا انتظام کردے گا؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کسی بھلائی کی رہنمائی کردے اُسے اُس کے کرنے والے جیسا ثواب ملے گا۔

یہ (دوسرا) معنیٰ بھی پہلے معنیٰ کی طرف لوٹتا ہے؛ کیونکہ ''أبدعت الإبل'' کا معنیٰ یہ ہے اُسے ابھی ابھی تکان لاحق ہوئی ہے پہلے ایسی نہ تھی۔

* * *

دوسرا مسئلہ: بدعت کی شرعی (اصطلاحی) تعریف

سنت مطہرہ میں کئی حدیثیں آئی ہیں جن میں لفظ ''بدعت'' کے شرعی معنیٰ کی طرف اشارہ موجود ہے، چند حدیثیں حسب ذیل ہیں:

① عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ''۔ [1]

دیکھنا نئی نئی ایجاد کردہ باتوں سے بچ کر رہنا، کیونکہ دین میں ہر نئی ایجاد کردہ بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

② جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے:

''إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ''۔ [2]

---

[1] سنن ابو داود، (الفاظ اسی کے ہیں)، ۴/ ۲۰۱، حدیث (۴۶۰۷)، وسنن ابن ماجہ، ۱/ ۱۵، حدیث (۴۲)، وجامع ترمذی، ۵/ ۴۴، حدیث (۲۶۷۶)، اور فرمایا ہے کہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نیز اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے ظلال الجنۃ فی تخریج السنۃ لابن ابی عاصم، میں صحیح قرار دیا ہے، ص: ۱۷، حدیث (۲۷)۔

[2] ان الفاظ کے ساتھ اسے امام نسائی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، ۳/ ۱۸۸، حدیث (۱۵۷۸)، ==

یقیناً سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور بدترین چیزیں نوایجاد امور ہیں، اور ہر نوایجاد امر بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

جب ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوگیا کہ بدعت ''مُحْدَثَۃٌ'' (نوایجاد چیز) کا نام ہے تو یہ اس بات کی متقاضی ہے کہ سنت مطہرہ میں ''إحداث'' کے معنیٰ پر غور کیا جائے، اس بارے میں درج ذیل حدیثیں آئی ہیں:

③ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث، جس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ''۔[1]

جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں، وہ مردود ہے۔

④ اور ایک دوسری روایت میں ہے:

''مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ''۔[2]

جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم (دین) نہیں، وہ مردود ہے۔

اگر ان چاروں حدیثوں پر غور کیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ یہ حدیثیں ''**شارع کی نگاہ میں بدعت کی تعریف اور اس کی حقیقت**'' پر دلالت کرتی ہیں۔

== اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے، ۳/ ۱۵۳، حدیث (۸۶۷)، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: خطبۃ الحاجۃ، ازعلامہ البانی رحمہ اللہ۔

[1] صحیح بخاری، ۵/ ۳۰۱، حدیث (۲۶۹۷)، وصحیح مسلم، ۱۳/ ۴۳، حدیث (۱۷۱۸)، الفاظ اسی کے ہیں۔

[2] صحیح مسلم، حدیث (۱۷۱۸-۱۸)۔

بایں طور کہ اصطلاح شریعت میں بدعت کی تین خاص شرطیں ہیں، جب تک یہ شرطیں نہ پائی جائیں کوئی چیز شریعت میں بدعت نہ ہوگی، یہ شرطیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ وہ امر نو ایجاد ہو۔

۲۔ اس نو ایجاد امر کا دین میں اضافہ کیا گیا ہو۔

۳۔ اس نو ایجاد کاری کی خاص یا عام طریقہ سے کوئی شرعی بنیاد نہ ہو۔

آئندہ سطروں میں ان تینوں قیود (شروط) کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ وہ امر نو ایجاد ہو:

اس قید (شرط) کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان: ''مَنْ أَحْدَثَ'' (جس نے کوئی نئی بات ایجاد کی) اور ''وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ'' (ہر نئی ایجاد کردہ بات بدعت ہے) ہے۔

اور اِحداث سے مراد: کوئی ایسی نئی چیز ایجاد کرنا یا نو ایجاد چیز لانا ہے جس سے پہلے اس جیسی چیز نہ رہی ہو۔[1]

---

[1] اس میں دونوں صورتیں برابر ہیں:

۱۔ جسے پہلے پہل ابتداءً شروع کیا گیا ہو، اس سے پہلے اس جیسی چیز سرے سے نہ رہی ہو؛ جیسے، بت پرستی کا پہلے پہل وجود، یہ مطلق احداث (نو ایجاد کاری) ہے۔

۲۔ اسی طرح جسے دوسری مرتبہ ایجاد کیا گیا، اُس سے پہلے اس جیسی چیز رہی ہو، لیکن آثار ناپید ہونے کے بعد دوبارہ شروع کیا گیا ہو؛ جیسے مکہ میں بت پرستی کا وجود، کہ یہ بدعت وہاں عمرو بن لحی نے ایجاد کی ہے، یہ نسبی احداث (ایجاد کاری) ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے: ہر وہ چیز ہے جس کا دین میں اضافہ کیا جائے جو اس میں سے نہ ہو، جیسا کہ اس پر حدیث رسول: ''مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ'' دلالت کرتی ہے۔

چنانچہ اسے خصوصی طور پر دین کے اعتبار سے محدث (نو ایجاد) کہا جاتا ہے، ورنہ ہوسکتا ہے غیر دینی اعتبار سے وہ نو ایجاد نہ ہو۔

چنانچہ اس میں ہر نو ایجاد چیز داخل ہے خواہ مذموم ہو یا محمود، دین میں ہو یا دین کے علاوہ میں۔

اس قید سے وہ چیزیں خارج ہو جاتی ہیں جو سرے سے نو ایجاد نہ ہو، جیسے دینی شعائر وارکان کی انجام دہی مثلا پنجوقتہ نمازیں، ماہ رمضان کے روزے وغیرہ، اسی طرح عام دنیوی امور میں سے کسی چیز کی انجام دہی جیسے کھانا پینا، لباس وغیرہ۔

اور چونکہ نئی ایجاد بسا اوقات دنیوی امور میں بھی ہو سکتی ہے اور دینی امور میں بھی ہو سکتی ہے؛ اس لئے اس نئی ایجاد کاری کو درج ذیل دو قیود سے مقید کرنا لازمی قرار پایا:

۲۔ اس نو ایجاد امر کا دین میں اضافہ کیا گیا ہو:

اس قید کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان "فِي أَمْرِنَا هَذَا" (ہمارے اس امر میں) ہے، اور یہاں آپ کے امر سے مراد آپ کا دین اور شریعت ہے۔ [1]

چنانچہ بدعت میں جو معنیٰ مقصود ہے وہ یہ کہ: نو ایجاد کاری شریعت کی طرف منسوب کی گئی ہو اور کسی بھی طرح اُس کا دین میں اضافہ کیا گیا ہو۔

اور یہ معنیٰ تین اصولوں میں سے کسی (بھی) ایک اصول سے حاصل ہوتا ہے:

پہلا اصول: ایسی چیز سے اللہ کا قرب حاصل کرنا جو مشروع نہ ہو۔

دوسرا اصول: دین کے نظام کے خلاف بغاوت کرنا۔

اور ان دونوں کے ساتھ ایک **تیسرا اصول** بھی شامل کر لیا جائے، وہ ہے بدعت تک لے جانے والے اسباب وعوامل۔

---

[1] دیکھئے: جامع العلوم والحکم، از ابن رجب، (۱/۱۷۷)۔

اس قید سے تمام مادی اختراعات و دنیوی ایجادات خارج ہو جاتی ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسی طرح نئے ایجاد کردہ گناہ و معاصی اور منکرات بھی جو پہلے نہ تھے، یہ بھی بدعت نہیں ہیں، اِلا یہ کہ اُنہیں اللہ کی قربت وعبادت کے طور پر انجام دیا جائے، یا اس چیز کا ذریعہ ہوں کہ انہیں دین کا حصہ تصور کیا جائے۔

۳۔ اس نو ایجاد کاری کی خاص یا عام طریقہ سے کوئی شرعی اصل و بنیاد نہ ہو:

اس قید کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان: ''مَا لَيْسَ مِنْهُ'' (جو اس میں سے نہیں)اور ''لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا'' (جس پر ہمارا حکم نہیں) ہے۔

اس قید سے دین سے متعلق وہ نو ایجاد امور خارج ہو جاتے ہیں جس کی کوئی شرعی اصل ہو، خواہ عام ہو یا خاص۔

چنانچہ دین میں نئی ایجاد کردہ چیزیں جو کسی عام شرعی دلیل پر مبنی ہوں: وہ چیزیں ہیں جو مصالح مرسلہ سے ثابت ہیں، جیسے صحابہ کرام کا قرآن کریم کو جمع کرنا۔

اور دین میں نئی ایجاد کردہ چیزوں میں سے جو کسی خاص شرعی دلیل پر مبنی ہو، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں نماز تراویح باجماعت ایجاد (جاری) کرنا ہے، کیونکہ یہ ایک خاص شرعی دلیل پر مبنی ہے۔

اسی طرح مہجور و متروک احکام و شرائع کو زندہ کرنا، اس کی مثال زمان و مکان کے اعتبار سے بہت زیادہ مختلف ہو سکتی ہے، البتہ اس کی ایک مثال غفلت کی جگہوں میں اللہ کا ذکر کرنا ہے۔

لفظ ''اِحداث'' کا لغوی معنیٰ مدنظر رکھتے ہوئے، شرعی دلیل پر مبنی امور کو بھی ''محدثات''

(نوایجاد امور) کہنا درست ہوگا؛ کیونکہ ان شرعی امور کو دوبارہ انجام دینا شروع کیا گیا ہے، جبکہ انہیں چھوڑ ا یا مجہول کیا جاچکا تھا، لہٰذا یہ ایک خاص نسبت سے ''اِحداث'' (نوایجاد) ہے۔

ورنہ یہ بات معلوم ہے کہ ہر نوایجاد کاری جس کی صحت وثبوت پر شرعی دلیل دلالت کرے اُسے شریعت کی نگاہ میں نہ اِحداث (نوایجاد کاری) کہا جائے گا نہ وہ بدعت ہوگی، کیونکہ -شریعت کی نظر میں- نوایجاد کاری اور بدعت اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی سرے سے کوئی دلیل نہ ہو۔

ذیل میں اہل علم کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں جن سے ان تینوں قیود (شرائط) کی وضاحت ہوتی ہے:

امام ابن رجب (۷۹۵ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَكُلُّ مَنْ أَحْدَثَ شَيْئًا، وَنَسَبَهُ إِلَى الدِّينِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ أَصْلٌ مِنَ الدِّينِ يَرْجِعُ إِلَيْهِ، فَهُوَ ضَلَالَةٌ، وَالدِّيْنُ بَرِيءٌ مِنْهُ''۔ [1]

ہر شخص جو کوئی نئی چیز ایجاد کرے اور اُسے دین کی طرف منسوب کرے، جبکہ دین میں اس کی کوئی اصل نہ ہو جس کی طرف وہ لوٹتی ہو؛ تو وہ گمراہی ہے، دین اُس سے بری ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

''وَالْمُرَادُ بِالْبِدْعَةِ: مَا أُحْدِثَ مِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ فِي الشَّرِيعَةِ يَدُلُّ عَلَيْهِ، فَأَمَّا مَا كَانَ لَهُ أَصْلٌ مِنَ الشَّرْعِ يَدُلُّ عَلَيْهِ، فَلَيْسَ بِبِدْعَةٍ شَرْعًا، وَإِنْ كَانَ بِدْعَةً لُغَةً''۔ [2]

بدعت سے مراد وہ چیز ہے: جسے نیا ایجاد کرلیا جائے، جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو

---

[1] جامع العلوم والحکم، از ابن رجب، (۲/ ۱۲۸)۔

[2] جامع العلوم والحکم، از ابن رجب، (۲/ ۱۲۷)۔

جو اُس پر دلالت کرے، اب اگر شریعت میں اس کی کوئی اصل ہو جو اُس پر دلالت کرے تو گرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہے لیکن شریعت کی اصطلاح میں بدعت نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ: **كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**، مَا أُحْدِثَ، وَلَا دَلِيلَ لَهُ مِنَ الشَّرْعِ بِطَرِيقٍ خَاصٍّ وَلَا عَامٍّ‘‘۔ [1]

فرمان نبوی ﷺ: ’’كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ‘‘ (ہر بدعت گمراہی ہے) سے مراد ہر وہ بات ہے جسے نیا ایجاد کرلیا جائے جبکہ اُس پر خاص یا عام کسی بھی طرح کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔

نیز فرماتے ہیں:

’’وَهَذَا الْحَدِيثُ مَعْدُودٌ مِنْ أُصُولِ الْإِسْلَامِ وَقَاعِدَةٌ مِنْ قَوَاعِدِهِ، فَإِنَّ مَعْنَاهُ: مَنِ اخْتَرَعَ فِي الدِّينِ مَا لَا يَشْهَدُ لَهُ أَصْلٌ مِنْ أُصُولِهِ فَلَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ‘‘۔ [2]

یہ حدیث یعنی ’’مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ‘‘ (جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں، وہ مردود ہے) اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصول اور اس کے قواعد میں سے ایک قاعدہ شمار کی جاتی ہے؛ کیونکہ جو شخص دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جس پر دین کے اصولوں میں سے کسی اصل کی کوئی شہادت نہ ہو، اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری، از حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، (۱۳ / ۲۵۴)۔

[2] فتح الباری، (۵ / ۳۰۲)، نیز دیکھئے: معارج القبول، (۲ / ۴۲۶)، وشرح لمعۃ الاعتقاد، (ص: ۲۳)۔

بدعت کی شرعی تعریف:

سابقہ باتوں سے ہمارے لئے شریعت میں بدعت کے معنی کی تعیین کرنا ممکن ہے، وہ یہ کہ شریعت میں بدعت وہ ہے جس میں سابقہ تینوں قیود وشرائط اکٹھا ہوں، لہٰذا تینوں قیود کے ساتھ بدعت کی جامع تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے:

''مَا أُحدِثَ فِي دِينِ اللهِ، وَلَيسَ لَهُ أَصل عَامّ وَلَا خَاصّ يَدُلُّ عَلَيهِ''۔

کہ بدعت: اس چیز کو کہتے ہیں جسے دین میں نیا ایجاد کیا گیا ہو جس کی کوئی عام یا خاص اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کرے۔

یا اور مختصر عبارت میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں:

''مَا أُحدِثَ فِي الدِّينِ مِن غَيرِ دَلِيل''۔

کہ بدعت: دین میں اس نو ایجاد چیز کو کہتے ہیں جس کی کوئی دلیل نہ ہو۔

❊ ❊ ❊

تیسرا مسئلہ:
بدعت کے لغوی وشرعی معنیٰ کے مابین موازنہ

اس موازنہ کے دو پہلو ہیں:

۱۔ یہ کہ بدعت کا لغوی معنیٰ اُس کے شرعی معنیٰ سے زیادہ عام ہے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے؛ بایں طور کہ شرعی اصطلاح کی ہر بدعت لغوی معنیٰ کی بدعت کے اندر داخل ہے، مگر اس کے برعکس نہیں، کیونکہ لغوی معنیٰ کی بعض بدعتیں شرعی اصطلاح میں بدعت میں داخل نہیں ہیں- جیسے مادی ایجادات واختراعات-۔[1]

۲۔ شرعی اصطلاح میں بدعت: وہ ہے جس کا ذکر فرمان نبوی ''کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' (ہر بدعت گمراہی ہے) میں ہے، برخلاف لغوی بدعت کے، اسی لئے شرعی بدعت کو ضلالت وگمرہی اور مردود کے وصف سے متصف کیا گیا ہے، اور یہ وصف عام ہے اس میں کوئی استثناء نہیں ہے، برخلاف لغوی بدعت کے، کہ وہ حدیث رسول ''وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' میں مقصود نہیں ہے، اس لئے کہ لغوی بدعت پر ضلالت ومذمت کا وصف لاگو ہوتا ہے نہ اُس پر باطل ومردود ہونے کا حکم لازم آتا ہے۔

* * *

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، (۲/ ۵۹۰)۔

چوتھا مسئلہ:

''ابتداع'' اور ''إحداث'' کے درمیان تعلق

''ابتداع'' اور ''إحداث'' دونوں عربی زبان میں ایک معنیٰ میں آتے ہیں؛ چنانچہ دونوں کا معنیٰ کوئی نئی چیز ایجاد کرنا ہے، جو پہلے نہ تھی۔

رہا شرعی معنیٰ کا معاملہ تو سابق الذکر چاروں حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ شریعت میں **بدعت کے دو نام ہیں: بدعت اور محدثہ۔**

البتہ بدعت کا لفظ زیادہ تر ''خصوصیت کے ساتھ دین میں مذموم نوایجاد امر'' پر ہوتا ہے۔

جبکہ محدثہ کا لفظ زیادہ تر ''مذموم نو ایجاد امر پر ہوتا ہے خواہ دین میں ہو یا اس کے علاوہ میں''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''إحداث'' کا لفظ ''ابتداع'' سے زیادہ عام ہے؛ کیونکہ إحداث کا لفظ ہر مذموم نوایجاد کاری کو شامل ہے خواہ دین میں ہو یا دین کے علاوہ میں، بایں طور کہ إحداث کے معنیٰ میں گناہ و نافرمانی کا ارتکاب وغیرہ بھی داخل ہوتا ہے، چنانچہ اسی قبیل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوَى مُحْدِثًا''۔ [1]

جس نے اس میں کوئی گناہ ایجاد کیا یا کسی گنہ گار کو پناہ دیا۔

---

[1] صحیح البخاری، ۴/ ۸۱، حدیث (۱۸۷۰)، وصحیح مسلم، ۹/ ۱۴۰، حدیث (۱۳۷۰)۔

حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یعنی ''معصیت (نافرمانی) ایجاد کیا''۔ [1]

اس سے ہمارے سامنے واضح ہوتا ہے کہ-اس اعتبار سے-محدثۃ کا لفظ بدعت کے لغوی معنیٰ اور شرعی معنیٰ کے درمیان ہے، چنانچہ وہ بدعت کے لغوی معنیٰ سے زیادہ خاص اور شرعی معنیٰ سے زیادہ عام ہے۔

مجموعی طور پر ہمیں تین معانی حاصل ہوئے:

۱۔ نوایجاد امر، خواہ قابل مذمت ہو یا قابل تعریف، اور دین میں ہو یا اس کے علاوہ میں۔

۲۔ نوایجاد امر جو مذموم ہو، خواہ دین میں ہو یا اس کے علاوہ میں۔

۳۔ نوایجاد امر جو خصوصیت کے ساتھ دین میں مذموم ہو۔

چنانچہ پہلا معنیٰ عام ہے، جو بدعت ومحدثۃ کا لغوی معنیٰ ہے۔

دوسرا معنیٰ خاص ہے، جو محدثۃ کا-فی الغالب-شرعی معنیٰ ہے۔

اور تیسرا معنیٰ اور زیادہ خاص ہے، جو بدعت کا شرعی معنیٰ ہے، نیز وہی محدثۃ کا دوسرا شرعی معنیٰ ہے۔

* * *

[1] دیکھئے: فتح الباری، از ابن حجر، (۱۳/ ۲۸۱)۔

پانچواں مسئلہ:
بدعت وسنت کے درمیان تعلق

لفظ بدعت کے ان دونوں لغوی وشرعی معنیٰ کی طرح لفظ سنت آتا ہے، اس کی وضاحت حسب ذیل ہے:

ا۔ سنت کا لغوی معنیٰ:

عربی زبان میں لفظ "سنت" کا وہی معنیٰ ہے جو بدعت کا لغوی معنیٰ ہے؛ بایں طور کہ لغت میں سنت کا معنیٰ طریقہ ہے، خواہ اچھا ہو یا بُرا، چنانچہ جو بھی کوئی کام شروع کرتا ہے جس پر اُس کے بعد کے لوگ عمل کریں اُسے سنت کہا جاتا ہے۔[1]

اس طور پر لغوی معنیٰ میں سنت و بدعت مترادف الفاظ ہیں۔

لغوی اعتبار سے لفظ سنت کے بدعت کے معنیٰ میں استعمال ہونے کی ایک مثال

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

"مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ

[1] دیکھئے: المصباح المنیر، (ص: ۲۹۲)۔

يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ“۔ [1]

جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ شروع کیا، اُسے اُس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کا اجر بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے، البتہ اُن کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی، اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ شروع کیا، اُس پر اُس کا گناہ ہوگا اور ان لوگوں کا گناہ بھی جو اس پر عمل کریں گے، اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

۲۔ سنت کا شرعی معنیٰ:

شرعی معنیٰ کے اعتبار سے سنت، بدعت کے شرعی معنیٰ کے مقابل استعمال ہوتا ہے؛ اس طور پر کہ شرعی اعتبار سے سنت نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے اور بدعت وہ طریقہ ہے جو نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے خلاف ہو۔

لٰہذا - شرعی معنیٰ کے اعتبار سے - سنت اور بدعت ایک دوسرے کے مقابل اور مخالف الفاظ ہیں، چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ، فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثِ بِدْعَةٍ“۔ [2]

جو قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے، اُسی کے مثل سنت اٹھالی جاتی ہے، لٰہذا سنت پر مضبوطی سے قائم رہنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، ۷/ ۱۰۲-۱۰۴، حدیث (۱۰۱۷)۔

[2] اسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، ۲۸/ ۱۷۲، حدیث (۱۶۹۷۰)۔

۲۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

’’إِنَّ لِكُلِّ عَابِدٍ شِرَّةً، وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً، فَإِمَّا إِلَى سُنَّةٍ، وَإِمَّا إِلَى بِدْعَةٍ، فَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلَى سُنَّةٍ فَقَدِ اهْتَدَى، وَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلَى غَيْرِ ذٰلِكَ فَقَدْ هَلَكَ‘‘۔ [1]

یقیناً ہر عبادت گزار کے یہاں (آغاز میں) بڑا حرص اور چستی ہوتی ہے، اور ہر چستی کے بعد (لازماً) سستی اور اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے؛ اب اس کے بعد یا تو وہ سنت کی طرف جاتی ہے یا بدعت کی طرف، چنانچہ جس کی سستی سنت کی طرف گئی وہ ہدایت یاب ہوا اور جس کی سستی اس کے علاوہ کی طرف گئی وہ ہلاک ہو گیا۔

❊ ❊ ❊

[1] اسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، ۱۱/ ۸، حدیث (۶۴۷۷)۔

چھٹا مسئلہ:

بدعت ومعصیت (گناہ) کے درمیان تعلق

(بدعت اور معصیت کئی پہلوؤں سے یکساں ہوتے ہیں اور کئی وجوہ سے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔)[1]

الف: بدعت ومعصیت کے درمیان یکسانیت کے پہلو:

① دونوں چیزیں شرعاً ممنوع اور مذموم ہیں، ان کا مرتکب گنہ گار ہوگا، اس اعتبار سے بدعتیں عمومی طور پر معاصی کے تحت داخل ہیں۔[2]

اور اس نقطۂ نظر سے ہر بدعت معصیت ہے، لیکن ہر معصیت بدعت نہیں۔

② دونوں میں سے ہر ایک کے مختلف درجات ہیں، دونوں ایک درجہ کے نہیں ہیں؛ کیونکہ باتفاق علماء-معاصی کی کئی قسمیں ہیں، بعض معصیتیں کفر میں داخل کرتی ہیں، جبکہ بعض کبیرہ گناہ ہوتی ہیں اور بعض صغیرہ گناہ[3]، اسی طرح بدعتوں کی بھی قسمیں ہیں، چنانچہ بعض بدعتیں کفر کا مرتکب بنا دیتی ہیں، جبکہ بعض کبیرہ اور بعض صغیرہ ہوتی ہیں[4]۔

---

[1] از مترجم۔

[2] دیکھئے: الاعتصام، (۲/۶۰)۔

[3] دیکھئے: الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی، (ص: ۱۴۵-۱۵۰)۔

[4] یہ فرقِ مراتب اور تقسیم بندی اسی صورت میں درست ہوگی، جب بعض بدعات کو بعض کی نسبت سے ==

③ دونوں شریعت کے مٹنے اور سنت کے ناپید ہونے کا پتہ دیتی ہیں؛ چنانچہ معاصی و بدعات کی جتنی کثرت ہوگی سنتیں اتنی ہی کمزور ہوں گی اور سنتیں جتنی ہی مضبوط ہوں گی اور ان کا چلن جتنا عام ہوگا معاصی و بدعات اتنی ہی کمزور ہوں گی، لہٰذا اس نقطۂ نظر سے ہدایت کی بیخ کنی اور نور حق کو گل کرنے میں بدعت و معصیت دونوں شامل ہیں، اور دونوں متوازی راہوں میں اُسی طرف رواں دواں ہیں۔ اس کی مزید وضاحت چوتھے نقطے سے ہوگی۔

④ دونوں مقاصد شریعت کے منافی ہیں، نیز دونوں ہی دین کی تباہی اور اس کے مٹانے کا پیش خیمہ ہیں۔

ب: بدعت ومعصیت کے درمیان فرق کے پہلو:

① معصیت بدعت سے اس طور پر الگ ہے کہ عام طور پر اُس کی ممانعت کی بنیاد خاص دلائل ہوا کرتے ہیں، جیسے کتاب وسنت کے نصوص، یا اجماع یا قیاس، برخلاف بدعت کے؛ کہ عام طور پر اُس کی ممانعت کی بنیاد عام دلائل، مقاصد شریعت اور فرمان نبوی ﷺ "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" (ہر بدعت گمراہی ہے) کا عموم ہوتا ہے۔

② بدعت معصیت سے اس طور پر جدا ہے کہ وہ امر مشروع کے مقابل اور برابر ہوتی ہے؛ کیونکہ اُس کا دین میں اضافہ کیا جاتا ہے اور اُس سے جوڑا جاتا ہے، برخلاف معصیت

== دیکھا جائے، تب ہی ان کے درجات ومراتب مختلف ہو سکتے ہیں، کیونکہ چھوٹا بڑا ہونا نسبت واضافات اور موازنہ کے قبیل سے ہے؛ چنانچہ کبھی کوئی چیز فی نفسہ بڑی ہوتی ہیں، لیکن اُس سے بڑی چیز کی بہ نسبت چھوٹی ہوتی ہے۔ اسی لئے؛ جو بدعتیں -فی نفسہ- چھوٹی ہوتی ہیں اُنہیں بھی کبیرہ گناہوں میں شمار کیا جاتا ہے، صغیرہ گناہوں میں نہیں، یعنی شرک باللہ کے علاوہ دیگر گناہ ومعاصی کی نسبت سے۔ دیکھئے: الاعتصام، (۲/ ۵۷-۶۲)، اس کی مزید وضاحت آئندہ نقاط میں عنقریب آئے گی۔

کے، کہ وہ مشروع کے مخالف ہوتی ہے، بایں طور کہ وہ دین سے خارج ہے، اس کی طرف منسوب ہی نہیں ہے، اِلا یہ کہ اس گناہ کو تقرب اور نیکی کی نیت سے کیا جائے، تو ایسی صورت میں وہ- دو مختلف اعتبار سے- بیک وقت معصیت اور بدعت دونوں قرار پائے گی۔

③ بدعت معصیت سے اس طور پر بھی الگ ہے کہ وہ شریعت سازی کے ذریعہ اللہ کے حدود سے تجاوز کے اعتبار سے ایک بہت بڑا جرم ہے؛ کیونکہ اس کا خلاصہ کمال شریعت کے عقیدہ کی خلاف ورزی، شریعت اسلامیہ کو نقص وعیب اور استدراک وتعاقب سے متہم کرنا، نیز یہ باور کرانا ہے کہ شریعت اب تک مکمل نہیں ہوئی ہے، برخلاف گناہ ومعاصی کے، کہ اس کے نتیجہ میں شریعت کی تنقیص وتوہین لازم نہیں آتی، بلکہ گنہگار شخص اُس سے بری ہوتا ہے اور اُس کے حکم کی خلاف ورزی کا اقراری ہوتا ہے۔

④ معصیت بدعت سے اس طور پر الگ ہے کہ وہ حکم شریعت کی پامالی کے ذریعہ اللہ کے حدود سے تجاوز کے اعتبار سے ایک بہت بڑا جرم ہے؛ کیونکہ اس کا خلاصہ اللہ کے دین وشریعت کی تابعداری چھوڑ کر دلوں میں اللہ کا وقار واحترام نہ سمجھنا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے:

''لَا تَنْظُرْ إِلَى صِغَرِ الْخَطِيئَةِ وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى مَنْ عَصَيْتَ''۔[1]

یہ نہ دیکھو کہ گناہ چھوٹا ہے، بلکہ یہ دیکھو کہ تم کس کی نافرمانی کر رہے ہو۔

برخلاف بدعت کے؛ کیونکہ بدعتی یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کا احترام کرنے والا اور شریعت کی تعظیم بجالانے والا ہے، نیز یہ سوچتا ہے کہ وہ اپنے رب سے بڑا قریب اور اس کے حکم کی

---

[1] دیکھئے: الجواب الکافی، (ص: ۵۸، ۱۴۹-۱۵۰)، والاعتصام، (۲/ ۶۲)۔

[یہ بات انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بطور حدیث مرفوعاً بھی مروی ہے، لیکن وہ موضوع اور باطل ہے، دیکھئے: موطا امام مالک، بتحقیق مصطفی الأعظمی، (۱/ ۱۲۸)۔ (مترجم)]۔

بجا آوری کرنے والا ہے، اسی لئے سلف اُس بدعتی کی روایت قبول کرتے ہیں جو اپنی بدعت کا پرچارک نہ ہو اور جھوٹ کو حلال سمجھنے والا نہ ہو، برخلاف اس شخص کے جو گناہ و معاصی کا مرتکب ہو، کیونکہ وہ فاسق اور ساقط العدالۃ ہے اور متفقہ طور پر اس کی روایت مردود ہے۔

۵ نیز معصیت اس لئے بھی کہ بدعت سے الگ ہے کہ بسا اوقات اُس کے مرتکب کے جی میں آتا ہے کہ وہ اللہ سے توبہ و رجوع کر لے، برخلاف بدعتی کے؛ کہ وہ اپنی بدعت پر اور زیادہ اڑ جاتا ہے، اس لئے کہ وہ اپنے عمل کو نیکی تصور کرتا ہے، بالخصوص بڑی بڑی بدعات کے مرتکبین، جیسا کہ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿أَفَمَن زُيِّنَ لَهُۥ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ فَرَءَاهُ حَسَنًا﴾ [فاطر:۸]۔

کیا پس وہ شخص جس کے لئے اس کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں پس وہ انہیں اچھا سمجھتا ہے۔

اور امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

”إِنَّ الْبِدْعَةَ أَحَبُّ إِلَى إِبْلِيسَ مِنْ الْمَعْصِيَةِ؛ لِأَنَّ الْمَعْصِيَةَ يُتَابُ مِنْهَا، وَالْبِدْعَةُ لَا يُتَابُ مِنْهَا“۔ [1]

بدعت ابلیس کو گناہ سے زیادہ محبوب ہے؛ کیونکہ گناہ سے توبہ کر لی جاتی ہے، لیکن بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی۔

اور اثر میں وارد ہے کہ ابلیس نے کہا:

---

[1] [دیکھئے: شرح أصول اعتقاد أہل السنۃ، ۱/۱۴۹، نمبر (۲۳۸)، ومسند ابن الجعد، ص: ۲۷۲، نمبر (۱۸۰۹)، وحلیۃ الأولیاء لأبی نعیم، ۷/۲۶، وشرح السنۃ للبغوی، ۱/۲۱۶۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس قول کو دیگر ائمہ اسلام کے حوالہ سے بھی بیان کیا ہے، دیکھئے: مجموع فتاوی، ۱۰/۹، و ۱۱/۶۸۴، وأمراض القلوب وشفاؤھا ص: ۳۸۔ (مترجم)]۔

”أَهْلَكْتُ بَنِي آدَمَ بِالذُّنُوبِ، وَأَهْلَكُونِي بِالِاسْتِغْفَارِ وَبِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ بَثَثْتُ فِيهِمُ الْأَهْوَاءَ، فَهُمْ يُذْنِبُونَ وَلَا يَتُوبُونَ؛ لِأَنَّهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا“۔ [1]

میں نے اولاد آدم کو گناہوں کے ذریعہ ہلاک کیا، اور انہوں نے مجھے استغفار اور ”لا إلٰہ إلا اللہ“ کے ذریعہ ہلاک کیا، جب میں نے یہ صورت دیکھی تو ان میں بدعات وخواہشات پھیلا دیا، چنانچہ وہ گناہ کرتے ہیں مگر اس سے توبہ نہیں کرتے؛ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔

⑥ اسی لئے بدعت کی جنس معصیت کی جنس سے زیادہ سنگین ہے، کیونکہ:

”فِتْنَةُ الْمُبْتَدِعِ فِي أَصْلِ الدِّينِ، وَفِتْنَةُ الْمُذْنِبِ فِي الشَّهْوَةِ“۔ [2]

بدعتی کا فتنہ دین کی بنیاد میں ہوتا ہے اور گناہ گار کا فتنہ شہوت میں۔

یہ ساری باتیں اسی صورت میں ہمیشہ اور درست ہوں گی جب دونوں میں سے کسی میں ایسے قرائن اور احوال نہ پائے جائیں جو اُسے اس کی حیثیت سے پھیر دیں۔

ان قرائن اور حالات کی مثالوں میں سے ایک مثال:

یہ ہے کہ معصیت ہو یا بدعت، مخالفت کا درجہ اس وقت بڑا ہو جاتا ہے جب اس میں ہمیشگی،

---

① دیکھئے: سابقہ دونوں مراجع۔ اور اس اثر کو ابن ابی عاصم نے السنۃ میں روایت کیا ہے، ص:۹، نمبر (۷)، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی سند موضوع ہے، دیکھئے: ظلال الجنۃ فی تخریج السنۃ، ص:۱۰۔
[نیز دیکھئے: ضعیف الجامع، حدیث (۳۷۹۵)، البتہ واضح رہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم رحمہما اللہ نے اپنی متعدد کتابوں میں کئی مقامات پر اس اثر سے استشہاد کیا ہے۔ (مترجم)]۔

② الجواب الکافی، از ابن القیم، ص:۵۸۔ نیز دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۰/ ۱۰۳۔

اصرار، یا استخفاف وغیرہ پایا جائے، یا اُسے حلال سمجھا جائے، یا اسے علانیہ کیا جائے، یا اس کی دعوت دی جائے وغیرہ، اور اس کی خطرناکی وسنگینی اس وقت کم ہو جاتی ہے جب اس میں پردہ پوشی، پوشیدگی، یا اس پر عدم اصرار، یا ندامت وشرمندگی اور اس سے رجوع وغیرہ پایا جائے۔

ان قرائن کی مزید ایک مثال:

یہ بھی ہے کہ مفاسد کی سنگینی کے سبب خلاف ورزی کا درجہ بذات خود بڑھ جاتا ہے، چنانچہ جس چیز کے مفاسد کا تعلق دین کے کلی معاملہ سے ہوگا وہ اُس چیز سے زیادہ بڑا اور سنگین ہوگا جس کا تعلق دین کے جزئی معاملہ سے ہوگا، اسی طرح: جس چیز کے مفاسد کا تعلق دین سے ہوگا وہ اُس چیز سے زیادہ بڑا اور سنگین ہوگا جس کا تعلق نفس اور ذات سے ہوگا۔

خلاصۂ کلام اینکہ بدعات ومعاصی کے مابین موازنہ میں:

حالت ومقام کی رعایت، مصالح ومفاسد کا اعتبار، اور معاملات کے انجام کار کو مدنظر رکھنا ضروری ہے؛ کیونکہ بدعات کی خطرناکی سے تنبیہ اور اس کے معاملہ کی سنگینی بیان کرنے میں ضروری ہے کہ یہ چیز- بروقت یا باعتبار انجام- گناہ ومعاصی کو معمولی سمجھنے اور اس کے معاملہ کو حقیر جاننے کا پیش خیمہ نہ ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ گناہوں کی خطرناکی سے تنبیہ اور اس کے معاملہ کی سنگینی بیان کرنا- بروقت یا انجام کار کے اعتبار سے- بدعات کو معمولی سمجھنے اور اس کے معاملہ کو حقیر بنانے کا سبب نہ ہو۔

❊ ❊ ❊

ساتواں مسئلہ:

بدعت اور مصلحت مرسلہ[1] کے مابین تعلق[2]

الف: بدعت و مصلحت مرسلہ کے درمیان یکسانیت کے پہلو:

① بدعت اور مصلحت مرسلہ دونوں دورِ نبوت میں نہیں پائے گئے، بالخصوص مصالح مرسلہ،

---

[1] **مصلحت:** کا معنیٰ فائدہ، نفع یا دفع ضرر ہے، یہ مفسدہ کی ضد ہے، اس کی جمع مصالح ہے۔ اور **مرسلہ:** کا معنیٰ آزاد ہے، جس میں کوئی قید نہ ہو، یعنی آزاد وصف جو کسی بھی قید و تحدید سے خالی ہو۔ مصالح مرسلہ: یعنی عام منافع جس میں کسی قسم کی قید و تحدید نہ ہو۔

اصولیوں کی اصطلاح میں: مصلحت مرسلہ سے مراد وہ مصلحت ہے جس کے تحقق کے لئے شریعت نے کوئی حکم مشروع کیا ہو نہ اس مصلحت کا اعتبار کرنے یا نہ کرنے کی کوئی شرعی دلیل ہو۔ اس مصلحت کا نام مرسلہ یعنی مطلق اور آزاد اسی لئے ہے کہ وہ اعتبار یا عدم اعتبار کی کسی دلیل سے مقید نہیں ہے۔ اس کی مثال: وہ مصلحت ہے جس کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قید خانے بنانے اور سکے ڈھالنے کا نظام قائم کیا، یا اسی طرح مفتوحہ زمینوں کی کھیتیوں کو ان کے مالکان کے پاس ہی رکھ کر اُس پر ٹیکس نافذ کیا، اور اس قسم کی دیگر مصلحتیں جو ضرورت، حاجت یا تحسین و تکمیل کی متقاضی تھیں، اور ان کے لئے کوئی حکم مشروع تھا نہ اس مصلحت کا اعتبار کرنے یا نہ کرنے کی کوئی شرعی دلیل تھی۔

حفاظت کے پہلو سے مصالح مرسلہ کی پانچ قسمیں ہیں: دین کی حفاظت، جان کی حفاظت، عقل کی حفاظت، نسل و نسب کی حفاظت اور مال کی حفاظت۔ انہیں پانچ ضروریات یا پانچ مقاصد کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اسی طرح مصلحت کی قوت کے اعتبار سے اُس کی تین قسمیں ہیں: اضطراری مصلحت (یعنی مفاسد اور نقصاندہ امور کا دفع)، حاجتی مصلحت (یعنی نفع و فائدہ کا حصول) اور تحسینی مصلحت (تکمیل و تتمہ کا حصول)۔

مصالح مرسلہ بدعات کے قبیل سے قطعاً نہیں ہیں۔ (دیکھئے: تشنیف المسامع بجمع الجوامع، از علامہ بدر الدین الزرکشی، ۳/ ۲۰، وعلم أصول الفقہ، از عبد الوہاب الخلاف، ص: ۸۴، ومعالم أصول الفقہ عند أہل السنۃ والجماعۃ، از مولف، ص: ۲۳۶، ومن أصول الفقہ علی منہج أہل الحدیث، از شیخ غلام زکریا ص: ۲۰۷، وموسوعۃ الألبانی فی العقیدۃ، ۳/ ۱۱۲۴۔) (مترجم)]

[2] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۱۲۹-۱۳۵، والابداع فی مضار الابتداع، از شیخ علی محفوظ، ص: ۸۳ - ۹۲۔

اور بدعات کا معاملہ بھی زیادہ تر یہی تھا، البتہ بسا اوقات آپ ﷺ کے زمانہ میں بعض بدعتیں پائی گئی ہیں- جو بہت کم ہیں-؛ جیسے وہ بات جو ان تین لوگوں کے واقعہ میں آئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھنے آئے تھے۔

② بدعت - زیادہ تر - اور مصلحت مرسلہ دونوں خاص متعین دلیل سے خالی ہیں، کیونکہ ان دونوں کی بابت زیادہ سے زیادہ عام اور مطلق دلائل ہی سے استدلال کیا جاتا ہے۔

ب: بدعت و مصلحت مرسلہ کے درمیان فرق کے پہلو:

① بدعت (مصلحت مرسلہ سے) اس طور پر علیٰحدہ ہے کہ وہ صرف تعبدی امور اور اس سے ملحق دینی مسائل میں پائی جاتی ہے برخلاف مصلحت مرسلہ کے؛ کہ اس میں زیادہ تر وہ مسائل مدنظر ہوتے ہیں جن کا معنیٰ عقلی طور پر سمجھ میں آئے، اور وہ ایسی معقول مناسبتوں پر قائم ہوں کہ جب اُنہیں عقلوں پر پیش کیا جائے تو عقلیں اُسے بآسانی قبول کرلیں، لہٰذا تعبدی امور اور اس کے قائم مقام شرعی مسائل میں مصلحت مرسلہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

② بدعت اس طور پر بھی الگ ہے کہ وہ ارباب بدعت کے یہاں اولین مقصد کے طور پر مطلوب ہوتی ہے؛ چنانچہ بدعتی حضرات - عام طور پر - اس کی انجام دہی سے اللہ کی قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اُس سے کسی طرح ہٹنا نہیں چاہتے، اس لئے بدعتیوں کے یہاں یہ بہت بعید بات ہے کہ اُس پر عمل نہ کریں، کیونکہ وہ اپنی بدعت کو دیگر تمام چیزوں سے زیادہ راجح سمجھتے ہیں، برخلاف مصلحت مرسلہ کے؛ کہ وہ اولین مقصد سے کمتر ثانوی مقصد کے طور پر مطلوب ہوتی ہے، چنانچہ وہ وسائل کے باب کے تحت داخل ہوتی ہے؛ اس لئے کہ یہ محض اس لئے مشروع کی گئی ہے تا کہ اُسے مقاصد شریعت میں سے کسی مقصد تک رسائی کا ذریعہ بنایا جائے، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ مصلحت جب بھی اپنے سے بڑے کسی فساد سے

ٹکراتی ہے تو شرعاً اس کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے اور وہ نا قابل التفات رہ جاتی ہے، بنا بریں مصالح مرسلہ کی جہت سے بدعات کی ایجاد ناممکن ہے۔

③ بدعت اس طور پر بھی جدا ہے کہ اُس کے نتیجہ میں مکلفین پر شدت پیدا ہوتی ہے اور اُنہیں مزید مشقت اور حرج لاحق ہوتا ہے، برخلاف مصلحت مرسلہ کے؛ کہ اس کے نتیجہ میں مکلفین پر آسانی پیدا ہوتی ہے، اور اس سے حرج و مشقت دور ہوتی ہے، یا پھر اُن کے کسی ضروری معاملہ کی حفاظت ہوتی ہے۔

④ بدعت اس طور پر بھی الگ اور جُدا ہے کہ وہ مقاصد شریعت کے منافی اور اُسے تہس نہس کرنے والی ہے، برخلاف مصلحت مرسلہ کے؛ کہ اُس کے شرعاً معتبر ہونے کے لئے ہی ضروری ہے کہ وہ مقاصد شریعت کے تحت آئے اور اُس کی خدمتگار ہو، ورنہ شرعاً معتبر ہی نہ ہوگی۔

⑤ اور مصلحت مرسلہ (بدعت سے) اس طور پر علیٰحدہ ہے کہ اُس کے عہد رسالت میں پیش نہ آنے کی وجہ یہ تھی کہ اُس کے فعل کا تقاضہ ہی موجود نہ تھا، یا پھر فعل کا تقاضہ تو موجود تھا لیکن کوئی چیز اس سے مانع تھی، برخلاف بدعت کے؛ کہ فعل کا تقاضہ موجود ہونے، سبب فراہم ہونے اور مانع نہ ہونے کے باوجود عہد رسالت میں رونما نہیں ہوئی۔

حاصل کلام: یہ کہ اگر مصالح مرسلہ کی شرطوں کی رعایت کی جائے تو وہ بدعت کے منافی اور اس سے الگ تھلگ ہوگی، اور مصلحت مرسلہ کی طرف سے بدعت رونما نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ ایسی صورت میں اُس کا اعتبار ہی ساقط ہو جائے گا، اُسے مصلحت مرسلہ کہا ہی نہ جائے گا، بلکہ اُسے منسوخ مصلحت یا پھر فساد کہا جائے گا۔

❊ ❊ ❊

آٹھواں مسئلہ:

بدعت کی خصوصیات

اگر بدعت کے شرعی معنیٰ میں وارد تینوں قیود پر غائرانہ نظر ڈالیں تو ہمارے لئے بدعات کی خصوصیات وعلامات نکالنا ممکن (اور آسان) ہے، یہ وہ خصوصیات ہیں جس سے بدعتیں اُن چیزوں سے نمایاں اور جدا ہو جاتی ہیں جو اُس سے گڈ مڈ ہوتی ہیں اور اُس سے قریب ہیں۔

یہ چار خصوصیات ہیں:

پہلی خصوصیت: یہ ہے کہ عام طور پر بدعت کی ممانعت کے سلسلہ میں کوئی خاص دلیل موجود نہیں ہے [1]، بلکہ اُس سے ممانعت کے لئے عمومی کلی دلیل سے استدلال کیا جاتا ہے۔

دوسری خصوصیت: یہ ہے کہ بدعت مقاصد شریعت کے مناقض ومنافی اور اُسے نیست ونابود کرنے والی ہوتی ہے، بدعت کی مذمت اور اُس کے باطل ہونے کی یہی کلی دلیل ہے، اسی لئے حدیث میں اُس کا وصف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ سراپا ''ضلالت'' ہے۔

تیسری خصوصیت: یہ ہے کہ بدعت عام طور پر ایسے کاموں کی انجام دہی سے ہوتی ہے جو عہد رسول ﷺ میں معروف تھے نہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں۔

---

[1] اس سے وہ بدعات مستثنیٰ ہیں جن سے باقاعدہ نام بنام منع کیا گیا ہے، اور ان کی تعداد بہت کم ہے۔ دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۵۸۶-۵۸۷۔

امام ابن الجوزی (۵۹۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَالبِدعَةُ: عِبَارَة عَنْ فِعل لَم يَكن فَابتُدِعَ"۔ [1]

بدعت: اس کام کی انجام دہی کا نام ہے جو پہلے نہ تھا، بعد میں اُسے ایجاد کیا گیا۔

اسی لئے بدعت کو بدعت کہا گیا ہے؛ کیونکہ عربی زبان میں بدعت اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی مثال کے بغیر نئی ایجاد کی گئی ہو، خواہ اچھی چیز ہو یا مذموم اور بُری، اسی بنا پر بعض سلف صالحین نے ہر معاملہ پر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ناپید تھا- خواہ اچھا ہو یا بُرا- بدعت کا لفظ استعمال کیا ہے، جیسا کہ یہ بات امام شافعی (۲۰۴ھ) رحمہ اللہ سے منقول ہے۔

چوتھی خصوصیت: یہ ہے کہ چونکہ بدعت شریعت کے مشابہ اور اس کی نقل ہوتی ہے، اس لئے شرعی امور لازماً اُس سے گڈ مڈ ہوتے ہیں۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ بدعت دو اعتبار سے مشروع کی نقل کرتی اور اس کے ہمسر ہوتی ہے:

۱۔ اپنی دلیل ومستند کے اعتبار سے؛ کیونکہ بدعت کسی شبہہ یا وہمی دلیل سے خالی نہیں ہوتی، بلکہ بدعت کی کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی ہے جس کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ صحیح دلیل ہے [2] جس طرح مشروع عبادت کی کوئی بنیاد ہوا کرتی ہے، اور ضروری ہے کہ اس کی بنیاد کوئی صحیح دلیل ہو۔

۲۔ مشروع عبادت کی کیفیت اور اس کے طریقہ کے اعتبار سے؛ یعنی عبادت کی مقدار یا کیفیت یا وقت یا جگہ کے اعتبار سے، یا اُسے لازم ٹھہرانے اور حتمی شریعت کی حیثیت

---

[1] تلبیس اِبلیس، از علامہ ابن الجوزی، ص: ۱۶۔

[2] یہ دلیل دو قسموں میں سے ایک قسم سے خالی نہیں ہوسکتی: یا تو عام مطلق دلائل ہوں گے، یا خاص کمزور دلائل۔

دے دینے کے اعتبار سے۔

وہ باتیں جو بدعت میں شرط نہیں ہیں:

بدعت کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد ان چند باتوں پر تنبیہ کر دینا بہتر ہوگا جن کے بارے میں بسا اوقات گمان کیا جاتا ہے کہ وہ بدعت کی خصوصیات میں داخل ہیں، جبکہ ایسا نہیں ہے، چند امور حسب ذیل ہیں:

ا۔ بدعت ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ اُس کے کچھ بھی فوائد موجود نہ ہوں، بلکہ بسا اوقات بعض بدعات کے کچھ فوائد پائے جاسکتے ہیں، کیونکہ بدعتیں بالکل خالص باطل کے قبیل سے نہیں ہیں جس میں سرے سے حق نہ ہو، نہ ہی شر محض ہیں جس میں سرے سے خیر نہ ہو۔

لیکن بسا اوقات بعض بدعات میں پائے جانے والے یہ فوائد اُسے مشروع نہیں بنا سکتے، کیونکہ بدعت میں مفسدہ کا پہلو ہی غالب ہوتا ہے، فائدہ اور منفعت کا پہلو بہت ہی کم ہوتا ہے؛ اس لئے اُسے بنیاد بنایا جاسکتا ہے نہ اس کی طرف التفات کیا جاسکتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بَلِ الْيَهُودُ والنَّصَارَى يَجِدُونَ فِي عِبَادَاتِهِمْ أَيضًا فوائدَ، وَذلكَ لِأَنَّهُ لا بُدَّ أَنْ تَشْتَمِلَ عِبادُتُهُمْ عَلَى نَوعٍ مَّا، مَشْرُوعٍ فِي جِنْسِهِ، كَمَا أَنَّ أَقْوالَهُمْ لا بُدَّ أَنْ تَشْتَمِلَ عَلَى صِدْقٍ مَّا، مَأْثُورٍ عَنِ الْأَنْبِياءِ، ثُمَّ مَعَ ذَلِكَ لا يُوْجِبُ ذَلِكَ أَنْ نَّفْعَلَ عِبادَاتِهِمْ، أَوْ نَرْوِيَ كَلِمَاتِهِمْ.

لِأَنَّ جَمِيْعَ الْمُبْتَدَعَاتِ لا بُدَّ أَنْ تَشْتَمِلَ عَلَى شَرٍّ رَاجِحٍ عَلَى مَا فِيهَا مِنَ الْخَيرِ، إِذْ لَوْ كَانَ خَيْرُهَا رَاجِحًا لَمَا أَهْمَلَتْهَا الشَّرِيْعَةُ.

فَنَحْنُ نَسْتَدِلُّ بِكَوْنِهَا بِدْعَةً عَلَى أَنَّ إِثْمَهَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهَا، وَذَلكَ هُوَ

الْمُوجِبُ لِلنَّهْيِ، وَأَقُولُ: إِنَّ إِثْمَهَا قَدْ يَزُولُ عَنْ بَعضِ الْأَشْخَاصِ لِمُعَارِضٍ: لِاجْتِهَادٍ أَوْ غَيرِهِ''۔ [1]

بلکہ یہود ونصاریٰ بھی اپنی عبادتوں میں کچھ فوائد پاتے ہیں، بایں طور کہ ان کی عبادت لازمی طور پر کسی ایسی نوعیت پر مشتمل ہوتی ہے جس کے جنس کی چیز مشروع ہوتی ہے، اسی طرح ان کی باتیں بھی لازمی طور پر کچھ نہ کچھ سچائی پر مشتمل ہوتی ہیں جو انبیاء سے ماثور ہوتی ہیں،لیکن اس کے باوصف یہ چیز ہمارے لئے اس بات کی موجب نہیں کہ ہم ان کی عبادات انجام دیں یاان کی باتیں بیان کریں۔

کیونکہ تمام تر بدعتیں اُن میں کچھ خیر ہونے کے باوجود لازمی طور پر غالب شر وفساد پر مشتمل ہوتی ہیں،ورنہ اگراُن میں خیر کا پہلو غالب ہوتا تو شریعت اُنہیں یونہی نظر انداز نہ کرتی۔

چنانچہ ہم اُس کے بدعت ہونے پر اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ اُس کا گناہ اُس کے نفع سے زیادہ ہے، اور یہی اُس کی ممانعت کا موجب ہے، اور میں کہتا ہوں: کہ بسااوقات کچھ لوگوں سے اُس کا گناہ اجتہاد یا کسی اور عارضہ کے سبب زائل ہوجاتا ہے۔

۲۔ بدعت ہونے کے لئے یہ بھی شرط نہیں کہ اُسے ہمیشہ ہمیش اور بار بار انجام دیا جائے، بلکہ کبھی ایک چیز بار بار کے بجائے ایک ہی بار کی جاتی ہے اور وہ بدعت ہوتی ہے، جیسے گناہوں یاعادات کی انجام دہی کے ذریعہ اللہ کی قربت حاصل کرنا۔

۳۔ بدعت ہونے کے لئے یہ بھی شرط نہیں کہ اُسے تقرب یا عبادت کی نیت سے کیاجائے، بلکہ کوئی چیز اس نیت کے بغیر بھی بدعت ہوسکتی ہے،لہٰذا دین کے نظام کے خلاف بغاوت کے پہلو سے آنے والی بدعات میں قربت کی نیت شرط نہیں؛ جیسے کافروں کی

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۶۰۹-۶۱۰، ۷۵۹۔

مشابہت اختیار کرنا، نہ بدعت تک لے جانے والے اسباب وذرائع میں نیت کی شرط ہے، البتہ زیادہ تر بدعتیں - بالخصوص عبادات کے باب میں - قربت وثواب کی نیت کے پہلو سے ہی انجام پاتی ہیں۔

۴۔ بدعت ہونے کے لئے یہ بھی شرط نہیں کہ اُس کا مرتکب سوءِ قصد اور فساد نیت سے متصف ہو، بلکہ بسا اوقات بدعتی خیر ونیکی چاہنے والا ہوتا ہے، اُس کے باجود اُس کے عمل کو بدعتِ ضلالت کہا جاتا ہے، جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر میں مروی ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا تھا:

''وَكَمْ مِنْ مُرِيدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيبَهُ'' [1]۔

---

[1] یہ بات انہوں نے اس وقت کہی تھی، جب (کوفہ کی) مسجد میں لوگوں کو حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا، ہر حلقہ میں ایک آدمی تھا، لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں، وہ شخص کہتا تھا: سو مرتبہ اللہ اکبر کہو۔ اس واقعہ کو امام دارمی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، ۱/ ۶۸-۶۹۔

[اشارہ کردہ واقعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنَّا نَجْلِسُ عَلَى بَابِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ، فَإِذَا خَرَجَ مَشَيْنَا مَعَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَجَاءَنَا أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ: أَخَرَجَ إِلَيْكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ قُلْنَا: لَا بَعْدُ. فَجَلَسَ مَعَنَا حَتَّى خَرَجَ، فَلَمَّا خَرَجَ قُمْنَا إِلَيْهِ جَمِيعًا، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ! إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ آنِفًا أَمْرًا أَنْكَرْتُهُ وَلَمْ أَرَ - وَالْحَمْدُ لِلَّهِ - إِلَّا خَيْرًا. قَالَ: فَمَا هُوَ؟ فَقَالَ: إِنْ عِشْتَ فَسَتَرَاهُ. قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ قَوْمًا حِلَقًا جُلُوسًا يَنْتَظِرُونَ الصَّلَاةَ فِي كُلِّ حَلْقَةٍ رَجُلٌ، وَفِي أَيْدِيهِمْ حصًا، فَيَقُولُ: كَبِّرُوا مِائَةً، فَيُكَبِّرُونَ مِائَةً، فَيَقُولُ: هَلِّلُوا مِائَةً، فَيُهَلِّلُونَ مِائَةً، وَيَقُولُ: سَبِّحُوا مِائَةً، فَيُسَبِّحُونَ مِائَةً، قَالَ: فَمَاذَا قُلْتَ لَهُمْ؟ قَالَ: مَا قُلْتُ لَهُمْ شَيْئًا انْتِظَارَ رَأْيِكَ أَوِ انْتِظَارَ أَمْرِكَ. قَالَ: ''أَفَلَا أَمَرْتَهُمْ أَنْ يَعُدُّوا سَيِّئَاتِهِمْ، وَضَمِنْتَ لَهُمْ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِهِمْ''، ثُمَّ مَضَى وَمَضَيْنَا مَعَهُ حَتَّى أَتَى حَلْقَةً مِنْ تِلْكَ الْحِلَقِ، فَوَقَفَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: ''**مَا هَذَا الَّذِي أَرَاكُمْ تَصْنَعُونَ؟**'' قَالُوا: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ حصًا نَعُدُّ بِهِ التَّكْبِيرَ وَالتَّهْلِيلَ وَالتَّسْبِيحَ. قَالَ: ==

بہت سے نیکی کا ارادہ کرنے والے اس سے ہرگز ہمکنار نہیں ہو پاتے۔

== ''فَعُدُّوا سَيِّئَاتِكُمْ، فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ؛ وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ، هَؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ ﷺ مُتَوَافِرُونَ، وَهَذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ، وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ ضَلَالَةٍ''. قَالُوا: وَاللهِ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ. قَالَ: ''**وَكَمْ مِنْ مُرِيدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيبَهُ**، إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حَدَّثَنَا: ''**أَنَّ قَوْمًا يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ**''، وَايْمُ اللهِ مَا أَدْرِي لَعَلَّ أَكْثَرَهُمْ مِنْكُمْ''، ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ. فَقَالَ عَمْرُو بْنُ سَلَمَةَ: رَأَيْنَا عَامَّةَ أُولَئِكَ الْحِلَقِ يُطَاعِنُونَا يَوْمَ النَّهْرَوَانِ مَعَ الْخَوَارِجِ.

(دیکھئے: سنن الدارمی، ۱/ ۲۸۶، اثر نمبر: ۲۱۰، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے سلسلۃ الأحادیث الصحیحہ (۵/ ۱۱، حدیث: ۲۰۰۵) میں صحیح قرار دیا ہے، نیز دیکھئے: موسوعۃ الألبانی فی العقیدۃ ۲/ ۹۶)۔

عمر بن یحییٰ کے دادا فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر صبح کی نماز سے پہلے بیٹھتے تھے، جب آپ باہر آتے تو ہم آپ کے ساتھ مسجد کے لئے جاتے۔ چنانچہ ایک دن ہمارے پاس ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا: ابوعبدالرحمن (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) ابھی باہر نہیں نکلے؟ ہم نے کہا: نہیں۔ لہٰذا آپ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ حتی کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ جب وہ باہر آئے تو ہم سب بھی اٹھ کر ان کے ساتھ ہو لئے، تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمن! میں نے ابھی ابھی مسجد میں ایک کام دیکھا ہے جو مجھے برا معلوم ہوا ہے، - جبکہ الحمدللہ میں نے خیر ہی دیکھا ہے- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کیا؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: چلئے اگر آپ زندہ رہے تو خود ہی دیکھ لیں گے۔ میں نے کچھ لوگوں کو مسجد میں حلقوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے دیکھا جو نماز کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں۔ ہر حلقہ میں ایک آدمی ہے جو کہتا ہے: سو بار ''اللہ اکبر'' کہو، تو وہ سو بار ''اللہ اکبر'' کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو بار ''لا إلٰہ إلا اللہ'' پڑھو، تو وہ سو بار ''لا إلٰہ إلا اللہ'' پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو بار ''سبحان اللہ'' کہو، تو وہ سو بار ''سبحان اللہ'' کہتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تو آپ نے ان سے کیا کہا؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ کی رائے یا آپ کے حکم کا انتظار کرتے ہوئے اُن سے کچھ نہیں کہا؟ اُنہوں نے کہا: آپ نے انہیں حکم کیوں نہیں دیا کہ وہ اپنے گناہوں کو شمار کریں؟ اور انہیں ضمانت کیوں نہیں دی کہ ان کی نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوگا! پھر آپ چلے اور ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے رہے۔ حتی کہ آپ ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس آکر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''یہ کیا چیز ہے، جو میں تمہیں کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمن! ہم ان کنکریوں پر ''اللہ اکبر''، ''لا إلٰہ إلا اللہ'' اور ''سبحان اللہ'' گن رہے ہیں! انہوں نے فرمایا: تم اپنے گناہوں کو شمار کرو، ==

۵۔ بدعت ہونے کے لئے یہ بھی شرط نہیں کہ وہ اپنے بارے میں عام دلائل کی دلالت سے خالی ہو، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوسکتا ہے کہ عام مطلق دلائل عمومی طور پر اُس کی مشروعیت پر دلالت کریں، لیکن خصوصی پہلو سے یہ چیز اُس کی مشروعیت کی دلیل نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عمومی اور مطلق طور پر مشروع قرار دیا ہو، اس بات کی متقاضی نہیں کہ وہ خصوصی اور مقید طور پر بھی مشروع ہو، جیسے مثال کے طور پر اللہ کا ارشاد:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝٤١﴾ [الأحزاب:۴۱]۔

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو۔

اپنے عموم کے ساتھ خصوصی طور پر عیدین کے لئے اذان کی مشروعیت کا متقاضی نہیں ہے۔

❊ ❊ ❊

== میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی؛ اے محمد ﷺ کی امت! تم پر تعجب (افسوس) ہے کہ تم اتنی جلدی برباد ہونے لگے! یہ تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ ابھی بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں، اور ابھی آپ ﷺ کے کپڑے بھی بوسیدہ نہیں ہوئے، اور آپ ﷺ کے برتن بھی نہیں ٹوٹے ہیں، اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، (دو میں سے کوئی ایک بات ضرور ہے) یا تو تم واقعی ایک ایسے طریقے پر ہو جو محمد ﷺ کے طریقہ سے زیادہ ہدایت مند ہے' یا پھر تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو! انہوں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! اللہ کی قسم، ہم نے تو صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے! ،انہوں نے کہا: بہت سے نیکی کا ارادہ کرنے والے' ہر گز اس سے بالکل ہمکنار نہیں ہو پاتے، بیشک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بیان فرمایا تھا کہ: ''کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلے سے اوپر نہ جائے گا''، اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا، شاید ان کی اکثریت تم ہی میں سے ہوگی'' اور پھر وہاں سے چلے گئے۔ عمرو بن سلمہ فرماتے ہیں: واقعی ہم نے دیکھا کہ ان حلقوں کے زیادہ تر لوگ نہروان کے روز خوارج کے ساتھ ہم پر نیزہ برسا رہے تھے۔ (مترجم)]

دوسرا مدخل

بدعت انجام پانے کے جامع اصول

یہ تین اصول ہیں:

پہلا اصول: ان چیزوں کے ذریعہ اللہ کی قربت کا حصول جنہیں اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے۔

دوسرا اصول: دین کے نظام کے خلاف بغاوت۔

تیسرا اصول: بدعت کے وسائل و ذرائع۔

تمہید

چونکہ بدعت کی پہچان کے قواعد مجموعی طور پر تین اصولوں میں سمٹے ہوئے ہیں، اس لئے قواعد کا بیان شروع کرنے سے پہلے ان اصولوں کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے، لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق مانگتے ہوئے عرض کرتا ہوں:

بدعت کی تعریف کی بابت سابقہ باتوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ مجموعی طور پر بدعت کا معنیٰ **''دین میں نئی بات ایجاد کرنا''** ہے۔

اور دین کا لفظ **دو گوشوں** پر مشتمل ہے:

پہلا گوشہ: دین میں اللہ کے مشروع کردہ امور کے ذریعہ اللہ کی قربت کا حصول۔

دوسرا گوشہ: خضوع کے ذریعہ اللہ کے دین کی تابعداری۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: ''مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا'' (جس نے ہمارے اس معاملہ میں کوئی نئی بات ایجاد کی) اسی بات پر دلالت کرتی ہے؛ کیونکہ اس میں ''اس معاملہ'' سے مراد اللہ کا دین اور اس کی شریعت ہے۔

اس حدیث کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ آئے ہیں:

''مَنْ أَحْدَثَ فِي دِينِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ''۔ [1]

---

[1] اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ امام بغوی نے شرح السنۃ میں روایت کیا ہے، کتاب الایمان، باب رد البدع والأھواء، ۱/ ۲۱۱، حدیث (۱۰۳)۔

جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں، وہ مردود ہے۔

دین سے مراد: دین اسلام ہے، جو اللہ کے حکم وشریعت اور اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ اس کی شریعت کی تابعداری کا نام ہے، ارشاد باری ہے:

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلۡإِسۡلَٰمُ ﴾ [آل عمران:۱۹]۔

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

کہا جاتا ہے: ''دِنْتُهُمْ فَدَانُوا: أَيْ قَهَرتُهم فأطاعُوا''۔[1]

یعنی میں نے ان پر دباؤ ڈالا تو اُنہوں نے اطاعت کی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں نو ایجاد کاری دو اصولوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ ہوتی ہے:

پہلا اصول: ان چیزوں کے ذریعہ اللہ کے تقرب کا حصول جنہیں اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے۔

بایں طور کہ اس دین کا عام قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ اللہ کا تقرب صرف اسی عبادت کی انجام دہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مشروع کیا ہے، لہٰذا جو کسی ایسی چیز کے ذریعہ اللہ کی عبادت کرے گا جسے اللہ نے مشروع کیا ہے نہ اُس کے رسول ﷺ نے، وہ بدعت ایجاد کرنے والا ہوگا۔

دوسرا اصول: دین کے نظام کے خلاف بغاوت۔

بایں طور کہ اس دین کا عام قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کی طرف رجوع اور

[1] دیکھئے: المفردات، از راغب اصفہانی ص: ۳۲۳، والنہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ۲/ ۱۴۸۔

خضوع و اطاعت گزاری کے ذریعہ اُس کے احکام کی تابعداری واجب ہے، لہٰذا جو شریعت اسلامیہ کے علاوہ کو اطاعت وتابعداری کا حق دے گا، بدعتی قرار پائے گا۔

چنانچہ یہ دونوں بدعت کے جامع اصول ہیں:

اور ان دونوں اصولوں کے ساتھ ایک اصول اور شامل کیا جائے گا، وہ ہے:

تیسرا اصول: بدعت کے وسائل و ذرائع۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دین میں نو ایجاد کاری جس طرح ابتداءً واقع ہوتی ہے، اُسی طرح باعتبار انجام بھی واقع ہوتی ہے، یعنی ایک ایسے کام کی انجام دہی کے ذریعہ جس میں سرے سے نو ایجاد کاری نہیں ہوتی؛ نہ اللہ کے غیر مشروع کردہ امر کی انجام دہی کے ذریعہ حصول تقرب کے پہلو سے، نہ ہی دین کے نظام کے خلاف بغاوت کے پہلو سے، بلکہ اللہ کے دین میں نو ایجاد کاری اسی کام کی دوسری حالت میں انجام دہی کے ذریعہ واقع ہوتی ہے؛ اس طور پر کہ یہ کام انجام کے اعتبار سے نو ایجاد کاری کی طرف لے جاتا ہے، اس لئے بدعت تک لے جانے والے ذرائع کو بھی بدعت کا حکم دیا گیا ہے۔

اس اصول کی طرف "مَنْ عَمِلَ عَمَلًا" (جس نے کوئی ایسا عمل کیا) کی روایت اشارہ کرتی ہے، جو اس بات پر دلالت کناں ہے کہ بدعت بسا اوقات اس شخص سے پیدا ہوتی ہے جو اُسے از سرے نو ایجاد اور اس کی ابتدا کرتا ہے، اور کبھی اُس شخص سے بھی پیدا ہوتی ہے جو اُس میں کسی اور کے تابع اور ماتحت ہوتا ہے، خود اُسے ایجاد کرتا ہے نہ اُس کا قصد وارادہ ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] دیکھئے: صحیح مسلم بشرح امام نووی، ۱۲/ ۱۶، والابداع فی مضار الابتداع، از شیخ علی محفوظ ص: ۴۶۔

چنانچہ یہ بدعت کے تین جامع اصول ہیں:

(الف) ان چیزوں کے ذریعہ اللہ کی قربت کا حصول جنہیں اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے۔

(ب) دین کے نظام کے خلاف بغاوت۔

(ج) بدعت کے وسائل وذرائع۔

ان تینوں اصولوں کی مزید وضاحت آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں:

* * *

پہلا اصول:

ان چیزوں کے ذریعہ اللہ کی قربت کا حصول جنہیں اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے

اس اصول کا معنیٰ ومفہوم:

اس اصول کا معنیٰ یہ ہے کہ جو بھی شخص کسی ایسی چیز کے ذریعہ اللہ کی عبادت کرے گا جسے اللہ نے مشروع کیا ہے نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ "بدعت ضلالت" ایجاد کرنے والا ہوگا: کیونکہ انہی چیزوں کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیا جاسکتا ہے جن اطاعت کے کاموں کو اللہ نے مشروع کیا ہے، اور انہی عبادات کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی جاسکتی ہے جن کی اللہ نے اجازت دی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادات میں اصل ممانعت ہے؛ کیونکہ عبادتیں توقیف پر مبنی ہیں۔
اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَمۡ لَهُمۡ شُرَكَـٰٓؤُاْ شَرَعُواْ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمۡ يَأۡذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ ﴾
[الشوریٰ:۲۱]۔

کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کردیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جوکسی ایسی چیز کے ذریعہ اللہ کی عبادت کرے جسے اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے، وہ بدعت ہے۔ [1]

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَلَا مَعْنَى لِلْبِدْعَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْفِعْلُ فِي اعْتِقَادِ الْمُبْتَدِعِ مَشْرُوعًا وَلَيْسَ بِمَشْرُوعٍ''۔ [2]

بدعت کا معنیٰ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ کام بدعتی کی سوچ کے مطابق مشروع ہو، جبکہ (حقیقت میں) مشروع نہ ہو۔

جبکہ اللہ کے مشروع کردہ امر کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا **اس دین کے اصولوں میں سے ایک عظیم اصول ہے**، بلکہ یہی اللہ کی توحید اور اس پر ایمان کا سچا تقاضہ ہے، یہ توحیدِ اتباع ہے جو عمل صالح (کی قبولیت) کی دو شرطوں میں سے ایک شرط ہے، کیونکہ قبولیت عمل کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں: اخلاص اور تابعداری۔

مقصود یہ ہے کہ اس اصول کے پہلو سے بدعت ہر اس چیز میں واقع ہوتی ہے جس کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیا جا سکتا ہو، چنانچہ یہ چیز عبادات کی دو قسموں کے ذریعہ اللہ کی قربت کے حصول کو شامل ہے:

پہلی قسم: عادات یا گناہ ومعاصی کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا، یہ وہ عبادات ہیں جو اصل اور وصف کے اعتبار سے نئی ایجاد کردہ ہوں۔

نو ایجاد کاری کی یہ قسم تب ہی بدعت ہوگی جس اس سے قربت وثواب کی نیت ہو۔

---

[1] الاستقامۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ۱/ ۴۲۔ نیز دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۴/ ۱۰۷، ۱۰۸۔

[2] الاعتصام، ۲/ ۱۰۸۔

دوسری قسم: ان عبادات کے ذریعہ اللہ کے تقرب کا حصول جو اصل کے اعتبار سے ثابت ہوں، لیکن وصف کے اعتبار سے نوایجاد ہوں۔

نوایجاد کاری کی اس قسم کے بدعت ہونے کے لئے قربت وثواب کی نیت ضروری نہیں، بلکہ یہ ہرحال میں بدعت ہے؛ کیونکہ عبادات کے کاموں میں قربت وثواب کی نیت کے علاوہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

رہا عبادات میں قربت وثواب مقصود نہ ہونے کا مفروضہ، تو وہ محض ایک خیالی مفروضہ ہے، جس کا وقوع عملاً ممکن نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ:

عبادات محضہ (خالص عبادات) میں نوایجاد کاری ہرحال میں بدعت ہے؛ خواہ ایجاد کرنے والے کی اپنی عبادت سے قربت وثواب کی نیت ہو یا نہ ہو۔

اس اصول کے اعتبار سے - دونوں قسموں میں - رونما ہونے والی بدعت عبادت گزاروں، زاہدوں اور دین داروں کی جانب سے آتی ہے۔

*** *** ***

دوسرا اصول:

دین کے نظام کے خلاف بغاوت کرنا

اس اصول کا معنیٰ ومفہوم:

اس اصول کا معنیٰ یہ ہے کہ جو بھی شخص شریعت اسلامیہ کے علاوہ کو اطاعت وتابعداری کا حق دے گا، وہ "بدعت ضلالت" ایجاد کرے گا؛ کیونکہ تسلیم وتابعداری دین اسلام کے علاوہ کسی اور چیز کے لئے درست نہیں۔

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَكَذَلِكَ جَاءَ فِي الْحَدِيثِ: "**لَا حِمَى إِلَّا حِمَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ**"۔[1]

ثُمَّ جَرَى بَعْضُ النَّاسِ مِمَّنْ آثَرَ الدُّنْيَا عَلَى طَاعَةِ اللَّهِ، عَلَى سَبِيلِ حُكْمِ الْجَاهِلِيَّةِ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝٥٠﴾ [المائدۃ:۵۰].

وَلَكِنَّ الْآيَةَ وَالْحَدِيثَ وَمَا كَانَ فِي مَعْنَاهُمَا أَثْبَتَ أَصْلًا فِي الشَّرِيعَةِ مُطَّرِدًا لَا يَنْخَرِمُ، وَعَامًّا لَا يَتَخَصَّصُ، وَمُطْلَقًا لَا يَتَقَيَّدُ. وَهُوَ أَنَّ الصَّغِيرَ مِنَ الْمُكَلَّفِينَ وَالْكَبِيرَ، وَالشَّرِيفَ وَالدَّنِيءَ، وَالرَّفِيعَ وَالْوَضِيعَ فِي أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ سَوَاءٌ.

فَكُلُّ مَنْ خَرَجَ عَنْ مُقْتَضَى هَذَا الْأَصْلِ خَرَجَ مِنَ السُّنَّةِ إِلَى الْبِدْعَةِ، وَمَنَ

---

[1] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے، ۵/ ۴۴، حدیث (۲۳۷۰)۔

الِاسْتِقَامَةِ إِلَى الِاعْوِجَاجِ‘‘۔ [1]

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ: ’’**اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی چہار دیواری کے سوا کوئی چہار دیواری نہیں**‘‘، لیکن اس کے باوجود اللہ کی اطاعت پر دنیا کو ترجیح دینے والے بعض لوگ جاہلیت کے حکم وفیصلہ کی راہ پر چل پڑے، جبکہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝٥٠﴾ [المائدۃ:۵۰]۔

یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

لیکن آیت وحدیث اور ان کے ہم معنیٰ دیگر دلائل نے شریعت کا ایک ایسا اصول اور قاعدہ ثابت کر دیا ہے، جو ہمیشہ کے لئے ہے ختم نہیں ہوسکتا، عام ہے اسے خاص نہیں کیا جاسکتا، مطلق ہے اسے محدود ومقید نہیں کیا جاسکتا، وہ قاعدہ یہ ہے کہ شریعت کے مکلفین میں ہر چھوٹا بڑا، شریف وحقیر اور بلند وپست احکام شریعت میں یکساں ہیں۔

لہٰذا اس اصول کے تقاضہ سے جو بھی نکلے گا سنت سے خارج ہو کر بدعت میں، اور استقامت سے نکل کر کجروی میں داخل ہو جائے گا۔

لہٰذا ثابت اور اٹل اصول یہ ہے کہ:

دین اور تابعداری اللہ واحد ہی کے لئے ہو، لہٰذا جو کوئی ایسی نئی چیز ایجاد کرے جس کے سبب اللہ کے دین وشریعت سے خارج ہو، وہ بدعتی ہے، خواہ وہ نو ایجاد امر کوئی رائے ہو، یا عادت یا تعامل۔

---

[1] الاعتصام، ۲/ ۴۸، ۴۹۔

اس اصول کے پہلو سے رونما ہونے والی بدعت رؤوساء، سرداران، نیز دنیوی مال ومتاع اور خواہشات نفسانی کے دلدادوں کی جانب سے آتی ہے۔

شارح عقیدۂ طحاویہ علامہ ابن ابوالعز حنفی (۷۹۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''**فَالْمُلُوكُ الْجَائِرَةُ** يَعْتَرِضُونَ عَلَى الشَّرِيعَةِ بِالسِّيَاسَاتِ الْجَائِرَةِ، وَيُعَارِضُونَهَا بِهَا، وَيُقَدِّمُونَهَا عَلَى حُكْمِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ.

وَأَحْبَارُ السُّوءِ، وَهُمُ الْعُلَمَاءُ الْخَارِجُونَ عَنِ الشَّرِيعَةِ بِآرَائِهِمْ وَأَقْيِسَتِهِمُ الْفَاسِدَةِ، الْمُتَضَمِّنَةِ تَحْلِيلَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، وَتَحْرِيمَ مَا أَبَاحَهُ، وَاعْتِبَارَ مَا أَلْغَاهُ، وَإِلْغَاءَ مَا اعْتَبَرَهُ، وَإِطْلَاقَ مَا قَيَّدَهُ، وَتَقْيِيدَ مَا أَطْلَقَهُ، وَنَحْوُ ذَلِكَ.

وَالرُّهْبَانُ وَهُمْ جُهَّالُ الْمُتَصَوِّفَةِ، الْمُعْتَرِضُونَ عَلَى حَقَائِقِ الْإِيمَانِ وَالشَّرْعِ، بِالْأَذْوَاقِ وَالْمَوَاجِيدِ وَالْخَيَالَاتِ وَالْكُشُوفَاتِ الْبَاطِلَةِ الشَّيْطَانِيَّةِ، الْمُتَضَمِّنَةِ شَرْعَ دِينٍ لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ، وَإِبْطَالَ دِينِهِ الَّذِي شَرَعَهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ''۔[1]

چنانچہ ظالم و جابر شاہان شریعت اسلامیہ پر ظالمانہ سیاستوں کے ذریعہ اعتراض کرتے ہیں، اس سے ٹکراؤ پیدا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم وفیصلہ پر اُسے مقدم کرتے ہیں۔

اور احبارسوء: وہ بُرے علماء ہیں جو اپنے اُن فاسد آراء اور قیاس آرائیوں کے ذریعہ شریعت اسلامیہ سے خارج ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حرام کردہ امر کو حلال ٹھہرانے، مباح کردہ امر کو حرام ٹھہرانے، فرسودہ کو معتبر بنانے، معتبر کو فرسودہ بنانے، نیز ان کے مقید کردہ امر کو مطلق کرنے اور مطلق کردہ امر کو مقید کرنے وغیرہ کو شامل ہیں۔

---

[1] شرح العقیدۃ الطحاویۃ،ص:۲۲۲۔

اور رہبان: وہ جاہل صوفیاء حضرات ہیں، جو اپنے اُس ذوق ووجدان، اوہام وخیالات اور باطل شیطانی کشف وکرامات کے ذریعہ ایمان وشریعت کے حقائق پر اعتراض کرتے ہیں، جس میں ایسی دین وشریعت سازی شامل ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا ہے، اور اللہ کے اس دین کو باطل ٹھہرانا ہے جسے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان پر مشروع کیا ہے۔

اس اصول کے پہلو سے بدعت ہر حال میں واقع ہوتی ہے، حتی کہ اگر بدعت ایجاد کرنے والے کا اپنے عمل سے شریعت کا معارضہ کرنا اور دین کے نظام کے خلاف بغاوت کرنا مقصود نہ بھی ہو۔

نیز ان جیسے نوایجاد امور کے بدعت ہونے کے لئے یہ بھی شرط نہیں کہ اس سے ان کے کرنے والے کا مقصد اللہ کی قربت حاصل کرنا ہو، بلکہ یہ اس مقصد کے بغیر بھی بدعت ہے۔

ہاں اگر اس قسم کے نوایجاد امور میں اللہ کی قربت اور ثواب کا قصد وارادہ شامل ہو جائے گا تو اس ارادہ کی بنا پر وہ پہلے اصول کی طرف منتقل ہو جائے گا، یعنی ان چیزوں کے ذریعہ اللہ کے تقرب کا حصول جسے اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے۔

اس تفصیل کے ذریعہ ان دونوں اصولوں: یعنی ان چیزوں کے ذریعہ اللہ کی قرب کا حصول جنہیں اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے، اور دین کے نظام کے خلاف بغاوت، کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔

اس لئے کہ پہلے اصول میں اِحداث (نوایجاد کاری) دراصل حکم شریعت کے تحت داخل ہونے کے ارادہ اور اطاعت وخضوع کے ذریعہ اُس کی تابعداری کے سبب پیش آتا ہے، کیونکہ نوایجاد کار کا مقصد یہاں اللہ کا تقرب ہوتا ہے، لیکن اپنے اس تقرب کے سبب وہ اِحداث بدعت میں واقع ہو جاتا ہے، کیونکہ اس نے ایسے عمل کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل

کیا ہے جسے اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے۔

جبکہ دوسرے اصول میں اِحداث تقرب کے ارادہ کے بغیر پایا جاتا ہے، کیونکہ نوایجادکار یہاں اپنی نوایجادکاری کے ذریعہ اللہ کا تقرب نہیں چاہتا؛ اس لئے کہ اس کا مقصد حکم شریعت کے تحت داخل ہونا یا اطاعت وخضوع کے ذریعہ تابعداری کرنا نہیں ہے، بلکہ اپنے اس احداث کے سبب وہ -قصد کرے یا نہ کرے- اس شریعت اور دین کے نظام سے خارج ہوگیا ہے۔

❊ ❊ ❊

تیسرا اصول:

بدعت کے وسائل و ذرائع

اس اصول کا معنیٰ ومفہوم:

اس اصول کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر وہ عمل -خواہ مشروع ہی ہو- جو دین میں اِحداث (نو ایجاد کاری) کا سبب ہو، وہ بدعت میں شامل ہے، گر چہ خود بدعت نہ ہو۔

امام ابن الجوزی (۵۹۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَإِنِ ابْتُدِعَ شَيْءٌ لَا يُخَالِفُ الشَّرِيْعَةَ، وَلَا يُوْجِبُ التَّعَاطِي عَلَيْهَا؛ فَقَدْ كَانَ جُمْهُورُ السَّلَفِ يَكْرَهُونَهُ، وَكَانُوا يَنْفِرُونَ مِنْ كُلِّ مُبْتَدَعٍ وَإِنْ كَانَ جَائِزاً؛ حِفْظاً لِلْأَصْلِ، وَهُوَ الْاِتِّبَاعُ''۔ [1]

اگر کوئی چیز نئی ایجاد کی جائے جو خلاف شریعت ہو نہ اس میں دراندازی کی موجب ہو؛ تو بھی جمہور سلف امت اُسے ناپسند کرتے تھے، بلکہ ہر نئی بات (بدعت) سے نفرت دلاتے تھے، اگر چہ وہ جائز ہی ہو؛ تا کہ اصل یعنی اتباع سنت کی حفاظت ہو سکے۔

یہ چیز قاعدہ ''سد ذریعہ'' کے نام سے معروف ہے، جو ایک معتبر شرعی اصول ہے، یہ احتیاط اور دینی احکام کی حفاظت پر مبنی ہے۔ [2]

---

[1] تلبیس ابلیس، ص: ۱۶۔

[2] دیکھئے: الفروق، ۲/ ۳۲، ۳۳، واِغاثۃ اللھفان، ۱/ ۳۶۱-۳۷۰، واِعلام الموقعین، ۳/ ۱۳۶-۱۵۹، والموافقات، ۲/ ۳۹۰۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَالذَّرِيعَةُ: مَا كَانَ وَسِيلَةً وَطَرِيقًا إِلَى الشَّيْءِ، لَكِنْ صَارَتْ فِي عُرْفِ الْفُقَهَاءِ عِبَارَةً عَمَّا أَفْضَتْ إِلَى فِعْلٍ مُحَرَّمٍ، وَلَوْ تَجَرَّدَتْ عَنْ ذَلِكَ الْإِفْضَاءِ لَمْ يَكُنْ فِيهَا مَفْسَدَةٌ“۔ [1]

ذریعہ: دراصل اُسے کہتے ہیں جو کسی چیز تک پہنچنے کا وسیلہ اور راستہ ہو، لیکن فقہاء کی اصطلاح میں ذریعہ اس چیز سے عبارت ہوگیا ہے جو کسی حرام تک پہنچانے والا ہو، جبکہ اگر وہ وسیلہ اُس حرام کام تک پہنچانے سے خالی ہو تو فی نفسہ اس میں کوئی مفسدہ (بُرائی) نہیں ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے کافروں کے معبودان (باطلہ) کو برا بھلا کہنے (گالی دینے) سے منع فرمایا ہے، جبکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی الوہیت وعبادت پر ایمان کا ایک تقاضہ ہے، یہ اس لئے کہ یہ برا بھلا کہنا اس بات کا ذریعہ ہے کہ اُس کے جواب میں کفر وعناد کے سبب کفار بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بُرا بھلا کہیں گے، چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا۟ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّوا۟ ٱللَّهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الأنعام:۱۰۸]۔

اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز کسی ممنوع چیز تک پہنچائے وہ بھی ممنوع ہے؛ کیونکہ وسائل اور مقاصد کے احکام یکساں ہیں، بنابریں جو چیز بدعت تک لے جائے اور اُس تک پہنچنے کا سبب ہو، وہ بھی بدعت میں شامل ہے، اُس کا حکم وہی ہے جو اُس کا ہے۔

---

[1] الفتاویٰ الکبریٰ، ۶/ ۱۷۲۔

البتہ کسی بھی عمل پر محض اُس کے بدعت تک پہنچانے کے سبب' بدعت کا ذریعہ ہونے کا حکم لگانے سے پہلے تحقیق و جستجو کر لینا ضروری ہے؛ کیونکہ حکم لگانے میں کچھ شرائط ہیں جن کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

کسی کام کو بدعت کا ذریعہ قرار دینے کی شرطیں:

کسی بھی کام کو بدعت کا ذریعہ قرار دے کر اُسے بدعت میں شامل کرنے کے لئے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

پہلی شرط: یہ ہے کہ وہ کام بدعت تک لے جانے والا ہو:

اس شرط کی وضاحت: یوں ہے کہ ایک مشروع عمل حسب ذیل تین امور میں سے کسی ایک امر کے سبب بدعت کی طرف لے جاتا اور اُس تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے[1]:

۱۔ عوامی مجلسوں اور مجمعوں میں اُس کام کا اظہار اور اس کی تشہیر کرنا- بالخصوص قابل اقتداء، ذمہ دار اور آئیڈیل لوگوں کے ذریعہ-، مثال کے طور پر مسجدوں میں نفل نماز باجماعت قائم کرنا۔

۲۔ اُس کام پر ہمیشگی برتنا اور اس کی پابندی کرنا، مثال کے طور پر جمعہ کے روز فجر کی نماز میں پابندی کے ساتھ سورۂ سجدہ کی تلاوت کرنا۔

۳۔ اُس کام کی فضیلت کا عقیدہ رکھنا، اور جان بوجھ کر قصد و ارادے کے ساتھ اُسے انجام دینے کی کوشش کرنا، چنانچہ امام احمد (۲۴۱ھ) رحمہ اللہ سے پوچھا گیا:

”تَكْرَهُ أَنْ يَجْتَمِعَ الْقَوْمُ يَدْعُونَ اللهَ وَيَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ؟ قَالَ: مَا أَكْرَهُهُ

---

[1] الاعتصام، ۲/ ۲۸، ۳۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ۲/ ۲۲-۳۳۔

لِلْإِخْوَانِ إِذَا لَمْ يَجْتَمِعُوا عَلَى عَمَدٍ؛ إِلَّا أَنْ يُكْثِرُوا"۔ [1]

کیا آپ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ لوگ اجتماعی طور پر اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ سے دعائیں کریں؟ تو انہوں نے فرمایا: "میں بھائیوں کے لئے اس بات کو ناپسند نہیں کرتا؛ جب تک کہ عمداً اس کام کے لئے اکٹھا نہ ہوں، اِلا یہ کہ (عادت بنا کر) بکثرت ایسا کریں"۔

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَبِالْجُمْلَةِ: فَكُلُّ عَمَلٍ أَصْلُهُ ثَابِتٌ شَرْعًا، إِلَّا أَنَّ فِي إِظْهَارِ الْعَمَلِ بِهِ وَالْمُدَاوَمَةِ عَلَيْهِ مَا يُخَافُ أَنْ يُعْتَقَدَ أَنَّهُ سُنَّةٌ؛ فَتَرْكُهُ مَطْلُوبٌ فِي الْجُمْلَةِ أَيْضًا مِنْ بَابِ سَدِّ الذَّرَائِعِ"۔ [2]

خلاصۂ کلام اینکہ: ہر وہ کام جس کی اصل شرعاً ثابت ہو، البتہ اس پر عمل کے اظہار اور ہمیشگی برتنے کے سبب اُسے سنت سمجھ لئے جانے کا اندیشہ ہو؛ تو مجموعی طور پر اُسے سد ذرائع کی خاطر ترک دینا مطلوب ہے۔

دوسری شرط: یہ ہے کہ اس کام کا بدعت تک پہنچانا قطعی یا غالب ہو:

چنانچہ اگر اس کام کا بدعت تک پہنچانا عادتاً نادر یا کم ہو، تو اس نادر اور کم کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ شرعی احکام بکثرت یا زیادہ تر انجام دیئے جانے پر مبنی ہوا کرتے ہیں۔

اس کی مثال: حجر اسود کو چھونا اور اسے چومنا ہے۔ باوجودیکہ یہ چیز مشروع ہے، لیکن بسا اوقات یہ- بعض لوگوں کے یہاں- بدعت تک لے جاسکتی ہے، بایں طور کہ کوئی شخص اس پتھر میں نفع وضرر کا عقیدہ رکھتے ہوئے اسے چھوئے یا چومے، اور اپنی حاجت براری

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، از امام ابن تیمیہ، ۲/ ۶۳۰۔ والأمر بالاتباع والنھی عن الابتداع، از امام نووی، ص: ۱۸۰۔

[2] الاعتصام، ۲/ ۳۱۔

کے لئے اللہ کے سوا اُسے پکارے! لیکن چونکہ یہ چیز بہت نادر رہے اس لئے اُس کی طرف التفات نہیں کیا گیا۔

اسی طرح مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں واقع ستون کے پاس نماز ادا کرنے کی جستجو کرنا؛ کہ ایسا کرنا سنت ہے، جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی جستجو کیا کرتے تھے۔ [1]

مقصود یہ ہے کہ بدعت تک لے جانے والے ذرائع سے بہر صورت منع نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان ذرائع سے اس وقت منع کیا جائے گا جب اس کا بدعت تک لے جانا اور پہنچانا بکثرت اور عام طور پر ہو۔

تیسری شرط: یہ ہے کہ بدعت تک پہنچانے والے اس سبب و ذریعہ کو بند کرنے اور اس کی روک تھام کرنے کے نتیجہ میں کوئی اس بدعت کے فساد سے بڑا فساد رونما نہ ہو:

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/۷۴۶، ۷۴۸۔ اور حدیث کو امام بخاری (۵۰۲) و مسلم (۵۰۹) نے روایت کیا ہے۔

[حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عن يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، قَالَ: كُنْتُ آتِي مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَيُصَلِّي عِنْدَ الأُسْطُوَانَةِ الَّتِي عِنْدَ المصْحَفِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا مُسْلِمٍ، أَرَاكَ تَتَحَرَّى الصَّلاَةَ عِنْدَ هَذِهِ الأُسْطُوَانَةِ، قَالَ: فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَحَرَّى الصَّلاَةَ عِنْدَهَا"۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ إلی الأسطوانۃ، ۱/۱۰۶، حدیث (۵۰۲)، وصحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب دنو المصلی من السترۃ، ۱/۳۶۴، حدیث (۵۰۹)، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں)۔

یزید بن ابی عبید بیان کرتے ہیں کہ میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ (مسجد نبوی میں) حاضر ہوا کرتا تھا، وہ ہمیشہ مصحف والے ستون کے پاس نماز پڑھتے تھے۔ تو میں نے ان سے پوچھا: اے ابو مسلم! میں دیکھتا ہوں کہ آپ ہمیشہ اس ستون کے پاس نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے آپ بھی اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ (مترجم)]۔

لہٰذا اگر بدعت تک پہنچانے والے اس ذریعہ کو بند کرنا اس سے بڑے کسی فساد میں پڑنے کا پیش خیمہ ہو، تو ایسی صورت میں دو فسادوں میں سے بڑے فساد کو ٹالنے کے لئے چھوٹے اور معمولی فساد کا ارتکاب واجب ہوگا، اور یہ بدعت کے فساد کے ارتکاب سے ہی ہوسکتا ہے؛ کیونکہ دونوں میں کمتر فساد وہی ہے۔

اس کی مثال:

یہ ہے کہ امام احمد (۲۴۱ھ) رحمہ اللہ کو کچھ امراء کے بارے میں بتایا گیا کہ: اُنہوں نے ایک مصحف پر ایک ہزار دینار خرچ کیا ہے! تو انہوں نے فرمایا: انہیں چھوڑو، کیونکہ یہ نہایت افضل کام ہے جس میں انہوں نے سونا خرچ کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مَعَ أَنَّ مَذْهَبَهُ أَنَّ زَخْرَفَةَ الْمَصَاحِفِ مَكْرُوْهَةٌ. وَقَدْ تَأَوَّلَ بَعْضُ الْأَصْحَابِ أَنَّهُ أَنْفَقَهَا فِي تَجْوِيْدِ الْوَرَقِ وَالْخَطِّ. وَلَيْسَ مَقْصُودُ أَحْمَدَ هَذَا، إِنَّمَا قَصْدُهُ أَنَّ هَذَا الْعَمَلَ فِيْهِ مَصْلَحَةٌ، وَفِيْهِ أَيْضًا مَفْسَدَةٌ كُرِهَ لِأَجْلِهَا. فَهٰؤُلَاءِ إِنْ لَمْ يَفْعَلُوا هَذَا، وَإِلَّا اعْتَاضُوا بِفَسَادٍ لَا صَلَاحَ فِيْهِ، مِثْلُ أَنْ يُنْفِقَهَا فِيْ كِتَابٍ مِنْ كُتُبِ الْفُجُوْرِ: مِنْ كُتُبِ الْأَسْمَارِ أَوِ الْأَشْعَارِ، أَوْ حِكْمَةِ فَارِسَ وَالرُّوْمِ“۔[1]

حالانکہ ان (امام احمد) کا مذہب یہ ہے کہ مصاحف کو رنگ برنگا کرنا اور سجانا مکروہ ہے۔

اور بعض اصحاب نے اس کی توجیہ یہ کی ہے: کہ ان امراء نے کاغذ اور تحریر کی عمدگی میں اتنی دولت خرچ کیا تھا۔

جبکہ امام احمد کا مقصود یہ نہیں ہے، بلکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ اس کام میں مصلحت ہے،

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، از امام ابن تیمیہ، ۲/ ۶۱۷-۶۱۸۔

نیز اس میں فساد بھی ہے جس کے سبب اسے مکروہ سمجھا گیا ہے۔

بایں طور کہ اگر امراء یہ کام نہ کرتے تو اس کے بجائے فساد کا کام کرتے، جس میں سرے سے کوئی بھلائی نہ ہوتی؛ مثلاً وہ اس دولت کو فسق وفجور اور بیہودگی کی کسی کتاب پر خرچ کر دیتے؛ جیسے شی کہانیوں یا اشعار یا فارس وروم کی حکمت وغیرہ کی کتابوں پر صرف کر دیتے۔

یہ وہ لازمی شروط ہیں جن کا کسی بھی کام پر بدعت کا ذریعہ ہونے کا حکم لگانے کے لئے پایا جانا ضروری ہے۔

ساتھ ہی واضح رہے کہ ذرائع پر قدغن لگانے کے لئے اُن کے انجام دہندہ کے یہاں بدعت کا قصد وارادہ پایا جانا شرط نہیں۔

کیونکہ ذرائع کی روک تھام کرنے میں قصد وارادہ اور نیت کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اس کی ممانعت اور روک تھام میں صرف اس بات کا اعتبار ہے کہ وہ عمومی طور پر فساد تک لے جانے والا ہو، لہٰذا اس صورت میں اس بات کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا کہ ذریعہ کے انجام دہ کا ارادہ فساد کا تھا، یا نہیں تھا، یا اُسے اس کا علم تھا یا نہیں تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اس اصول میں بدعت کو زیادہ تر اضافی بدعت میں شمار کیا جاتا رہا ہے، کیونکہ اصل کے اعتبار سے بدعت کے ذریعہ کا زیادہ سے زیادہ حکم یہ ہے کہ وہ ایک ایسا فعل ہے جس کی یا تو شرعاً اجازت ہے، یا وہ فعل مطلوب ہے۔

ان شرطوں کی وضاحت کرنے والی مثالوں میں سے ایک مثال امام ابو شامہ دمشقی (۶۶۵ھ) رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے، فرماتے ہیں:

”وَجرتْ عَادَةُ النَّاسِ أنهمْ يُصلُّونَ بَينَ الْأَذانَينِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مُتنَفِّلِيْنَ بِركْعَتَيْنِ أَوْ أَربعٍ وَنَحْوِ ذَلِكَ إِلَى خُرُوجِ الْإمامِ، وَذَلِكَ جَائِزٌ وَمُبَاحٌ؛ وَلَيْسَ بِمُنْكَرٍ مِنَ

جِهَةِ كَونِهِ صَلَاةً، وَإِنَّمَا الْمُنكَرُ اعْتِقَادُ الْعَامَّةِ مِنْهُمْ وَمُعْظَمُ الْمُتَفَقِّهَةِ مِنْهُمْ أَنَّ ذَلِكَ سُنَّةٌ لِلْجُمُعَةِ قَبْلَهَا، كَمَا يُصَلُّونَ السُّنَّةَ قَبْلَ الظُّهْرِ وَيُصَرِّحُونَ فِي نِيَّتِهِمْ بِأَنَّهَا سُنَّةُ الْجُمُعَةِ''۔ [1]

لوگوں کی عادت بن چکی ہے کہ وہ جمعہ کے روز دونوں اذانوں کے درمیان امام کے آنے سے پہلے دو یا چار رکعت نفل پڑھتے ہیں، اور یہ بحیثیت نماز جائز اور مباح بھی ہے، منکر اور گناہ نہیں ہے، بلکہ درحقیقت منکر اور گناہ ان میں سے زیادہ تر عوام اور نام نہاد فقہاء کا یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ یہ جمعہ سے پہلے کی سنت ہے، جیسے وہ نماز ظہر سے پہلے سنت ادا کرتے ہیں، اور وہ اپنی نیتوں میں صراحت بھی کرتے ہیں [2] کہ یہ جمعہ کی سنت ہے۔

بہر حال یہ جمعہ سے پہلے دو رکعتوں کی خاص مثال ہے، آئندہ سطور میں اس مثال پر سابقہ شروط کی تطبیق ملاحظہ فرمائیں:

اولاً: کسی کام کو بدعت کا ذریعہ سمجھنے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کام بدعت تک پہنچانے والا ہو۔

اس مثال میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ جمعہ سے پہلے دو رکعت پڑھنا اُسے لوگوں کے مجمعوں میں ظاہر کرنے اور اُس پر ہمیشگی برتنے کے سبب، بدعت تک پہنچانے کا ذریعہ بن گیا، کیونکہ انہوں (امام ابو شامہ رحمہ اللہ) نے فرمایا ہے کہ ''لوگوں کی عادت بن گئی ہے'' پھر ان دو رکعتوں کی ادائیگی جامع مسجد میں ہوتی ہے جس میں لوگوں کا جم غفیر اکٹھا ہوتا ہے۔

ثانیاً: دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کام نادر اور کبھی کبھار نہیں، بلکہ زیادہ تر بدعت تک

---

[1] الباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص:۹۶۔

[2] نماز میں زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنے کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ نیت کا مقام دل ہے۔

پہنچانے والا ہو۔

اس میں مثال میں ہم دیکھ رہے ہیں عوام الناس اور ان کے زیادہ تر نام نہاد فقہاء ان دو رکعتوں کی ادائیگی کے سب یہ سمجھنے لگے کہ یہ صلاۃ ظہر کی سنت کی طرح جمعہ کی پہلی سنت ہے، یہی نہیں بلکہ وہ اپنی نیت میں صراحت بھی کرتے ہیں کہ یہ جمعہ کی سنت ہے!

ثالثاً: تیسری شرط یہ ہے کہ بدعت کے ذریعہ کی روک تھام کے نتیجہ میں اس بدعت کے فساد سے بڑا فساد جنم نہ لے۔

اور اس مثال میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان دو رکعتوں کے چھوڑنے پر مرتب ہونے والا فساد بدعت کے فساد سے کمتر ہے؛ وہ اس لئے کہ ان دو رکعتوں کی دائیگی مطلق نفل کے تحت داخل ہے، لہٰذا اگر چھوڑ بھی دیا جائے تو کوئی نقصان نہیں، برخلاف ایں کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ یہ دو رکعتیں جمعہ سے پہلے کی موکدہ سنت ہیں، کہ ایسا عقیدہ رکھنا حکم شرعی کی کھلی مخالفت ہے، کیونکہ جمعہ سے پہلے کوئی سنت موکدہ ہے ہی نہیں۔

بنا بریں یہ کہا جا سکتا ہے کہ: جمعہ سے پہلے دو رکعت پڑھنا ایک شرعی فساد تک پہنچاتا ہے، وہ یہ کہ عوام الناس کو ایک غلط عقیدہ میں مبتلا کرتا ہے کہ یہ جمعہ سے پہلے کی سنت موکدہ ہے، جبکہ یہ عقیدہ سراسر بدعت ہے؛ اس طور پر اس غلط سوچ تک لے جانے والی یہ نماز بدعت کا ذریعہ قرار پائی جس کا سد باب کیا جانا چاہئے۔

اس سے قطع نظر کہ ان دو رکعتوں کا ادا کرنے والا اس فساد کو جانتا تھا یا نہیں جانتا تھا، نیز اُس کی نیت تھی یا نہیں تھی۔

اس لئے کہ سد ذرائع میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ ذریعہ بننے والے کی نیت تھی یا نہیں تھی، نہ ہی یہ دیکھا جائے گا کہ وہ جانتا تھا یا نہیں جانتا تھا۔

بدعت کے باب میں سلف صالحین کے قاعدہ ”سد ذرائع“ کی تطبیق کی چند مثالیں[1]:

① عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منیٰ کے مقام پر مسافر ہونے کے باوجود نماز قصر نہیں فرمائی، اور جب ان سے پوچھا گیا:

” أَلَيْسَ قَصَرتَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ“ کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز قصر کر کے نہیں پڑھی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ”بلٰی وَلٰكِنِّي إِمَامُ النَّاسِ فَيَنْظُرُ إِلَيَّ الْأَعْرَابُ وَأهلُ الْبَادِيَةِ أُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فَيَقُولُونَ هٰكَذَا فُرِضَتْ“ جی ہاں! بالکل قصر کر کے پڑھی ہے، لیکن میں یہاں لوگوں کا امام (یا لوگوں کے سامنے) ہوں، مجھے دیہاتی اور بادیہ نشین حضرات دیکھیں گے کہ میں دو رکعت پڑھ رہا ہوں تو کہیں گے کہ: نماز اسی طرح (دو رکعت ہی) فرض کی گئی ہے۔[2]

امام ابوبکر طرطوشی (۵۲۰ھ) رحمہ اللہ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تَأَمَّلُوا - رَحِمَكُمُ اللهُ -؛ فَإِنَّ فِي الْقَصْرِ قَوْلَيْنِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ:

مِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ: فَرِيْضَةٌ...، ومِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ: سُنَّةٌ ...

ثُمَّ اقْتَحَمَ عُثْمَانُ تَرْكَ الْفَرْضِ أَوِ السُّنَّةِ لِمَا خَافَ مِنْ سُوْءِ الْعَاقِبَةِ، وَأَنْ يَعْتَقِدَ النَّاسُ أَنَّ الْفَرْضَ رَكْعَتَانِ“۔[3]

---

[1] دیکھئے: الحوادث والبدع، ص: ۴۲-۴۴، والباعث علی انکار البدع، ص: ۵۳-۵۴، والاعتصام، ۲/ ۳۱-۳۵۔

[2] اسے امام ابو داود نے روایت کیا ہے، ۲/ ۱۹۹، ۲۰۰، حدیث (۱۹۶۱، ۱۹۶۴)۔ نیز دیکھئے: الحوادث والبدع، ص: ۴۲، والباعث علی انکار البدع والحوادث، ص: ۵۷، والاعتصام، ۲/ ۳۱، ۳۲، ۱۰۶۔

[3] الحوادث والبدع، ص: ۴۳۔

- اللہ آپ لوگوں پر رحم فرمائے - ذرا غور کریں کہ قصر کے مسئلہ میں مسلمانوں کے دو اقوال ہیں: کچھ لوگ فرض کہتے ہیں...اور کچھ لوگ سنت قرار دیتے ہیں....

لیکن عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس فرض یا سنت کو محض اس لئے ترک کر دیا کہ آپ کو اندیشہ ہوا کہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا، اور لوگ یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ نماز دو ہی رکعت فرض ہے۔

② بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس اندیشہ سے قربانی ترک کر دیا کہ کہیں اُسے واجب نہ سمجھ لیا جائے، یہ چیز ابو بکر، عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''إِنِّي لَأَتْرُكُ أُضْحِيَتِي وَإِنِّي لَمِنْ أَيْسَرِكُمْ؛ مَخَافَةَ أَنْ يَظُنَّ الْجِيْرَانُ أَنَّهَا وَاجِبَةٌ''۔ [1]

---

[1] الحوادث والبدع ص: ۴۳، والباعث علی انکار البدع ص: ۵۷، والاعتصام، ۲/ ۱۰۷۔

[اس سلسلہ میں وارد بعض روایتیں حسب ذیل ہیں:

عن أبي وائلٍ قالَ: قالَ ابنُ مسعودٍ : لقد هممتُ أنْ أَدعَ الأُضحيةَ وإِنِّي لَمِن أَيسرِكم لها، مخافَةَ أنْ تُحدثني نفسي بخلافِ السُّنةِ.

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یقیناً میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ قربانی نہ کروں، حالانکہ میں قربانی کے سلسلہ میں تم میں سب سے زیادہ صاحب حیثیت ہوں، اس خوف سے کہ کہیں میرے دل میں سنت کے خلاف (واجب ولازم) ہونے کی بات پیدا نہ ہو جائے۔ (دیکھئے: المخلصیات، ۳/ ۱۷۱، حدیث: ۲۲۵۱-۹۶)۔

عن المعرورِ بنِ سويدٍ عنِ ابنِ مسعودٍ قالَ: لقد هَممتُ بتركِ الأُضحيةِ، ما بي ألا أَكونَ مِن أَيسرِكم، ولكنْ مَخافةَ أَن يَرى البائسُ الفقيرُ أنَّها عليهِ حتماً واجباً.

معرور بن سوید ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے قربانی نہ کرنے کا پکا ارادہ کرلیا ہے، یقیناً میں تم میں سب سے زیادہ خوش حال ہوں، لیکن بس اس خوف سے کہ کہیں فقیر ومحتاج شخص یہ نہ سمجھ لے کہ یہ اُس پر حتمی واجب ہے۔ (دیکھئے: المخلصیات، ۳/ ۱۷۲، حدیث (۲۲۵۵-۱۰۰)۔ (مترجم)]

یقیناً میں تم میں سب سے خوشحال لوگوں میں سے ہونے کے باوجود اس ڈر سے قربانی چھوڑ دیتا ہوں کہ پڑوسی اُسے واجب نہ سمجھ لیں۔

امام طرطوشی (۵۲۰ھ) رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”انْظُرُوا - رَحِمَكُمُ اللهُ -؛ فَإِنَّ الْقَوْلَ فِي هَذَا الْأَثَرِ كَالْقَوْلِ فِيْمَا قَبْلَهُ؛ فَإِنَّ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ قَوْلَيْنِ فِي الْأُضْحِيَةِ: أَحَدُهُمَا: سُنَّةٌ. وَالثَّانِي: وَاجِبَةٌ. ثُمَّ اقْتَحَمَ الصَّحَابَةُ تَرْكَ السُّنَّةِ؛ حَذَرًا أَنْ يَضَعَ النَّاسُ الْأَمْرَ عَلَى غَيْرِ وَجْهِهِ، فَيَعْتَقِدُونَهَا فَرِيْضَةً“۔[1]

اللہ آپ پر رحم فرمائے! ذرا غور کریں، اس اثر میں بھی وہی بات ہے جو پہلے میں؛ کہ قربانی کے بارے میں مسلمانوں کے دو اقوال ہیں:

۱۔ سنت۔ ۲۔ واجب۔

لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس ڈر سے سنت ترک کر دیا کہ کہیں لوگ مسئلہ کو اس کی حقیقت کے برخلاف نہ لے لیں، یعنی اُسے فرض نہ سمجھ لیں۔

③ امام مالک (۱۷۹ھ) رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے علامہ ابن وضاح قرطبی (۲۸۶ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَقَدْ كَانَ مَالِكٌ يَكْرَهُ كُلَّ بِدْعَةٍ، وَإِنْ كَانَتْ فِي خَيْرٍ، وَلَقَدْ كَانَ مَالِكٌ يَكْرَهُ الْمَجِيءَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ خِيفَةَ أَنْ يُتَّخَذَ ذَلِكَ سُنَّةً، وَكَانَ يَكْرَهُ مَجِيءَ قُبُورِ الشُّهَدَاءِ، وَيَكْرَهُ مَجِيءَ قُبَاء خَوْفًا مَنْ ذَلِكَ، وَقَدْ جَاءَتِ الْآثَارُ عَنِ النَّبِيِّ

[1] الحوادث والبدع،ص:۴۳-۴۴۔

ﷺ بِالرَّغْبَةِ فِي ذَلِكَ، وَلَكِنْ لَمَّا خَافَ الْعُلَمَاءُ عَاقِبَةَ ذَلِكَ تَرَكُوهُ''۔[1]

امام مالک رحمہ اللہ ہر بدعت کو ناپسند کرتے تھے، خوہ کسی بھلائی میں ہی ہو، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ بیت المقدس جانا بھی ناپسند کرتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں اسے سنت نہ بنالیا جائے، اسی طرح شہداء کی قبروں کے پاس جانا بھی ناپسند کرتے تھے، نیز اسی ڈر سے قباء جانا بھی ناپسند کرتے تھے، جبکہ نبی کریم ﷺ سے ان چیزوں کی بابت رغبت کے آثار آئے ہیں، لیکن جب علماء کو ان کے انجام کے بارے میں ڈر ہوا تو انہوں نے اسے ترک کردیا۔

بدعت کے باب میں قاعدہ ''سد الذرائع'' پر عمل سے بے اعتنائی پر مرتب ہونے والے چند مفاسد[2]:

۱۔ ایسا کرنے سے سلف صالحین کے عمل کی مخالفت ہوگی،- جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا چکا ہے کہ- وہ بدعت کے ڈر سے بہت سے جائز اور مستحب اعمال بھی ترک کردیا کرتے تھے اور اُنہیں انجام دینا ناپسند کرتے تھے۔

۲۔ عوام الناس اور جن کے پاس علم نہیں ہے' وہ جو فرض نہیں ہوگا اُسے فرض، جو سنت نہیں ہوگا اُسے سنت اور جو مشروع نہیں ہوگا اُسے مشروع سمجھ لیں گے! اور یہ بہت بڑا افساد ہے، کیونکہ کسی چیز کے بارے اُس کی حقیقت کے برخلاف عقیدہ رکھنا، اور اُس پر اس حیثیت سے عمل کرنا شریعت کی تبدیلی اور اُس کے احکام کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے۔

اور **اس بات پر تنبیہ کردینا بھی بہتر ہے:** کہ بدعات کے ظہور اور اس کے پھیلاؤ

---

[1] البدع والنھی عنہا ص: ۵۲، نیز دیکھئے: الاعتصام، ۱/ ۳۴۷۔

[2] الحوادث والبدع ص: ۶۶-۷۰، والباعث علی إنکار البدع ص: ۳۸، والاعتصام، ۱/ ۳۴۶، ۳۴۸۔

کو درازئ زمانہ اور حق کے نشانات مٹ جانے کے سبب ایک طرح شریعت کی تبدیلی شمار کیا جاتا ہے، اور یہ چیز تین قسم کے لوگوں میں معروف ہوتی ہے:

۱۔ چھوٹوں اور کم عمر لوگوں میں: جب اُن کی پرورش و پرداخت بدعت پر ہوتی ہے اور وہ اسی پر بڑے ہوتے ہیں۔

۲۔ کفار میں: جب وہ اُنہی بدعات پر اسلام لاتے ہیں۔

۳۔ دیہاتی اور بادیہ نشین لوگوں میں: جب وہ انہی بدعات کو سیکھتے اور اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

بدعات کے ذرائع کو بدعات میں شامل کرنا اور اُنہیں بدعت کا نام دینا دراصل کسی چیز کو اس کے انجام کے قائم مقام قرار دینے کے اعتبار سے درست ہے۔

اور یہ الحاق وشمولیت اُس ذریعہ کے درجہ کی حیثیت اور اس کے بدعت تک پہنچانے کی قوت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، چنانچہ اگر بدعت گناہ کبیرہ ہوگی اور اُس تک پہنچانا قوی ہوگا تو ذریعہ گناہ کبیرہ کے قبیل سے ہوگا، اور اگر بدعت اس سے کمتر ہوگی تو اس تک پہنچانے والا ذریعہ بھی کمتر ہوگا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کے ذریعہ پر بدعت کا اطلاق کرنے میں کچھ تساہل اور رعایت ونرمی ہے، اور اس کی نوبت محض احکام شریعت کو بدعت سے محفوظ رکھنے کے ناگزیر تقاضہ کی بنا پر آئی ہے۔ [1]

❊ ❊ ❊

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۱/ ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۲۲، ۳۲۳، و ۲/ ۲۱، ۲۲، ۳۵۔

بدعات کی پہچان کے قواعد

تعداد: (۲۳) قواعد

یہ تمام قواعد مجموعی طور پر تین اصولوں کے تحت شامل ہیں:

- **پہلا اصول:** ان چیزوں کے ذریعہ اللہ سے تقرب کا حصول جنہیں اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے۔
- **دوسرا اصول:** دین کے نظام کے خلاف بغاوت۔
- **تیسرا اصول:** بدعت کے وسائل و ذرائع۔

***

ان قواعد کی ترتیب وتشکیل کا منہج وطریقۂ کار

اولاً: میں نے ان قواعد کو اُن کے تینوں اصولوں کے مطابق تین اقسام میں مرتب کیا ہے، اور اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ یہ تمام قواعد مسلسل نمبر کے ساتھ ذکر ہوں، لہٰذا اس کی ترتیب حسب ذیل ہے:

- **پہلا اصول:** ان چیزوں کے ذریعہ اللہ سے تقرب کا حصول جنہیں اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے۔

اس اصول کے تحت (۱تا۱۰) دس قواعد درج ہیں۔

- **دوسرا اصول:** دین کے نظام کے خلاف بغاوت۔

اس اصول کے تحت (۱۱تا۱۸) آٹھ قواعد درج ہیں۔

- **تیسرا اصول:** بدعت کے وسائل وذرائع۔

اس اصول کے تحت (۱۹تا۲۳) پانچ قواعد درج ہیں۔

ثانیاً: میں نے ہر قاعدہ پر حسب ذیل ترتیب سے گفتگو کی ہے:

۱۔ قاعدہ نمبر۔

۲۔ قاعدہ کی نص (عبارت)، جسے میں نے جلی حروف میں نمایاں کیا ہے۔

۳۔ قاعدہ کی تطبیقی مثالیں۔

میں نے اس میں اتنی ہی گفتگو کی ہے جس سے قاعدہ کی وضاحت اور اس کی صحیح تصویر

نمایاں ہو جائے، ہر قاعدہ کے تحت آنے والی ایک ایک بدعت اور نام بنام سارے نوایجاد امور کو یکجا کر کے کثرت کلام سے احتراز کیا ہے۔

ہاں اگر قاعدہ کئی ایک مثالوں والا ہو گا تو میں ان مثالوں کو کُلّی صورتوں کے تحت اس طرح مرتب کروں گا جو اُس کی متفرق مثالوں کو سمیٹ لے گا۔

۴۔ **قاعدہ کی وضاحت:** اس وضاحت میں قاعدہ کی شرح، اُس قاعدہ کے بنیادی اصول وقواعد، اور اُس سے متعلقہ ضوابط وفوائد کا بیان، نیز قاعدہ کے بارے میں اہل علم کے اقوال کا اندراج وغیرہ شامل ہیں۔

البتہ بسا اوقات بعض قواعد تفصیلی اور طویل شرح کے متقاضی ہوتے ہیں۔

ثالثاً: اس موقع پر چند ضروری تنبیہات:

● ان قواعد میں باہم تداخل، تلازم اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے؛ چنانچہ مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے جن عبادات کو ترک کر دیا ہے اُن کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے قاعدہ کے ضمن میں بہت سارے قواعد آتے ہیں، جیسے: گناہوں کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا، عادات کے ذریعہ غیر مشروع طریقہ سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا اور کافروں کی مشابہت اختیار کرنا وغیرہ قواعد۔

اسی طرح کسی ''موضوع حدیث کی بنیاد پر عبادت کے قاعدہ'' میں - عام طور پر - ''قواعد شریعت کے مخالف عبادت کا قاعدہ'' داخل ہو جاتا ہے، نیز اس میں ''سلف کے عبادت کو ترک کرنے اور ان کی جانب سے وارد نہ ہونے کا قاعدہ'' بھی داخل ہوتا ہے۔

● اور اسی جیسی بات مثالوں اور شواہد میں بھی کہی جا سکتی ہے: جیسے مثال کے طور پر علمِ کلام کتاب وسنت اور سلف امت کے کلام میں نہ آنے کے اعتبار سے بھی بدعت ہے، اور

دینی امور میں جنگ و جدال پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے بھی بدعت ہے۔

اسی طرح صلاۃ الرغائب کا معاملہ ہے؛ کہ وہ موضوع حدیث پر مبنی ہونے کے اعتبار سے بھی بدعت ہے، سلف صالح کے یہاں منقول نہ ہونے کے اعتبار سے بھی بدعت ہے اور شریعت کے قواعد اور اس کے اہداف و مقاصد کے خلاف ہونے کے اعتبار سے بھی بدعت ہے۔

لیکن بہر حال اس جیسے مسئلہ میں معاملہ آسان اور قریب ہے، کیونکہ اس کا مقصد اصول وضابطہ میں لانا اور قریب کرنا ہے۔

٭ ٭ ٭

پہلا اصول:

ان چیزوں کے ذریعہ اللہ سے تقرب کا حصول جنہیں اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے

اس اصول کے تحت دس جامع قواعد آتے ہیں:

اس کی وضاحت یوں ہے کہ:

اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں دو پہلوؤں سے شریعت کی تابعداری لازمی ہے:

اول: یہ کہ اصل عبادت ثابت ہو۔

دوم: یہ کہ اس عبادت کی صفت ثابت ہو۔

رہا مسئلہ اصل عبادت کے ثبوت کا، تو اس کا معنی یہ ہے کہ عبادت کسی صحیح اور مستند شرعی دلیل پر مبنی ہو۔

اور اس پہلو کی مخالفت اس طرح ہوتی ہے:

کہ عبادت کسی جھوٹی حدیث پر مبنی ہو، یا کسی ایسے شخص کے قول پر مبنی ہو جس کا قول وفرمان قابل حجت نہ ہو، یا یہ کہ وہ عبادت نبی کریم ﷺ کی سنتِ ترکیہ (چھوڑنے کی سنت)، یا سلف کے عمل، یا شریعت کے قواعد کے خلاف ہو، اس طرح سابقہ باتوں سے پانچ جامع کلی قواعد نکلتے ہیں۔

اور جہاں تک رہی بات عبادت کی صفت اور اس کے طریقہ کی تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عبادت اپنے اصل کے اعتبار سے اور اپنی صفت کے اعتبار سے مشروع ہو۔

اس پہلو کی مخالفت اس طرح ہوتی ہے:

کہ عبادت اصل میں مشروع نہ ہو، بایں طور کہ عادات یا گناہوں کی انجام دہی سے اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے، اس طرح یہ دو کلی قواعد ہیں۔

یا یہ کہ عبادت اصل کے اعتبار سے تو مشروع ہو، لیکن مقید عبادت کو مطلق کر کے یا مطلق عبادت کو مقید کر کے اُس کی صفت میں تبدیلی لاحق ہو جائے، اور ان پہلوؤں کو غلو کے باب نے سمیٹ رکھا ہے، اس طرح یہ بھی تین قواعد ہو گئے، چنانچہ سابقہ باتوں سے مجموعی طور پر پانچ قواعد نکلے۔

آئندہ صفحات میں ان قواعد کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

پہلا قاعدہ

ہر عبادت جو رسول اللہ ﷺ پر گھڑی ہوئی جھوٹی حدیث پر مبنی ہو وہ بدعت ہے[1]۔

چند مثالیں:

قرآن کریم کی الگ الگ ایک ایک سورت کی فضیلت کے بارے میں گھڑی ہوئی حدیثیں۔[2]

اور اسی قبیل سے: صلاۃ الرغائب کی فضیلت میں گھڑی ہوئی حدیث بھی ہے۔[3]

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ دین کے اصولوں میں سے ایک عظیم اصول پر مبنی ہے، وہ یہ کہ عبادات میں اصل توقف ہے، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ شرعی احکام اور تعبدی امور کتاب وسنت کے صحیح معتبر دلائل سے ہی ثابت ہوں گے۔

رہیں رسول اللہ ﷺ پر گھڑی ہوئی جھوٹی حدیثیں تو وہ آپ ﷺ کی سنت نہیں ہیں، لہٰذا ان پر عمل کرنا بدعت ہے؛ کیونکہ وہ ایک شریعت سازی ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا ہے۔

***

---

(1) دیکھئے: الباعث علی انکار البدع، ص: ۵۵-۵۷، والاعتصام، ۱/ ۲۲۴-۲۳۱، واحکام الجنائز، ص: ۲۴۲۔

(2) دیکھئے: المنار المنیف، از امام ابن القیم، ص: ۱۱۳-۱۱۵۔ [نیز دیکھئے: الضعیفۃ للالبانی، ۲/ ۱۵۲/ ۷۱۸ (مترجم)]

(3) دیکھئے: تنزیہ الشریعۃ، ۲/ ۸۹-۹۴۔ اور اس نماز کا بیان عنقریب پانچویں قاعدہ میں آئے گا۔

دوسرا قاعدہ

ہر عبادت جو محض رائے اور خواہش نفس پر مبنی ہو، وہ بدعت ہے؛ جیسے بعض علماء یا عبادت گزاروں کی باتیں، یا بعض علاقوں کے عادات واطوار یا بعض قصّے کہانیاں اور خواب ومنامات[1]۔

چند مثالیں:

الف: صوفیاء کا بہت سارے احکام کے اثبات میں کشف، مشاہدہ اور خلاف عادت امور پر اعتماد کرنا؛ چنانچہ وہ ان چیزوں کے ذریعہ حلال وحرام کا حکم لگاتے ہیں، اور اُسی بنیاد پر عمل کرتے یا اُس سے احتراز برتتے ہیں، جیسا کہ کسی صوفی کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ جب وہ کوئی کھانا کھاتے جس میں شبہہ ہوتا، تو اس کے سبب اُن کی انگلی سے پسینہ چھوٹنے لگتا، لہٰذا وہ اس سے رُک جاتے۔[2]

ب: بدعتی اذکار ووظائف، جیسے مفرد نام ''اللہ'' یا ضمیر ''ھوھو'' کے ذریعہ اللہ کا ذکر کرنا، اس بنیاد پر کہ بعض متاخرین اس کا حکم دیا کرتے تھے۔[3]

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۱/ ۲۱۲-۲۱۹، والابداع فی مضار الابتداع، از شیخ علی محفوظ ص: ۴۱، وأحکام الجنائز ص: ۲۴۲۔

[2] دیکھئے: الاعتصام، ۱/ ۲۱۲، ۲/ ۱۸۱، ۱۸۲۔

[3] دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۰/ ۳۹۶۔

ج: فرشتوں اور اسی طرح انبیاء وصالحین کو اُن کی موت کے بعد اور اُن کی عدم موجودگی میں پکارنا، اُن سے سوال کرنا اور ان سے فریاد کرنا۔ (1)

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ اہل بدعت کی نشانیوں کے سلسلہ میں ایک اہم اصول کے بیان سے واضح ہوگا، وہ یہ کہ ہر بدعتی اپنی بدعت کے لئے لازمی طور پر شریعت کی کسی نہ کسی دلیل سے استدلال کرتا ہے، خواہ وہ دلیل صحیح ہو یا ضعیف۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ’’ہر بدعتی اس بات سے بچتا اور انکار کرتا ہے کہ اُس کی جانب شریعت سے خروج کی نسبت کی جائے؛ کیونکہ -وہ اپنے (نام نہاد) استنباط کی بنیاد پر- اس بات کا دعویدار ہوتا ہے کہ اس کی بات دلائل کے تقاضہ کے تحت داخل ہے‘‘۔ (2)

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’كُلُّ خَارِجٍ عَنِ السُّنَّةِ مِمَّنْ يَدَّعِي الدُّخُولَ فِيهَا وَالْكَوْنَ مَنْ أَهْلِهَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْ تَكَلُّفٍ فِي الِاسْتِدْلَالِ بِأَدِلَّتِهَا عَلَى خُصُومَاتِ مَسَائِلِهِمْ، وَإِلَّا كَذَّبَ اطِّرَاحُهَا دَعْوَاهُمْ‘‘۔ (3)

سنت سے خارج تمام لوگ جو سنت میں داخل ہونے اور اہل سنت میں سے ہونے کے دعویدار ہیں اُن کے لئے اپنے متنازع مسائل پر سنت کے دلائل سے بتکلف (زبردستی) استدلال کرنا ناگزیر ہے، ورنہ یونہی اپنی بات کہنا اُن کے دعویٰ کو جھٹلا دے گا۔

---

(1) دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱/ ۱۵۹-۱۶۰۔

(2) الاعتصام، ۱/ ۲۸۶۔

(3) الاعتصام، ۱/ ۲۲۰۔

جبکہ ثابت اور متفقہ اصول یہ ہے کہ کتاب وسنت ہی اللہ کی جانب سے علم کا سرچشمہ اور اللہ کے بارے میں معلومات کا راستہ ہیں، اور یہی دونوں حلال وحرام ٹھہرانے اور اللہ کے احکام اور اس کی شریعت کی معرفت کا ذریعہ ہیں۔ [1]

لہٰذا ہر وہ عبادت جس کی بنیاد کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ نہ ہو وہ بدعتِ ضلالت ہے، اگرچہ اس کا کرنے کا والا کچھ چیزوں کو بزعم خویش دلائل سمجھ کر اُن سے استدلال کرے اور اُن پر مضبوطی سے کاربند رہے، لیکن درحقیقت -علماء راسخین کے یہاں- اس کی حیثیت تارِ عنکبوت کی مانند ہے۔

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَبِذَلِكَ كُلِّهِ يُعْلَمُ مِنْ قَصْدِ الشَّارِعِ أَنَّهُ لَمْ يَكِلْ شَيْئًا مِنَ التَّعَبُّدَاتِ إِلَى آرَاءِ الْعِبَادِ، فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا الْوُقُوفُ عِنْدَ مَا حَدَّهُ“۔ [2]

ان تمام باتوں سے شارع کا مقصد معلوم ہو جاتا ہے کہ شارع نے تعبدی امور میں سے کسی بھی چیز کو بندوں کے عقول و آراء کے حوالے نہیں کیا ہے، لہٰذا شارع کی حدبندی پر رک جانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

اور امام طرطوشی (۵۲۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”شَيْعُوعَةُ الْفِعْلِ وَانْتِشَارُهُ لَا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِهِ؛ كَمَا أَنَّ كَتْمَهُ لَا يَدُلُّ عَلَى مَنْعِهِ“۔

کسی کام کا بہت زیادہ عام اور مشتہر ہونا اس کے جواز پر دلالت نہیں کرتا، اسی طرح کسی

---

[1] دیکھئے: جماع العلم ص: ۱۱، وجامع بیان العلم وفضلہ، ۲/ ۳۳، ومجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۹/ ۹۔

[2] الاعتصام، ۲/ ۱۳۵۔

کام کا پوشیدہ ہونا اس کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتا۔

نیز - بعض امور کی مشروعیت کے لئے اُن کے منتشر اور عام ہونے کو دلیل و حجت بنانے والوں کی تردید کرتے ہوئے - فرماتے ہیں:

''وَأَكْثَرُ أَفْعَالِ أَهْلِ زَمَانِكَ عَلَى غَيْرِ السُّنَّةِ، وَكَيْفَ لَا وَقَدْ رَوَيْنَا قَوْلَ أَبِي الدَّرْدَاءِ إِذْ دَخَلَ عَلَى أُمِّ الدَّرْدَاءِ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - مُغْضَبًا، فَقَالَتْ لَهُ: مَا لَكَ؟ فَقَالَ: ''**وَاللهِ مَا أَعْرِفُ فِيهِمْ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ مُحَمَّدٍ ﷺ إِلَّا أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعًا**''[1]، وَمَا رَوَيْنَا هُنَالِكَ مِنَ الْآثَارِ!

فَإِنَّهُ لَمْ يَبْقَ فِيهِمْ مِنَ السُّنَّةِ إِلَّا الصَّلَاةَ فِي جَمَاعَةٍ، كَيْفَ لَا تَكُوْنُ مُعْظَمُ أُمُوْرِهِمْ مُحْدَثَاتٍ؟!

وَأَمَّا مَنْ تَعَلَّقَ بِفِعْلِ أَهْلِ الْقَيْرَوَانِ؛ فَهَذَا غَبِيٌّ يَسْتَدْعِي الْأَدَبَ دُوْنَ الْمُرَاجَعَةِ!

فَنَقُوْلُ لِهَؤُلَاءِ الْأَغْبِيَاءِ: إِنَّ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ رَأَى إِجْمَاعَ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ حُجَّةٌ، فَرَدَّهُ عَلَيْهِ سَائِرُ فُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ، هَذَا وَهُوَ بَلَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَعَرْصَةُ الْوَحْيِ، وَدَارُ النُّبُوَّةِ، وَمَعْدِنُ الْعِلْمِ، فَكَيْفَ بِالْقَيْرَوَانِ؟!''۔[2]

تمہارے دور کے لوگوں کے زیادہ تر اعمال خلاف سنت ہیں، اور کیسے نہ ہوں، جبکہ ہم ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قول روایت کر چکے ہیں کہ ایک دن وہ ام الدرداء رضی اللہ عنہا کے پاس

---

[1] [صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ، ۱/۱۳۱، حدیث (۶۵۰)، ومسند احمد، ۳۶/۳۰، حدیث (۲۱۷۰۰)، و ۴۵/۴۹۱، حدیث (۲۷۵۰۰)۔(مترجم)]

[2] الحوادث والبدع، ص: ۷۳-۷۴۔ نیز دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/۵۸۴، ۵۸۵، والتمسک بالسنن والتحذیر من البدع، از امام ذہبی، ص: ۱۰۹۔

بہت غصہ میں تشریف لائے، تو اُنہوں نے اُن سے پوچھا: آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ (خیریت تو ہے) فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے اُن میں شریعت محمدیہ کی کوئی چیز نظر نہیں آتی، سوائے اس کے کہ وہ نماز باجماعت ادا کرتے ہیں! (ہم نے وہاں اور بھی آثار روایت کئے ہیں!)

جب اُن کے یہاں ''نماز باجماعت کے سوا'' سنت کی کوئی چیز باقی ہی نہ رہ گئی تھی تو اُن کے زیادہ تر اعمال بدعت کیسے نہ ہوں گے؟!

رہا وہ شخص جو اہل قیروان کے عمل کو پکڑے بیٹھا رہے؛ وہ غبی اور بدعقل ہے، مراجعہ نہیں بلکہ تادیب کا مستحق ہے۔

لہٰذا ہم ان نادانوں کو بتانا چاہتے ہیں: کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ کا خیال تھا کہ اہل مدینہ کا اجماع حجت ہے، مگر تمام مالک کے فقہاء نے ان کی تردید فرمائی! غور کریں کہ یہ شہر رسول، آنگن وحی، دیار نبوت اور سرچشمۂ علم وعرفان (مدینہ طیبہ) کی بات ہے، تو بھلا قیروان کی کیا حیثیت ہے؟

بَيَانُ الْوَجْهِ الَّذِيْ يَدْخُلُ مِنْهُ الْفَسَادُ عَلَى عَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ:

عام مسلمانوں میں فساد و بگاڑ در آنے کے سبب کا بیان

امام طرطوشی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الحوادث والبدع'' میں اس عنوان سے ایک مستقل فصل قائم کی ہے، اور اُس کی شروعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث کے ذریعہ فرمائی ہے، وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا

جُهَّالًا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا"۔ ①

یقیناً اللہ تعالیٰ علم بندوں کے دلوں سے کھینچ کر نہیں اٹھائے گا، بلکہ علماء کو اٹھا کر علم اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہ چھوڑے گا، تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، جن سے سوال کیا جائے گا، اور وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، چنانچہ وہ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اور آگے لکھتے ہیں:

"فَتَدَبَّرْ هَذَا الْحَدِيْثَ؛ فَإِنَّهُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا يُؤْتَى النَّاسُ قَطُّ مِنْ قِبَلِ عُلَمَائِهِمْ، وَإِنَّمَا يُؤْتَوْنَ مِنْ قِبَلِ أَنَّهُ إِذَا مَاتَ عُلَمَاؤُهُمْ؛ أَفْتَى مَنْ لَيْسَ بِعَالِمٍ، فَيُؤْتَى النَّاسُ مِنْ قِبَلِهِ.

وَقَدْ صَرَّفَ عُمَرُ هَذَا الْمَعْنَى تَصْرِيْفًا، فَقَالَ: **مَا خَانَ أَمِيْنٌ قَطُّ، وَلَكِنَّهُ اؤْتُمِنَ غَيْرُ أَمِيْنٍ فَخَانَ.** وَنَحْنُ نَقُوْلُ: مَا ابْتَدَعَ عَالِمٌ قَطُّ، وَلَكِنَّهُ اسْتُفْتِيَ مَنْ لَيْسَ بِعَالِمٍ؛ فَضَلَّ وَأَضَلَّ"۔ ②

ذرا اس حدیث پر غور کریں، کیونکہ یہ حدیث بتلاتی ہے کہ لوگ کبھی بھی اپنے علماء کی جانب سے فساد وگمرہی کا شکار نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے درمیان بگاڑ وگمرہی تب آئے گی جب اُن کے علماء کی موت ہو جائے گی تو وہ لوگ فتویٰ دیں گے جو علماء نہیں ہوں گے، لہٰذا لوگ اس کے سبب گمراہ ہوں گے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اس معنیٰ کی تعبیر کچھ اس طرح فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

---

① صحیح بخاری، ۱/ ۱۹۴، حدیث (۱۰۰)، وصحیح مسلم، ۱۶/ ۲۲۳-۲۲۵، حدیث (۲۶۷۳)۔

② الحوادث والبدع ص: ۷۷۔ نیز دیکھئے: الباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص: ۶۶، والاعتصام، ۲/ ۱۷۳۔

''کسی امانتدار نے کبھی خیانت نہیں کیا، بلکہ غیر امین کو امانت دیدی گئی تو وہ خیانت کر بیٹھا''۔

اور ہم کہتے ہیں: کسی عالم نے کبھی بدعت ایجاد نہیں کیا، بلکہ غیر عالم سے فتویٰ پوچھ لیا گیا، لہٰذا وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

چند تنبیہات

پہلی تنبیہ: تقلید

کسی کی دلیل جانے بغیر اس کی بات کی پیروی کرنے کا نام تقلید ہے۔ [1]

مذموم تقلید کی کئی قسمیں ہیں، چند حسب ذیل ہیں [2]:

- باپ دادوں کی تقلید کرنا: ارشاد باری ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ٱتَّبِعُوا۟ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ قَالُوا۟ بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ ۚ أَوَلَوْ كَانَ ٱلشَّيْطَـٰنُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ ٱلسَّعِيرِ ﴿٢١﴾﴾ [لقمان:۲۱]۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی وحی کی تابعداری کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریق پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اسی کی تابعداری کریں گے، اگرچہ شیطان ان کے بڑوں کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو۔

- اس کی تقلید کرنا جس کے بارے میں مقلد کو معلوم نہ ہو کہ اُس کی بات لئے جانے کے

[1] دیکھئے: مذکرۃ الشنقیطی ص: ۳۱۴۔

[2] دیکھئے: الفقیہ والمتفقہ ، ۲/ ۶۹، وجامع بیان العلم وفضلہ، ۲/ ۱۱۰، ۱۱۵، ومجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۹/ ۲۶۰، و ۲۰/ ۱۵-۱۷، واعلام الموقعین، ۲/ ۱۸۷، ۱۸۸۔

قابل ہے: ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ﴾ [الاسراء:٣٦]۔

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔

- حق واضح ہو جانے اور دلیل معلوم ہونے کے بعد تقلید کرنا: ارشاد باری ہے:

﴿يُجَٰدِلُونَكَ فِي ٱلْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ﴾ [الأنفال:٦]۔

وہ اس حق کے بارے میں، اس کے بعد کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا آپ سے اس طرح جھگڑ رہے تھے۔

- مجتہد جسے اجتہاد کی قدرت ہو، وقت کی کشادگی اور تقلید کی حاجت نہ ہونے کے باوجود تقلید کرنا۔

- اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی کرنے والے کی بات کی تقلید کرنا، خواہ وہ خلاف ورزی کرنے والا کوئی بھی ہو: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ ﴾ [الأعراف:٣]۔

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو۔

رہا مسئلہ عام آدمی کے مجتہد کی تقلید اور اس کی پیروی کرنے کا، تو وہ مذموم تقلید میں داخل نہیں ہے، بلکہ وہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿فَسْـَٔلُوٓاْ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝٧﴾ [النحل:٤٣]۔

پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

کے عموم میں شامل ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے ایک عام آدمی کے کسی مجتہد کی تقلید کرنے کی حیثیت یہ ہے کہ وہ مجتہد اللہ کی جانب سے اس کے دین وشریعت کی تبلیغ کرنے والا ہے، اور عام آدمی کے لئے اُسے ماننا ضروری ہے۔

نیز اس کے لئے یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ عام اور مطلق اطاعت وفرمانبرداری صرف اللہ واحد اور اس کے رسول ﷺ کی واجب ہے؛ کیونکہ کسی کے لئے محض اس بنیاد پر کوئی بات لینا یا اُس کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں کہ وہ اُس کے امام کا قول ہے، بلکہ اس لئے لینا ہے کہ وہ بات ان باتوں میں سے ہے جن کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔

اسی لئے جب عام آدمی کو حق معلوم ہو جائے اور اس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ وہ جس کی تقلید کر رہا ہے اُس کے علاوہ کی بات اُس کی بات سے زیادہ راجح ہے، تو اس کے لئے مجتہد کی تقلید کرنا منع ہے۔[1] ❊

---

(1) دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۰/ ۸، ۹، ۱۷، ۲۲۳، ۲۲۴۔

❊ [شریعت اسلامیہ میں امت کے ہر طبقہ کو خواہ وہ مجتہد ہو یا عام آدمی حسب استطاعت اپنی اپنی حیثیت سے دلیل وبرہان اور علم کی روشنی میں عمل کا حکم دیا گیا ہے اور تقلید کسی بھی صورت میں علم نہیں بلکہ جہالت ہے، جیسا کہ ائمہ اسلام کی تصریحات موجود ہیں اس لئے عام عادمی کے لئے بھی غیر علم (جہالت) کی بنیاد پر عمل کا جواز کیونکر ممکن ہوسکتا ہے؟ رہا علماء سے پوچھنے کا حکم، تو وہ حکم الٰہی ہونے کے سبب اتباع ہے، نہ کہ تقلید، نیز سوال کرنے کا حکم تو سبھی کے لئے ہے، تاریخ میں ہمیشہ طلبہ علماء سے، چھوٹے علماء بڑے علماء سے اور بڑے علماء اکابر علماء سے سوالات کرتے رہے ہیں، سوال کرنا طلب علم ہے، اور وہ اتباع ہے، لہٰذا ''اہل ذکر سے پوچھنے کے حکم'' سے تقلید کے جواز پر استدلال (محققین کے یہاں) محل نظر ہے۔

چنانچہ تقلید کے حکم اور اہل ذکر سے پوچھنے کے حکم کا معنیٰ واضح کرتے ہوئے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فالتقليد كله حرام في جميع الشرائع، أولها عن آخرها من التوحيد والنبوة والقدر والإيمان والوعيد ==

....

== والإمامة والمفاضلة وجميع العبادات والأحكام. فإن قال قائل: فما وجه قوله تعالى:﴿فَسْـَٔلُوٓاْ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝٧﴾[النحل:۴۳]؟ قيل له وبالله تعالى التوفيق: إنه تعالى أمرنا أن نسأل أهل العلم عما حكم به الله تعالى في هذه المسألة، وما روي عن رسول الله ﷺ فيها ولم يأمرنا أن نسألهم عن شريعة جديدة يحدثونها لنا من آرائهم! وقد بين ذلك ﷺ بقوله: فليبلغ الشاهد الغائب''۔[دیکھئے:**الاحکام فی أصول الاحکام،از امام ابن حزم،۶/ ۱۵۱**]۔

تقلید اول تا آخر توحید، نبوت، تقدیر، وعید، امامت، مفاضلت وغیرہ تمام ابواب اور احکام وعبادات میں حرام ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ: تب فرمان باری تعالیٰ:﴿فَسْـَٔلُوٓاْ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝٧﴾[النحل:۴۳](پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو) کا کیا معنیٰ ہے؟

تو اللہ کی توفیق سے اس کا جواب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اہل علم سے یہ پوچھنے کا حکم دیا ہے کہ''اس مسئلہ میں اللہ کا کیا حکم ہے اور رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کیا مروی ہے؟''ہمیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ ہم ان سے کسی نئی شریعت کے بارے میں سوال کریں اور وہ ہمیں اپنے عقول وآراء سے جواب دیں!! اور آپ ﷺ نے یہ بات پہلے ہی بیان فرمادی ہے کہ:''جو حاضر ہے وہ غائب(غیر حاضر) کو پہنچادے''۔

آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فإن قال قائل: فكيف يصنع العامي إذا نزلت به النازلة؟ قال أبو محمد: فالجواب وبالله تعالى التوفيق: "إنا قد بينا تحريم الله تعالى للتقليد جملة، ولم يخص الله تعالى بذلك عاميا من عالم، ولا عالما من عامي، وخطاب الله تعالى متوجه إلى كل أحد، فالتقليد حرام على العبد المجلوب من بلده، والعامي، والعذراء المخدرة، والراعي في شعف الجبال، كما هو حرام على العالم المتبحر، ولا فرق. والاجتهاد في طلب حكم الله تعالى ورسوله ﷺ في كل ما خص المرء من دينه لازم لكل من ذكرنا، كلزومه للعالم المتبحر ولا فرق. فمن قلد من كل من ذكرنا فقد عصى الله عز وجل وأثم. ولكن يختلفون في كيفية الاجتهاد فلا يلزم المرء منه إلا مقدار ما يستطيع عليه لقوله تعالى: ﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة:۲۸۶] ولقوله تعالى:﴿فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ﴾[التغابن:۱۶] والتقوى كله هو العمل في الدين بما أوجبه الله تعالى فيه. ولم يكلفنا تعالى منه إلا ما نستطيع فقط، ويسقط عنا ما لا نستطيع. ==

....

== وهذا نص جلي على أنه لا يلزم أحدا من البحث على ما نزل به في الديانة إلا بقدر ما يستطيع فقط، فعلى كل أحد حظه من الاجتهاد ومقدار طاقته منه، فاجتهاد العامي إذا سأل العالم على أمور دينه فأفتاه أن يقول له: هكذا أمر الله ورسوله؟ فإن قال له: نعم، أخذ بقوله، ولم يلزمه أكثر من هذا البحث. وإن قال له: لا، أو قال له: هذا قولي، أو قال له: هذا قول مالك أو ابن القاسم أو أبي حنيفة أو أبي يوسف أو الشافعي أو أحمد أو داود أو سمى له أحدا من صاحب أو تابع فمن دونهما غير النبي ﷺ، أو انتهره، أو سكت عنه، فحرام على السائل أن يأخذ بفتياه. وفرض عليه أن يسأل غيره من العلماء، وأن يطلبه حيث كان. إذ إنما يسأل المسلم من سأل من العلماء عن نازلة تنزل به ليخبره بحكم الله تعالى وحكم محمد ﷺ في ذلك وما يجب في دين الإسلام في تلك المسألة، ولو علم أنه يفتيه بغير ذلك لتبرأ منه وهرب عنه'' [ملاحظہ فرمائیں: الاحکام فی أصول الاحکام، از امام ابن حزم، ۶/ ۱۵۱-۱۵۲]۔

اگر کوئی کہے کہ: اگر ایک عام جاہل آدمی کو کوئی مسئلہ درپیش ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کی توفیق سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کو بالجملہ حرام قرار دیا ہے، اور اس میں کسی عالم اور عامی جاہل کی کوئی تفریق وتخصیص نہیں کیا ہے، بلکہ اللہ کا خطاب سب کے لئے عام ہے۔ بنا بریں جیسے ایک متبحر عالم کے لئے تقلید حرام ہے ویسے ہی ایک زرخرید غلام، عامی (جاہل)، پردہ نشین خاتون، اور پہاڑ کی چوٹی پر (بکریوں کے) چرواہے کے لئے بھی حرام ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں! اور اپنے دینی امور میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم وفیصلہ کے حصول کے لئے اجتہاد اور کوشش کرنا جیسے ایک متبحر عالم پر لازم ہے ویسے ہی مذکورہ لوگوں پر بھی لازم اور ضروری ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں! لہٰذا مذکورہ لوگوں میں سے جو بھی کسی کی تقلید کرے گا اللہ کا نافرمان اور گنہ گار ہوگا۔ ہاں! البتہ یہ تمام لوگ اجتہاد کی کیفیت میں مختلف ہوں گے، کیوں کہ آدمی پر اتنا ہی واجب ولازم ہوتا ہے جتنا اس کے بس اور طاقت میں ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة:۲۸۶] (اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) نیز ارشاد ہے: ﴿فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن:۱۶] (اپنی استطاعت بھر اللہ سے ڈرتے رہو) اور ''تقویٰ''، مکمل طور پر اللہ کے واجب کردہ طریقہ کے مطابق اللہ کے دین پر عمل کرنے کا نام ہے، اور اللہ نے ہمیں بس اتنے ہی کا مکلف کیا ہے جس کی ہمیں طاقت ہے، اور جو ہماری استطاعت میں نہیں وہ ہم سے ساقط ہے۔ یہ اس باب میں نہایت واضح اور دوٹوک نص ہے کہ دین کی بابت اگر کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہو جائے تو اس پر اتنی تلاش وجستجو ==

دوسری تنبیہ: الہام [1]

الہام: دل میں واقع ہونے والے آراء وترجیحات کو کہا جاتا ہے۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ نے صراحت فرمائی ہے کہ شرعی احکام الہام کے ذریعہ ثابت نہیں ہوتے۔

البتہ حقیقی تقویٰ سے معمور دل والے کے اعتبار سے الہام ایک شرعی ترجیح ہے، اور بندہ اللہ کی اطاعت وتقویٰ شعاری میں جتنا ہی جفاکش ہوگا، اُس کی ترجیح اُتنی ہی پختہ اور مضبوط ہوگی۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ جس مسئلہ میں نص شرعی آئی ہو، مومن کے لئے اُس میں

== لازم ہے جتنی اس کے بس اور طاقت میں ہے، لہٰذا ہر ایک پر اپنی اپنی طاقت کے مطابق اجتہاد کرنا ضروری ہے۔ اور ایک عامی جاہل کا اجتہاد یہ ہے کہ جب کسی عالم سے اپنے دینی مسائل دریافت کرے اور وہ اسے فتویٰ دے تو اس سے پوچھے کہ ''کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم وفیصلہ یہی ہے؟'' اگر وہ کہے: ہاں! تو اس کی بات لے لے، اس پر اس سے زیادہ تحقیق وجستجو ضروری نہیں ہے۔ اور اگر کہے: نہیں، یا کہے کہ یہ میرا قول ہے، یا کہے کہ یہ امام مالک، یا ابن القاسم، یا ابوحنیفہ، یا ابویوسف، یا شافعی، یا احمد، یا داود کا قول ہے، یا نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی صحابی یا تابعی وغیرہ کا نام لے، یا اسے جھڑک دے، یا خاموش رہے! تو سائل کے لئے ایسے مفتی کا فتویٰ لینا حرام ہے۔ اور اس پر فرض ہے کہ اس کے علاوہ کسی عالم سے فتویٰ دریافت کرے اور جہاں بھی ممکن ہو اس کی تلاش کرے، کیونکہ ایک مسلمان جب کسی عالم سے اپنے کسی درپیش مسئلہ کی بابت سوال کرتا ہے تو اس لئے کرتا ہے تاکہ وہ اسے اس مسئلہ میں اللہ عزوجل کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ بتلائے اور اس سلسلہ میں دین میں کیا واجب ہے اس کی رہنمائی کرے۔ اب اگر اسے معلوم ہو کہ وہ اس کے علاوہ سے فتویٰ دے رہا ہے تو اس سے براءت کرلے اور وہاں سے نکل جائے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کی بات کا مقصود واضح ہے کہ عامی سوال کرنے کا مکلف ہے اور مفتی کو چاہئے کہ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں مسئلہ کا جواب دے، اپنی طرف سے یا بے دلیل و برہان کوئی بات نہ کہے۔ اور دلیل کے مطابق عمل کرنا اتباع ہے نہ کہ تقلید۔ اور یہ کہ ﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ﴾ [النحل: ۴۳] پر عامی جاہل آدمی کا عمل کرنا تقلید نہیں ہے، کیونکہ وہ کتاب وسنت کے مطابق جواب کے لئے سوال کررہا ہے، اور وہ علم ودلیل ہے، لہٰذا وہ اتباع ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم (مترجم)]

[1] دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۰/ ۴۲-۴۷، وجامع العلوم والحکم، ۲/ ۱۰۲-۱۰۴، وفتح الباری، ۱۲/ ۳۸۸۔

اطاعت وفرمانبرداری اور تسلیم کامل لازم وضروری ہے، لیکن جس مسئلہ میں نص نہ ہو، بلکہ اس میں معاملہ مشتبہ ہو اور رائے میں احتمال ہو، ایسی صورت میں مومن اس موقف کی طرف مائل ہوگا جو اس کے سینہ میں کھٹکے اور اس کے دل میں آئے۔

حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''فَثَبَتَ بِهَذَا أَنَّ الْإِلْهَامَ حَقٌّ، وَأَنَّهُ وَحْيٌ بَاطِنٌ، وَإِنَّمَا حُرِمَهُ الْعَاصِي لِاسْتِيلَاءِ وَحْيِ الشَّيْطَانِ عَلَيْهِ''۔ (1)

اس سے ثابت ہوا کہ الہام حق ہے، اور ایک پوشیدہ وحی (اشارہ) ہے، لیکن گنہ گار اپنے او پر شیطان کے غالب ہونے کے سبب اُس سے محروم ہوتا ہے۔

امام سمعانی (۵۶۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَنَحْنُ لَا نُنْكِرُ أَنَّ اللَّهَ يُكَرِّمُ عَبْدَهُ بِزِيَادَةِ نُورٍ مِنْهُ، يَزْدَادُ بِهِ نَظَرُهُ وَيَقْوَى بِهِ رَأْيُهُ، وَإِنَّمَا نُنْكِرُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى قَلْبِهِ بِقَوْلٍ لَا يَعْرِفُ أَصْلَهُ.

وَلَا نَزْعُمُ أَنَّهُ حُجَّةٌ شَرْعِيَّةٌ، وَإِنَّمَا هُوَ نُورٌ يَخْتَصُّ اللَّهُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، فَإِنْ وَافَقَ الشَّرْعَ كَانَ الشَّرْعُ هُوَ الْحُجَّةَ''۔ (2)

ہم اس بات کے منکر نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے کسی اضافی نور کے ذریعہ اپنے بندے کی عزت فرمادے جس سے اُس کی فکر ونظر میں اضافہ ہو جائے اور اس کی رائے میں پختگی آجائے، بلکہ درحقیقت ہم اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ وہ اپنے دل کی طرف کسی ایسی بات کی بنیاد پر رجوع کرے جس کی کوئی اصل معروف نہ ہو۔

---

(1) فتح الباری، از حافظ ابن حجر، ۱۲/ ۳۸۸۔

(2) فتح الباری، از حافظ ابن حجر، ۱۲/ ۳۸۹۔

اور ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ الہام کوئی شرعی حجت ہے، بلکہ وہ بس ایک نور ہے جس سے اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے، اب اگر وہ شریعت کے موافق ہو تو شریعت ہی حجت ہوگی۔

تیسری تنبیہ: خواب، یعنی آدمی جو کچھ اپنی نیند میں دیکھتا ہے [1]، اس کا حکم بھی الہام جیسا ہے؛ (امام ابن القیم (۷۵۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں):

”فَتُعْرَضُ عَلَى الْوَحْيِ الصَّرِيحِ، فَإِنْ وَافَقَتْهُ وَإِلَّا لَمْ يُعْمَلْ بِهَا“۔ [2]

لہٰذا اسے بھی وحی صریح پر پیش کیا جائے گا، اگر موافق ہو تو ٹھیک ورنہ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”النَّائِمُ لَوْ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يَأْمُرُهُ بِشَيْءٍ هَلْ يَجِبُ عَلَيْهِ امْتِثَالُهُ وَلَا بُدَّ، أَوْ لَا بُدَّ أَنْ يَعْرِضَهُ عَلَى الشَّرْعِ الظَّاهِرِ فَالثَّانِي هُوَ الْمُعْتَمَدُ“۔ [3]

سونے والا اگر خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھے کہ آپ اُسے کسی بات کا حکم دے رہے ہیں، تو کیا اُس کے لئے اُس کی تابعداری حتمی اور لازمی ہے؟ یا اُسے ظاہری شریعت پر پیش کرنا لازم ہے؟ دوسری بات ہی معتبر ہے (کہ اُسے ظاہری شریعت پیش کرنا لازم ہے)۔

* * *

---

(1) فتح الباری، از حافظ ابن حجر، ۱۲/ ۳۵۲۔

(2) مدارج السالکین، از ابن القیم، ۱/ ۶۲۔

(3) فتح الباری، از حافظ ابن حجر، ۱۲/ ۳۸۹۔

تیسرا قاعدہ

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی عبادت کو ترک کیا ہو (چھوڑ دیا ہو، نہ کیا ہو) باوجودیکہ اس کا موجب اور متقاضی سبب موجود وثابت رہا ہو، اور کوئی مانع نہ رہا ہو؛ تو وہ عبادت کرنا بدعت ہے۔ [1]

چند مثالیں:

۱۔ نماز میں داخل ہونے کے لئے نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا۔

۲۔ پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ کسی نماز کے لئے اذان دینا۔

۳۔ صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد نماز ادا کرنا۔ [2]

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۵۹۱-۵۹۷، ومجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۶/ ۱۷۲، والاعتصام، ۱/ ۳۶۱، والابداع فی مضار الابتداع، از شیخ علی محفوظ، ص: ۳۴-۴۵۔

[2] بعض لوگوں نے-عبادات کے علاوہ میں-اس کی مثال نکاح حلالہ کے ذریعہ پیش کی ہے، کہ یہ بدعت ہے اس لئے کہ عہد رسالت میں میاں بیوی کے لئے تخفیف اور آسانی فراہم کرنے کا متقاضی معنیٰ موجود تھا۔ نیز دیکھئے: الاعتصام، ۱/ ۳۶۴۔

قاعدہ کی وضاحت:

اس قاعدہ کی وضاحت سنتِ تَرکی (چھوڑنے کی سنت) کی معرفت سے وابستہ ہے۔

سنت ترکی سے مراد یہ ہے کہ: نبی کریم ﷺ کسی کام کی انجام دہی ترک کر دیں۔[1]

اوراس سنت کا علم حسب ذیل دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے ہوتا ہے[2]:

پہلا طریقہ: صحابی رسول اس بات کی صراحت کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں کام ترک کیا ہے، انجام نہیں دیا ہے، مثال کے طور پر صحابی نے کہا تھا:

''أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الْعِيدَ بِلَا أَذَانٍ، وَلَا إِقَامَةٍ''۔[3]

نبی کریم ﷺ نے عید کی نماز اذان اور اقامت کے بغیر ادا فرمائی۔

دوسرا طریقہ: صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس عمل کو نقل نہ کیا ہو، کہ اگر نبی کریم ﷺ نے وہ کام کیا ہوتا تو وہ سبھی یا ان میں سے زیادہ تر لوگ، یا کوئی ایک شخص ہی اس عمل کو نقل کرنے کے لئے ضرور سوچتا۔ لیکن جب اُس عمل کو ان میں سے کسی ایک نے بھی سرے سے نقل نہیں کیا، نہ کبھی کسی مجمع میں کسی نے بیان کیا، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کام انجام نہیں پایا، مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ نے نماز شروع کرتے وقت زبان سے نیت نہیں کی، اسی طرح نماز کے بعد نمازیوں کی جانب رخ کر کے دعا نہیں کی، بایں طور کہ لوگ آپ ﷺ کی دعا پر نماز فجر و عصر یا تمام نمازوں میں ہمیشہ آمین کہتے رہے ہوں۔

اور مومنوں پر واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کردہ و ناکردہ تمام امور میں آپ کی

---

1. شرح الکوکب المنیر، ۲/ ۱۶۵۔
2. دیکھئے: اعلام الموقعین، ۲/ ۳۸۹-۳۹۱۔
3. سنن ابو داود، ۱/ ۲۹۸، حدیث (۱۱۴۷)، اس کی اصل صحیحین میں ہے۔

یکساں اقتداء و پیروی کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی کام کو ترک کرنا (انجام نہ دینا) تین حالات سے خالی نہیں:

پہلی حالت: یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کام کو اس لئے نہ کیا ہو کہ اُس کا تقاضہ ہی موجود نہ رہا ہو، جیسے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مانعین زکاۃ سے جنگ نہ کرنا، تو یہ ترک سنت نہ ہوگا۔

دوسری حالت: یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کام کو اُس کا تقاضہ موجود ہونے کے باوجود نہ کیا ہو، اس لئے کہ کوئی سبب ہو جو اُس کام کی انجام دہی سے مانع رہا ہو، جیسے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں رمضان میں باجماعت قیام اللیل (تراویح) ترک کر دیا تھا، اس اندیشہ کی بنا پر کہ کہیں آپ کی امت پر قیام اللیل فرض نہ کر دیا جائے،[1] لہذا یہ ترک بھی سنت نہ ہوگا۔

تیسری حالت: یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کام کو اُس کا تقاضہ موجود ہونے اور مانع نہ ہونے کے باوجود نہ کیا ہو، تو ایسی صورت میں آپ کا وہ کام نہ کرنا سنت ہوگا، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز تراویح کے لئے اذان نہ دینا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترک (عمل نہ کرنا) بھی حجت ہوتا ہے، لہذا جس کام کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوڑا ہے، حسب ذیل دو شرطوں کی بنیاد پر اُسے چھوڑ دینا واجب ہے:

پہلی شرط: یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں اس فعل کا سبب موجود ہو جو اس کا متقاضی ہو، لہذا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی عمل ترک کیا ہو جبکہ اس کا تقاضہ موجود رہا ہو

---

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، ۱۳/ ۲۶۴، حدیث (۷۲۹۰)۔

-بشرطیکہ کوئی چیز اس سے مانع نہ ہو-تو اس سے ہمیں معلوم ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کام محض اس لئے نہیں کیا ہے، تاکہ اپنی امت کے لئے اس کا نہ کرنا مسنون قرار دیں۔

البتہ اگر اس عمل کا تقاضہ موجود نہ ہو، تو ایسی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس عمل کو ترک کرنا سنت شمار نہیں کیا جائے گا، بلکہ اگر اس کا تقاضہ پایا جائے اور اس پر شرعی دلائل موجود ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترک کردہ فعل کو انجام دینا مشروع ہوگا، آپ کی سنت کے خلاف نہ ہوگا، جیسے: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مانعین زکاۃ سے قتال کرنا[1]، بلکہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا حصہ ہوگا کیونکہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے تقاضہ کے مطابق ہے۔

اور عہد رسالت کے بعد پائے جانے والے اس تقاضہ کی شرط یہ ہے کہ وہ لوگوں کی کوتاہی کے سبب پیدا نہ ہوا ہو، جیسا کہ بعض امراء نے عیدین میں خطبہ کو نماز پر مقدم کیا تھا[2]، تاکہ لوگ خطبہ سننے سے پہلے نہ جا سکیں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تمام لوگ یا

---

[1] دیکھئے: صحیح بخاری، ۱۲/ ۲۷۵، حدیث (۶۹۲۴، ۶۹۲۵)۔

[2] یہ کام مروان بن حکم نے اس وقت کیا تھا، جب وہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے دور حکومت میں مدینہ کے امیر تھے۔ دیکھئے: صحیح بخاری، ۲/ ۴۴۸، حدیث (۹۵۶)۔ [واقعہ یوں ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: ''كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الفِطْرِ وَالأَضْحَى إِلَى المصَلَّى، فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلاَةُ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ، فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ، وَالنَّاسُ جُلُوسٌ عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ، وَيُوصِيهِمْ، وَيَأْمُرُهُمْ، فَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ، أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ''، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: ''فَلَمْ يَزَلِ النَّاسُ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى خَرَجْتُ مَعَ مَرْوَانَ - وَهُوَ أَمِيرُ المدِينَةِ - فِي أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ، فَلَمَّا أَتَيْنَا المصَلَّى إِذَا مِنْبَرٌ بَنَاهُ كَثِيرُ بْنُ الصَّلْتِ، **فَإِذَا مَرْوَانُ يُرِيدُ أَنْ يَرْتَقِيَهُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَجَبَذْتُ بِثَوْبِهِ، فَجَبَذَنِي، فَارْتَفَعَ، فَخَطَبَ قَبْلَ الصَّلاَةِ**''، فَقُلْتُ لَهُ: ''**غَيَّرْتُمْ وَاللَّهِ**''، فَقَالَ أَبَا سَعِيدٍ: ''**قَدْ ذَهَبَ مَا تَعْلَمُ**''، فَقُلْتُ: ''**مَا أَعْلَمُ وَاللَّهِ خَيْرٌ مِمَّا لاَ أَعْلَمُ**''، فَقَالَ: ''**إِنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُونُوا يَجْلِسُونَ لَنَا بَعْدَ الصَّلاَةِ، فَجَعَلْتُهَا قَبْلَ الصَّلاَةِ**''. ==

زیادہ تر لوگ خطبہ سننے سے پہلے نہیں جایا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فَيُقَالُ لَهُ: سَبَبُ هَذَا تَفْرِيطُكَ، فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَخْطُبُهُمْ خُطْبَةً يَقْصُدُ بِهَا نَفْعَهُمْ وَتَبْلِيْغَهُمْ وَهِدَايَتَهُمْ، وَأَنْتَ قَصْدُكَ إِقَامَةَ رِيَاسَتِكَ، ... فَهَذِهِ الْمَعْصِيَةُ مِنْكَ لَا تُبِيْحُ لَكَ إِحْدَاثَ مَعْصِيَةٍ أُخْرَى، بَلِ الطَّرِيْقُ فِي ذَلِكَ أَنْ تَتُوْبَ إِلَى اللهِ، وَتَتَّبِعَ سُنَّةَ نَبِيِّهِ ﷺ“۔ [1]

اُس سے کہا جائے گا کہ: اس کا سبب تمہاری کوتاہی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ جو خطبہ دیتے تھے اس کا مقصد اُنہیں نفع پہنچانا اور تبلیغ و رہنمائی کرنا تھا، اور تمہارا مقصد اپنی حکومت وسرداری قائم کرنا ہے، ...۔لہٰذا تمہارا یہ گناہ تمہیں ایک دوسرا گناہ ایجاد کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ اس کا راستہ یہ ہے کہ: تم اللہ سے توبہ کرو اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کرو۔

== ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر یا عید الاضحی میں عید گاہ تشریف لے جاتے، اور سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے درانحالیکہ لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے، آپ اُنہیں نصیحت فرماتے، ضروری باتوں کی تاکید فرماتے اور حکم دیتے، اور اگر کوئی فوج روانہ کرنی ہوتی تو روانہ کرتے، یا کسی اور بات کا حکم دینا ہوتا تو دیتے، پھر وہاں سے لوٹ آتے۔ابوسعید فرماتے ہیں: لوگوں کا یہی طریقہ جاری تھا، یہاں تک کہ میں امیر مدینہ مروان کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں عید گاہ آیا، جب وہاں پہنچے تو کثیر بن صلت نے ایک منبر تیار کر رکھا تھا، مروان نماز پڑھانے سے پہلے اُس منبر پر (خطبہ کے لئے) چڑھنا چاہتا تھا، تو میں نے اُس کا کپڑا پکڑ کر کھینچا، مگر اُس نے مجھے جھڑک دیا، اور منبر پر چڑھ کر نماز سے پہلے خطبہ دیا! تو میں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم تم لوگوں نے (سنت) بدل دی! اُس نے کہا: ابوسعید! جو تم جانتے ہو وہ ختم ہوا، میں نے کہا: اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا، اُس نے کہا: لوگ نماز کے بعد ہمارے خطبہ میں نہیں بیٹھتے، اس لئے میں نے خطبہ کو نماز سے پہلے کر دیا۔(مترجم)]

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۵۹۷۔

دوسری شرط: یہ ہے کہ موانع نہ پائے جائیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ بسا اوقات کوئی کام -اپنے دور میں اس کا تقاضہ پائے جانے کے باوجود- کسی سبب کی بنا پر انجام نہیں دیتے تھے، جو اس عمل سے مانع ہوتا تھا۔

جیسے آپ ﷺ نے رمضان میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ (چند راتوں کے بعد) باجماعت قیام اللیل ترک کر دیا، اور اس کا سبب آپ نے یہ اندیشہ بتلایا کہ کہیں اُن پر فرض نہ کر دی جائے، لیکن جب آپ ﷺ کی وفات کے سبب یہ مانع زائل ہوگیا تو آپ کا چھوڑا ہوا یہ عمل -شرعی دلائل کی دلالت کی بنیاد پر- مشروع ٹھہرا، آپ کی سنت کے خلاف نہیں رہا۔ جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کے لئے لوگوں کو ایک امام پر جمع فرمایا۔ [1] لہٰذا یہ عمل آپ ﷺ کی سنت کا حصہ ہے، کیونکہ یہ اس کے تقاضہ پر عمل کرنا ہے۔

ان دونوں شرطوں کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ کا ترک (کسی عمل کو چھوڑنا) حجت ہے جس کی اتباع واجب ہے۔

بعض لوگوں نے اس قاعدہ اور اس کے بعد آنے والے قاعدہ پر **کچھ سوالات اور اعتراضات** کھڑے کئے ہیں، اس کا تذکرہ مع جواب آئندہ (چوتھے) قاعدہ: (یعنی سلف صالحین کے کسی عمل کو ترک کرنے) کے تحت آئے گا؛ کیونکہ دونوں قاعدوں سے متعلقہ باتیں باہم جُڑی ہوئی ہیں۔

* * *

[1] دیکھئے: صحیح بخاری، ۴/ ۲۵۰، حدیث (۲۰۱۰)۔

چوتھا قاعدہ

جس عبادت کو سلف صالحین؛ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے نہ کیا ہو، یا اُسے نقل نہ کیا ہو، یا اُسے اپنی کتابوں میں نہ لکھا ہو، یا اپنی مجلسوں میں اس کا ذکر نہ چھیڑا ہو، وہ بدعت ہے، بشرطیکہ اس عبادت کی انجام دہی کا تقاضہ موجود رہا ہو اور کوئی چیز مانع نہ رہی ہو۔ [1]

چند مثالیں:

۱۔ صلاۃ الرغائب نامی بدعتی نماز۔

امام عزالدین بن عبدالسلام مقدسی (۶۷۸ھ) رحمہ اللہ نے اس نماز پر نکیر اور اس کے بدعت ہونے کی وضاحت کے لئے اسی قاعدہ پر اعتماد کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

''وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى ابْتِدَاعِ هَذِهِ الصَّلَاةِ أَنَّ الْعُلَمَاءَ الَّذِيْنَ هُمْ أَعْلَامُ الدِّيْنِ وَأَئِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الصحابَةِ وَالتابعينَ وَتابعي التابعينَ وَغَيْرِهِمْ مِمَّنْ دَوَّنَ الْكُتُبَ فِي

---

[1] دیکھئے: الترغیب عن صلاۃ الرغائب الموضوعۃ،ص:۹، والباعث علی إنکار البدع والحوادث،ص:۴۷۔

الشَّرِيْعَةِ مَعَ شِدَّةِ حِرْصِهِمْ عَلَى تَعْلِيْمِ النَّاسِ الْفَرَائِضَ وَالسُّنَنَ، لَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ أَنَّهُ ذَكَرَ هَذِهِ الصَّلَاةَ، وَلَا دَوَّنَهَا فِي كِتَابِهِ، وَلَا تَعَرَّضَ لَهَا فِي مَجَالِسِهِ.

وَالْعَادَةُ تُحِيْلُ أَنْ تَكُوْنَ مِثْلُ هَذِهِ سُنَّةً وَتَغِيْبَ عَنْ هَؤُلَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ أَعْلَامُ الدِّيْنِ وَقُدْوَةُ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَهُمُ الَّذِيْنَ إِلَيْهِمُ الرُّجُوْعُ فِي جَمِيْعِ الْأَحْكَامِ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالسُّنَنِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ''۔ [1]

اس نماز کے بدعت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ علماء جو دین کے ستون اور مسلمانوں کے ائمہ ہیں یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ان کے علاوہ جنہوں نے شریعت کی بابت کتابیں لکھی ہیں، لوگوں کو فرائض وسنن کی تعلیم دینے کی بابت اپنی شدید حرص وجستجو کے باوجود اُن میں کسی سے بھی منقول نہیں کہ اس نماز کا ذکر کیا ہو، یا اپنی کتاب میں لکھا ہو، یا اپنی مجلسوں میں اس کا تذکرہ کیا ہو۔

اور عادۃً یہ بات محال ہے کہ اس جیسی نماز سنت ہو، اور ان تمام لوگوں سے اوجھل رہ جائے جو دین کے ستون اور مومنوں کے آئیڈیل ہیں، نیز تمام فرائض، سنن اور حلال وحرام وغیرہ احکام میں انہی سے رجوع کیا جاتا ہے۔

۲۔ اسلام کے تاریخی واقعات وحوادث اور معرکوں، جنگوں وغیرہ پر جشن منانا، اور انہیں عید اور تہوار بنانا؛ کیونکہ عیدیں شریعت اسلامیہ کا حصہ ہیں، لہٰذا ان میں ''اتباع'' واجب ہے، بدعتیں ایجاد کرنے کی گنجائش نہیں۔ [2]

اس کی ایک مثال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یوم پیدائش پر جشن منانا ہے، کیونکہ سلف صالحین

---

[1] الترغیب عن صلاۃ الرغائب الموضوعۃ، ص: ۹، والباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص: ۴۷۔

[2] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۶۱۴۔

میں سے کسی بھی منقول نہیں کہ اس کا سرے سے ذکر کیا ہو، چہ جائیکہ اس پر عمل کیا ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’فَإِنَّ هَذَا لَمْ يَفْعَلْهُ السَّلَفُ، مَعَ قِيَامِ الْمُقْتَضِيْ لَهُ وَعَدَمِ الْمَانِعِ مِنْهُ لَوْ كَانَ خَيْرًا. وَلَوْ كَانَ هَذَا خَيْرًا محضًا، أَوْ رَاجِحًا لَكَانَ السَّلَفُ رضی اللہ عنہم أَحَقَّ بِهِ مِنَّا، فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَشَدَّ مَحَبَّةً لِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَتَعْظِيمًا لَهُ مِنَّا، وَهَمْ عَلَى الْخَيْرِ أَحْرَصُ.

وَإِنَّمَا كَمَالُ مَحَبَّتِهِ وَتَعْظِيْمِهِ فِي مُتَابَعَتِهِ وَطَاعَتِهِ وَاتِّبَاعِ أَمْرِهِ، وَإِحْيَاءِ سُنَّتِهِ بَاطِنًا وَظَاهِرًا، وَنَشْرِ مَا بُعِثَ بِهِ، وَالْجِهَادِ عَلَى ذَلِكَ بِالْقَلْبِ وَالْيَدِ وَاللِّسَانِ.

فَإِنَّ هَذِهِ طَرِيْقَةُ السَّابِقِيْنَ الْأَوَّلِيْنَ، مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ، وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ‘‘۔ [1]

یہ کام سلف صالحین میں سے کسی نے نہیں کیا ہے حالانکہ اس کے کرنے کا تقاضہ موجود تھا اور کوئی مانع نہ تھا، اگر یہ کام سراپا بھلائی کا ہوتا یا اس میں بھلائی کا پہلو غالب ہوتا تو سلف صالحین اِس کی انجام دہی کے ہم سے زیادہ حقدار تھے، کیونکہ وہ ہم سے کہیں زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے اور آپ کی تعظیم بجالانے والے تھے، نیز وہ نیکی و بھلائی کے حد درجہ حریص تھے۔

اور درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کمال محبت و تعظیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و پیروی میں، آپ کے حکم کی تابعداری میں، ظاہری و باطنی طور پر آپ کی سنت کو زندہ کرنے میں، آپ کے ذریعہ بھیجی گئی ہدایات کی نشر و اشاعت کرنے میں اور دل، ہاتھ اور زبان سے اس کے لئے جہاد کرنے میں ہے۔

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۶۱۵۔

سابقین اولین مہاجرین وانصاراوران کے مخلص پیروکاروں کا یہی طریقہ تھا۔

اور یوم پیدائش پر جشن ہی کی طرح ہجری سال کے آغاز پر جشن منانے کا حکم بھی ہے، جس میں ہجرت مصطفیٰ ﷺ اور اس کے متعلق دروس وعبر کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے، اور اُس کی آمد پر لوگ ایک دوسرے کو مبارکبادیاں پیش کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

’’وَلِلنَّبِيِّ ﷺ خُطَبٌ وَعُهُوْدٌ وَوَقَائِعُ فِي أَيَّامٍ مُتَعَدِّدَةٍ: مِثْل يَوْمِ بَدْرٍ، وَحُنَيْنٍ، وَالْخَنْدَقِ، وَفَتْحِ مَكَّةَ، وَوَقْتِ هِجْرَتِهِ، وَدُخولِهِ الْمَدِيْنَةَ، وَخُطَبٌ لَهُ مُتَعَدِّدَةٌ يَذْكُرُ فِيْهَا قَوَاعِدَ الدِّيْنِ. ثُمَّ لَمْ يُوْجِبْ ذَلِكَ أَنْ يُتَّخَذَ أَمْثَالُ تِلْكَ الْأَيَّامِ أَعْيَادًا. وَإِنَّمَا يَفْعَلُ مِثْلَ هَذَا النَّصَارَى الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ أَمْثَالَ أَيَّامِ حَوَادِثِ عِيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَعْيَادًا، أَوِ الْيَهُوْدُ. وَإِنَّمَا الْعِيْدُ شَرِيْعَةٌ، فَمَا شَرَعَهُ اللهُ اتُّبِعَ، وَإِلَّا لَمْ يُحْدَثْ فِي الدِّيْنِ مَا لَيْسَ مِنْهُ‘‘۔ [1]

متعدد جنگوں اور دیگر مناسبتوں پر نبی کریم ﷺ کے خطبات، عہد وپیمان اور واقعات وحادثات ہیں: جیسے جنگ بدر، حنین، خندق، فتح مکہ، اسی طرح آپ کی ہجرت اور دخول مدینہ کے وقت، نیز آپ ﷺ کے کئی خطبات ہیں جن میں آپ نے دین کی اصولی و بنیادی باتیں بیان فرمائی ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ چیزیں ان جیسے ایام اور مناسبتوں کو عید وتہوار بنائے جانے کی موجب نہیں ہیں، بلکہ درحقیقت ان جیسے کام نصاریٰ (عیسائی) کرتے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے حوادث و واقعات کے دنوں کو عید اور تہوار بنالیتے ہیں، یا پھر یہودی لوگ ایسا کرتے ہیں۔

---

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۶۱۴-۶۱۵۔

حالانکہ عید شریعت ہے، لہٰذا جو چیزیں اللہ نے مشروع فرمائی ہیں اُس کی اتباع کی جائے گی، ورنہ دین میں نئی چیزیں ایجاد نہیں کی جائیں گی جو اُس کا حصہ نہیں ہیں۔

قاعدہ کی وضاحت:

اس قاعدہ "یعنی سلف کے کسی عمل کو چھوڑ دینے" کی بنیاد حسب ذیل چند آثار ہیں:

● حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كُلُّ عِبَادَة لم يَتَعَبَّدْ بها أَصْحابُ رَسُولِ اللهِ – ﷺ – فلاَ تَتعبَّدوا بها؛ فإِن الأَوَّلَ لَمْ يَدَع لِلآخِرِ مَقَالًا؛ فاتَّقوا اللهَ يَا مَعْشَرَ القُرَّاءِ، خُذُوا طَرِيقَ مَنْ كَانَ قَبلَكُم"۔ [1]

ہر عبادت جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عبادت نہ کی ہو، اس کے ذریعہ تم بھی عبادت نہ کرو؛ کیونکہ پہلے والے نے بعد والے کے لئے کوئی بات نہیں چھوڑی ہے، لہٰذا اے علماء کرام کی جماعت! اللہ سے ڈرو، اپنے سے پہلے والوں کی راہ اپناؤ۔

● اور مالک بن انس (۱۷۹ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] دیکھئے: الأمر بالاتباع ص: ۶۲۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے قریب قریب الفاظ میں روایت کیا ہے، ۱۳/ ۲۰۵، حدیث (۷۲۸۲)۔ [الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

"يَا مَعْشَرَ القُرَّاءِ اسْتَقِيمُوا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيدًا، فَإِنْ أَخَذْتُمْ يَمِينًا وَشِمَالًا، لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلاَلًا بَعِيدًا" (کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ)

اے علماء کی جماعت! استقامت کی راہ اپناؤ (یعنی حکم الٰہی وفرمان رسول ﷺ پر مضبوطی سے قائم رہو) کیونکہ اگر تم استقامت کی راہ پر قائم رہو گے تو ہر خیر و بھلائی میں دوسروں سے بہت زیادہ آگے رہو گے، اور اگر راہِ استقامت سے دائیں بائیں مڑو گے تو یقیناً بہت دور گمراہی میں کھو جاؤ گے۔ (مترجم)]

’’لَنْ يُصْلِحَ آخِرَ هَذِهِ الأُمَّةِ إِلاَّ مَا أَصلَحَ أَوَّلَها‘‘۔ [1]

اس امت کے آخر کی اصلاح وسدھار وہی چیز کر سکتی ہے جس نے اس کے اول کی اصلاح وسدھار کی تھی۔

- اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’مَا لَمْ يَعْرِفْهُ الْبَدْرِيُّونَ فَلَيْسَ مِنَ الدِّينِ‘‘۔ [2]

جس چیز کو بدری صحابہ کرام نہ جانیں وہ دین کا حصہ نہیں۔

- علامہ طرطوشی (۵۲۰ھ) رحمہ اللہ کسی بدعت کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’’وَلَوْ كَانَ هَذَا؛ لَشَاعَ وَانْتَشَرَ، وَكَانَ يَضْبِطُهُ طَلَبَةُ الْعِلْمِ، وَالْخَلَفُ عَنِ السَّلَفِ، فَيَصِلُ ذَلِكَ إِلَى عَصْرِنَا، فَلَمَّا لَمْ يَنْقُلْ هَذَا أَحَدٌ مِمَّنْ يُعْتَقَدُ عِلْمُهُ، وَلَا مِمَّنْ هُوَ فِي عِدَادِ الْعُلَمَاءِ؛ عُلِمَ أَنَّ هَذِهِ حِكَايَةُ الْعَوَامِّ وَالْغَوْغَاءِ‘‘۔ [3]

اگر یہ چیز ہوتی تو ضرور پھیلتی اور عام ہوتی، طالبان علم اور بعد والے پہلے والوں سے لیتے اور اُسے محفوظ کرتے، اور اس طرح وہ چیز ہمارے دور تک بھی پہنچتی، لیکن جب یہ چیز کسی ایسے شخص سے منقول نہیں جو معتبر علم والا ہو، یا جسے علم والوں میں شمار کیا جاتا ہو، تو معلوم ہوا کہ یہ عوام الناس اور گئے گزرے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

اس قاعدہ پر عمل کرنے میں نبی کریم ﷺ کے ترک سے متعلق سابقہ قاعدہ میں ذکر کردہ

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ص: ۲/ ۷۱۸۔

[2] اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، ۱/ ۷۷۱، حدیث (۱۴۲۵)۔ نیز دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۴/ ۵۔

[3] الحوادث والبدع، ص: ۴۷۔

تمام شرائط وضوابط کا مکمل طور پر اعتبار کیا جائے گا۔

کیونکہ یہ دونوں قاعدے ایک ہی قاعدہ کی طرف لوٹتے ہیں، وہ یہ ہے کہ:

کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے کے حکم سے سکوت اختیار کرنا- جبکہ اس کا متقاضی معنیٰ پایا جائے اور اس سے کوئی مانع نہ ہو- ہر سکوت اختیار کرنے والے کی طرف سے اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ جو کچھ ہوا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے؛ کیونکہ اگر وہ (اضافہ) شرعاً مناسب یا روا ہوتا تو انہوں نے اسے ضرور کیا ہوتا، کیونکہ وہ اس کا فہم و ادراک کرنے اور اس پر بڑھ چڑھ کر عمل کرنے کے زیادہ حقدار تھے۔ [1]

سابقہ دونوں قواعد پر کیئے گئے چند سوالات (مع جوابات)

بسا اوقات بعض لوگ ان دونوں قاعدوں یا دونوں میں سے ایک کے خلاف کچھ سوالات اور اعتراضات پیش کرتے ہیں، ان میں سے چند سوالات (مع جوابات) حسب ذیل ہیں:

پہلا سوال:

آپ لوگوں کو کہاں سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ عبادت انجام نہیں دیا ہے؛ جبکہ نقل نہ کیئے جانے سے لازم نہیں آتا کہ وہ کام سرے سے ہوا ہی نہ ہو؟

جواب:

یہ سوال نبی کریم ﷺ کے طور طریقہ، اور آپ کی سنت و سیرت کی معرفت سے بہت بعید ہے، بہر کیف حسب ذیل دو اصولوں کے ثبوت سے اس کے جواب کی راہ کھلتی ہے:

---

[1] الاعتصام،۱/ ۳۶۳۔

پہلا اصول: یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دین کو اپنی امت کے سامنے کھول کھول کر بیان کیا ہے، فریضۂ تبلیغ کو بخوبی انجام دیا ہے؛ چنانچہ آپ نے اس دین کا کوئی بھی چھوٹا یا بڑا مسئلہ نہیں چھوڑا ہے جسے اپنی امت کو پہنچا نہ دیا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ ﴾ [المائدة:٦٧]۔

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔

نبی کریم ﷺ نے اس حکم کی تعمیل فرمائی اور اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

آپ ﷺ کی امت نے بھی آپ کے لئے تبلیغ رسالت اور اداء امانت کی گواہی دی، اور آپ ﷺ نے اس بارے میں انہیں نہایت عظیم موقع پر گواہ بنایا؛ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کے خطبہ میں آیا ہے:

''قَالَ: **أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟**'' قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: ''**اللَّهُمَّ اشْهَدْ**''۔[1]

کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے اللہ کا دین پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ رہنا۔

دوسرا اصول: یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دین کے ضائع و برباد ہونے سے حفاظت کی ذمہ داری لی ہے؛ لہٰذا اس کے لئے ایسے اسباب وعوامل مہیا فرمایا ہے جس نے اُسے ہم تک پہنچانے اور آج تک اور ان شاء اللہ تا قیامت باقی رہنا آسان کر دیا ہے۔

---

[1] اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، ۳/ ۵۷۳، حدیث (۱۷۴۱)۔

ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ۝٩﴾[الحجر:۹]۔
یقیناً ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اور واقعی صورتحال سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے؛ کہ اللہ عزوجل نے یقیناً اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کی حفاظت فرمائی ہے، اور مسلمانوں کے علماء کرام کو مصطلح الحدیث اور اصول فقہ کے قواعد نیز عربی زبان کے قواعد کی توفیق بخشی ہے۔

ان دونوں اصولوں کے اثبات سے واضح ہوا کہ مذکورہ سوال کے سبب درج ذیل امور لازم آتے ہیں:

- یا تو رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ دین کی ذمہ داری نہیں نبھائی؛ بایں طور کہ آپ ﷺ نے دین کا کچھ حصہ اپنی امت کے لوگوں کو نہیں سکھایا!!
- یا یہ کہ دین کا کچھ حصہ ضائع ہوگیا ہے، اس طور پر کہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ عبادت انجام دی، اور امت کو پہنچایا بھی، لیکن (نعوذ باللہ) صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے چھپایا، امت کو نہیں پہنچایا!!
- ''اگر بالفرض یہ سوال صحیح ہو اور مان بھی لیا جائے تو کوئی شخص ہمارے پاس آئے گا نماز تراویح کے لئے اذان مستحب سمجھے گا اور کہے گا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ منقول نہیں ہے؟ اور دوسرا آئے گا ہر نماز کے لئے غسل مستحب سمجھے گا اور کہے گا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ منقول نہیں ہے؟...... اور پھر اس طرح بدعت کا دروازہ کھل جائے گا، اور ہر بدعت کی طرف بلانے والا یہی کہے گا: کہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ منقول نہیں ہے؟''۔[1]

---

[1] اعلام الموقعین، ۲/ ۳۹۰، ۳۹۱۔

دوسرا سوال:

اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ رسول للہ ﷺ نے یہ عبادت نہیں کی ہے، تو اس کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں اس کا تقاضہ موجود نہ تھا، کیونکہ آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں، اور آپ ﷺ کا کوئی عمل ترک کرنا - جیسا ثابت ہو چکا ہے- اسی شرط پر حجت ہوتا ہے کہ اس کا تقاضہ موجود ہو، لہٰذا نبی کریم ﷺ کا معاملہ آپ کی امت (بالخصوص متاخرین) سے مختلف ہے، کیونکہ اُن کے حق میں تقاضہ بدستور موجود اور ثابت ہے، کیونکہ ان کے یہاں بڑی کوتاہیاں اور گناہوں کی کثرت ہے۔

جواب:

رسول اللہ ﷺ نے اس دعوی کے بطلان کو اُن تین لوگوں کے واقعہ میں واضح فرمادیا ہے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے بارے میں سوال کیا تھا، چنانچہ جب انہیں اس بارے میں بتلایا گیا تو گویا انہوں نے اُسے بہت کم محسوس کیا، اور کہنے لگے: بھلا نبی کریم ﷺ سے ہماری کیا نسبت ہے! آپ کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ"۔[1]

سن لو! اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا، اور اس کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ: رسول کریم ﷺ اللہ کے تقویٰ اور مختلف عبادات اور نیک کاموں کے ذریعہ اللہ سے تقرب کے حصول میں اوج کمال پر فائز تھے۔

---

[1] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے، ۹/ ۱۰۴، حدیث (۵۰۶۳)۔

اور اس کے ذریعہ اس باب میں ایک اہم اصول بھی ثابت ہوتا ہے:

وہ یہ کہ عبادات کے باب میں جب بھی کسی عمل کی انجام دہی کا تقاضہ امت کے حق میں ثابت ہوگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بدرجۂ اولیٰ واتم ثابت گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الاطلاق پوری امت میں اللہ سے سب زیادہ ڈرنے والے تھے۔

اور اسی جیسی بات امت کے سلف صالحین کے حق میں بھی کہی جائے گی؛ کیونکہ احداث کا متقاضی معنیٰ-یعنی خیر وبھلائی اور زیادہ نیکی حاصل کرنے کا جذبہ-سلف صالحین کے یہاں بھر پور موجود تھا، کیونکہ وہ بعد میں آنے والوں کی بہ نسبت نیکیوں کی سبقت اور بھلائی کی جستجو کے زیادہ حقدار تھے۔

برخلاف عبادات کے علاوہ اعمال کے؛ کیونکہ ان کی انجام دہی کا تقاضہ کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اور سلف صالحین کے حق میں پایا جاتا ہے اور کبھی نہیں پایا جاتا ہے۔ [1]

تیسرا سوال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسا اوقات تقاضہ ہونے کے باوجود بعض عبادتیں انجام نہیں دی ہیں، بلکہ اپنی امت پر مہربانی اور شفقت کرتے ہوئے ترک کردیا ہے؛ جیسے آپ نے اپنی امت پر فرض ہوجانے کے خوف سے باجماعت تراویح ترک کردیا ہے، چنانچہ یہ وہ مانع ہے جس کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض عبادات کی انجام دہی ترک کردی ہے، اور مانع پائے جانے کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترک- جیسا کہ ثابت ہوچکا ہے- حجت نہیں ہوگا۔

جواب:

یہ چیز علی الاطلاق دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنے کا دروازہ کھولتی ہے، بایں طور کہ جو بھی

[1] الاعتصام، ۱/ ۳۶۸۔

نمازوں کی تعداد، یا رکعات کی تعداد، یا ماہ رمضان کے روزوں یا حج میں اضافہ کرے گا، آسانی سے کہہ دے گا کہ: یہ اضافہ مشروع ہے، یہ نیک عمل ہے، نبی کریم ﷺ نے محض اپنی امت پر شفقت ومہربانی کرتے ہوئے ترک کردیا ہے۔

(لہٰذا یہ کہنا درست نہیں) بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جن عبادات کو ترک کیا ہے اُن پر غور کیا جائے کہ: کیا اسی طرح آپ ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے تابعین نے بھی چھوڑا ہے؟

چنانچہ اگر اس عبادت کو نبی کریم ﷺ نے چھوڑا پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا ترک کسی مانع کی وجہ سے تھا (جو بعد میں زائل ہوگیا)؛ جیسے آپ ﷺ نے تراویح باجماعت ترک کردیا تھا۔

البتہ اگر نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد امت کے سلف صالحین بھی کسی عبادت کے ترک پر متفق ہوں تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ عبادت بدعت ہے۔

ذیل میں اس سلسلہ میں اہل علم کے اقوال کے بعض شواہد ملاحظہ فرمائیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بدعات کی پہچان میں یہ دونوں قاعدے لازم ملزوم ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ کسی بدعت پر نکیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وَمَعْلُومٌ أَنَّهُ لَوْ كَانَ هَذَا مَشْرُوعًا مُسْتَحَبًّا يُثِيبُ اللهُ عَلَيْهِ؛ لَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَعْلَمَ النَّاسِ بِذَلِكَ وَلَكَانَ يُعَلِّمُ أَصْحَابَهُ ذَلِكَ، وَكَانَ أَصْحَابُهُ أَعْلَمَ بِذَلِكَ وَأَرْغَبَ فِيهِ مِمَّنْ بَعْدَهُمْ، فَلَمَّا لَمْ يَكُونُوا يَلْتَفِتُونَ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ؛ عُلِمَ أَنَّهُ مِنَ الْبِدَعِ الْمُحْدَثَةِ، الَّتِي لَمْ يَكُونُوا يَعُدُّونَهَا عِبَادَةً وَقُرْبَةً وَطَاعَةً، فَمَنْ جَعَلَهَا عِبَادَةً

وَقُرْبَةً وَطَاعَةً فَقَدْ اتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيْلِهِمْ، وَشَرَعَ مِنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللهُ''۔ [1]

یہ بات معلوم ہے کہ اگر یہ کام شرعاً مستحب ہوتا جس پر اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے تو اللہ کے نبی ﷺ کو اس کا سب سے زیادہ علم ہوتا، اور آپ اپنے صحابہ کو اس کی تعلیم دیتے، اور بعد والوں کی بہ نسبت آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا سب سے زیادہ علم ہوتا اور وہ اس کے مشتاق ہوتے، لیکن جب وہ اس طرح کی کسی بھی چیز کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے تھے، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ کام نو ایجاد بدعات میں سے ہے، جسے وہ عبادت، نیکی اور اطاعت شمار نہیں کرتے تھے، لہٰذا جس نے ان چیزوں کو عبادت، نیکی اور اطاعت قرار دیا اُس نے ان کا راستہ چھوڑ کر دیگر راستے کی پیروی کی اور دین میں ایسی چیز مشروع کر لی جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

''فَأَمَّا مَا تَرَكَهُ [أَيِ النَّبِيُّ ﷺ]مِنْ جِنْسِ الْعِبَادَاتِ مَعَ أَنَّهُ لَوْ كَانَ مَشْرُوعًا لَفَعَلَهُ أَوْ أَذِنَ فِيهِ، وَلَفَعَلَهُ الْخُلَفَاءُ بَعْدَهُ وَالصَّحَابَةُ؛ فَيَجِبُ الْقَطْعُ بِأَنَّ فِعْلَهُ بِدْعَةٌ وَضَلَالَةٌ، وَيَمْتَنِعُ الْقِيَاسُ فِي مَثَلِهِ''۔ [2]

لیکن عبادات کی جنس سے جس کام کو نبی کریم ﷺ نے ترک کر دیا ہے، جبکہ اگر وہ مشروع ہوتا تو آپ ضرور کرتے یا اس کی اجازت دیتے، اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم کرتے؛ لہٰذا قطعی طور پر یہ بات واجب ہے کہ وہ کام کرنا بدعت وگمراہی ہے اور اس جیسے مسئلہ میں قیاس کرنا منع ہے۔

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۷۹۸۔

[2] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۶/ ۱۷۲۔

اور علامہ تقی الدین سبکی (۷۵۶ھ) رحمہ اللہ سے کسی بدعت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

’’الْحَمْدُ لِلَّهِ، هَذِهِ بِدْعَةٌ لَا يَشُكُّ فِيهَا أَحَدٌ وَلَا يُرْتَابُ فِي ذَلِكَ، وَيَكْفِي أَنَّهَا لَمْ تُعْرَفْ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ – ﷺ – وَلَا فِي زَمَنِ أَصْحَابِهِ، وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنْ عُلَمَاءِ السَّلَفِ‘‘۔ [1]

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، یہ بدعت ہے، اس میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہوسکتا، اس کے بدعت ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے دور میں معروف تھا، نہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں، نہ ہی علماء سلف میں سے کسی سے منقول ہے۔

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’لِأَنَّ تَرْكَ الْعَمَلِ بِهِ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فِي جَمِيعِ عُمُرِهِ، وَتَرْكَ السَّلَفِ الصَّالِحِ لَهُ عَلَى تَوَالِي أَزْمِنَتِهِمْ؛ قَدْ تَقَدَّمَ أَنَّهُ نَصٌّ فِي التَّرْكِ، وَإِجْمَاعٌ مِنْ كُلِّ مَنْ تَرَكَ؛ لِأَنَّ عَمَلَ الْإِجْمَاعِ كَنَصِّهِ‘‘۔ [2]

کیونکہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے پوری عمر اس پر عمل نہ کرنا، اسی طرح سلف صالحین کا مسلسل زمانوں میں اس پر عمل نہ کرنا، بات گزر چکی ہے کہ یہ اس کے ترک کرنے پر نص (دوٹوک دلیل) ہے اور ترک کرنے والے تمام لوگوں کی جانب سے اجماع ہے؛ کیونکہ اجماع کا عمل بھی اجماع کے نص ہی کی طرح ہے۔

---

[1] فتاوی امام سبکی، ۲/ ۵۴۹۔

[2] الاعتصام، ۱/ ۳۶۵۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت اور طے ہو جاتی ہے کہ ہر عبادت جس کے چھوڑنے پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد امت کے سلف صالحین متفق ہوں وہ بلاشبہہ بدعت ضلالت ہے، اس کا دین سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے؛ خواہ اس کی ممانعت کے بارے میں کوئی خاص دلیل نہ آئی ہو، خواہ اس پر شریعت کے عمومی دلائل دلالت کرتے ہوں، خواہ اس پر قیاس دلالت کرتا ہو، اور خواہ ہمیں اس میں مصلحتیں نظر آرہی ہوں اور اس پر فوائد بھی مرتب ہو رہے ہوں۔

اس لئے کہ اگر کسی عبادت کی انجام دہی سے کوئی مانع (روکنے والی چیز) نبی کریم ﷺ کے حق میں موجود رہا ہو، تو یہ ناممکن ہے کہ وہ مانع نبی کریم ﷺ کے بعد امت کے سلف کے حق میں بھی موجود ہو؛ کیونکہ انہیں عبادات کی انجام دہی سے کوئی چیز مانع ہو سکتی ہے، نہ دین کی وضاحت و بیان سے کوئی چیز مشغول کر سکتی ہے۔

نیز یہی جواب آئندہ سوال (نمبر۴) کا بھی دیا جائے گا۔

چوتھا سوال:

صحابہ رضی اللہ عنہم نے بسا اوقات بعض عبادتیں نہیں انجام دیں بلکہ اُن کی انجام دہی کا تقاضہ ہونے کے باوجود اس لئے ترک کر دیا کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ اور علمی، سیاسی، اقتصادی اور عسکری ناحیہ سے اسلامی حکومت کی تیاری وغیرہ جیسے اہم کاموں میں مشغول تھے، لہٰذا اس مانع کے سبب صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض عبادتوں کی انجام دہی ترک کیا تھا، ورنہ مانع کے ہوتے ہوئے ترک عمل حجت نہیں - جیسا کہ معلوم ہے--

پانچواں سوال:

آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے یہ عبادت نہیں کی ہے؛

ہوسکتا ہے وہ اس عبادت کو انفرادی طور پر کرتے رہے ہوں یا کسی خاص اجتماعی کیفیت میں کرتے رہے ہوں جو ظاہر نہ ہوتا رہا ہو۔

جیسے: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے آثار ونشانات تلاش کیا کرتے تھے، جبکہ یہ چیز بقیہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں ہے؟

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی جانب سے منقول نہ ہونا ترکِ عمل کی مشروعیت کی نمایاں دلیل ہے، پھر یہ سوال- جیسا کہ پہلے سوال میں گزر چکا ہے- دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنے کا دروازہ کھولتا ہے؛ **کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہوجائے تو کوئی بھی شخص تراویح کے لئے اذان دینا مستحب سمجھے گا، کوئی شخص اذان کے بعد یرحمکم اللہ (اللہ تم پر رحم فرمائے) کہنا مستحب سمجھے گا**، اور اس طرح دین میں ہر نئی بات ایجاد کرنے والے کے لئے یہ کہنا ممکن ہوجائے گا کہ: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کام نہیں کیا ہے!۔

لیکن اگر سلف میں سے کسی شخص -مثلاً عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما- سے کوئی ایسا عمل منقول ہو جس کے چھوڑنے پر اکثریت کا اتفاق ہو تو اکثر لوگوں کے موقف کے پیروی کرنا ہی اولیٰ اور بہتر ہے، کیونکہ ایسا کرنا زیادہ قرین احتیاط ہے، جبکہ ایک شخص کے موقف میں کئی باتوں کا احتمال ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ"۔ [1]

---

[1] سنن ابوداود، ۴/ ۲۰۰، ۲۰۱، حدیث (۴۶۰۷)، وسنن ترمذی، ۵/ ۴۴، حدیث (۲۶۷۶)، اور فرمایا ہے کہ: ==

لہٰذا تم میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر کار بند رہنا، اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا، اور دانتوں سے خوب اچھی طرح پکڑ لینا۔

اور صحابی کا قول اگر اسی جیسے صحابی کے خلاف ہو تو حجت نہیں ہوتا، تو بھلا تمام صحابہ سے الگ تھلگ موقف رکھنے والے کی بابت کیا کہا جائے گا۔[1]

اس موقع پر حسب ذیل باتوں کی وضاحت بہتر ہوگی:

شرعی دلائل پر سلف صالحین کے عمل کرنے یا عمل ترک کرنے کی بابت اُن کا منہج وطریقۂ کار۔[2]

اس لئے کہ کوئی بھی شرعی دلیل تین قسموں سے خالی نہیں ہوگی:

۱۔ وہ دلیل متقدمین سلف کے یہاں ہمیشہ یا زیادہ تر معمول بہ رہی ہوگی۔

۲۔ وہ دلیل متقدمین سلف کے یہاں کم یا کبھی کبھار معمول بہ رہی ہوگی۔

۳۔ متقدمین سلف کے یہاں اس بارے میں کوئی عمل ثابت نہ ہوگا۔

ان تینوں قسموں کی وضاحت:

رہا معاملہ پہلی قسم کا: یعنی وہ دلیل متقدمین سلف کے یہاں ہمیشہ یا زیادہ تر معمول بہ رہی ہو، تو اس سے استدلال کرنے یا اس کے مطابق عمل کرنے میں کوئی مشکل نہیں، بلکہ وہی

== یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ظلال الجنۃ فی تخریج السنۃ، از ابن ابی عاصم، میں صحیح قرار دیا ہے، حدیث (۲۷، ۵۴)۔

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۷۴۵، ۷۴۸۔

[2] دیکھئے: الموافقات، ۳/ ۵۶-۷۱۔

قابل اتباع سنت اور راہ مستقیم ہے، جیسے پاکی اور فرض ونفل ہر دو قسم کی نمازوں کی بابت نبی کریم ﷺ کے قول وفرمان کے ساتھ ساتھ آپ کا فعل وکردار۔

رہا مسئلہ دوسری قسم کا: یعنی جس دلیل پر کم عمل ہوا ہو، تو اس صورت میں کم کے مقابل دوسرا پہلو (جس پر زیادہ تر عمل ہوا ہو) ہی قابل اتباع سنت ہے، اور جس پر کم یا نادر عمل ہوا ہو اُس کے اور اس کے مطابق عمل کے بارے میں تحقیق وتیقن کرنا ضروری ہے، نیز عام اور زیادہ تر پر پابندی سے قائم رہنا واجب ہے؛ کیونکہ امت کے اولین کا ہمیشہ ہمیش اس کم اور شاذ ونادر کے خلاف عمل کرنا لازمی طور پر کسی شرعی معنیٰ ومقصود کی بنا پر ہوگا، جس پر وہ عمل کے جُو یا اور متلاشی تھے۔

اس قسم کی بہت ساری مثالیں ہیں اور کئی طرح کی ہیں:

اول: یہ کہ اس میں کم عمل کی کوئی وجہ سمجھ میں آئے جو قلت کا سبب ہو سکتی ہو، جیسا کہ جبریل علیہ السلام کے نبی کریم ﷺ کی دو دن امامت کرانے والی حدیث میں ہے؛ کہ رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی اور نماز کے وقت کے بارے میں پوچھنے والے سے کہا:

''**صَلِّ مَعَنَا هَذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ**''۔[1]

---

[1] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے، ۵ / ۱۱۴۔

[پوری حدیث اس طرح ہے:

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ، فَقَالَ لَهُ: ''**صَلِّ مَعَنَا هَذَيْنِ** - يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ -'' فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ، ثُمَّ أَمَرَهُ، فَأَقَامَ الظُّهْرَ، ثُمَّ أَمَرَهُ، فَأَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ، فَلَمَّا أَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِي أَمَرَهُ فَأَبْرَدَ بِالظُّهْرِ، فَأَبْرَدَ بِهَا، فَأَنْعَمَ أَنْ يُبْرِدَ بِهَا، وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ أَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِي كَانَ، وَصَلَّى الْمَغْرِبَ==

یہ دو دن ہمارے ساتھ نماز پڑھو۔

تو اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا دوسرے دن آخری اوقات میں نماز پڑھنا اس آخری اختیاری وقت کے بیان و وضاحت کے طور پر تھا، جس وقت سے تجاوز نہیں کیا جاسکتا، لیکن اُس کے بعد آپ ﷺ ہمیشہ نمازوں کے اول وقت کی پابندی کرتے رہے، سوائے کسی عارضہ کے سبب، جیسے سخت گرمی میں نماز ظہر کو قدرے تاخیر سے ادا کرنا۔

دوم: یہ کہ خود اس عمل ہی میں احتمال ہو، اور ایسی صورت میں براءت ذمہ اور احتیاط کے زیادہ لائق بات یہ ہے کہ: اس عمل کو چھوڑ دیا جائے، اور زیادہ تر، عام اور بکثرت کے

== قَبْلَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ، وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَمَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، وَصَلَّى الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ بِهَا''، ثُمَّ قَالَ: ''أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ؟'' فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا، يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: ''وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ''. (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب أوقات الصلوات الخمس، ۱/ ۴۲۸، حدیث (۶۱۳)۔

سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے نماز کے وقت کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے ساتھ ان دو وقتوں میں نماز پڑھو'' چنانچہ (پہلے دن) جیسے ہی سورج ڈھلا آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا، انہوں نے اذان دی، پھر آپ نے انہیں نماز ظہر کی اقامت کا حکم دیا، تو انہوں نے اقامت کہی، پھر آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے نماز عصر کی اقامت کہی، جبکہ سورج ابھی بلند، خوب روشن اور ستھرا تھا، پھر آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے سورج ڈوبتے ہی نماز مغرب کی اقامت کہی، پھر آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے شفق (غروب آفتاب کے بعد آسمان کے کناروں پر نظر آنے والی سرخی) غائب ہوتے ہی نماز عشاء کی اقامت کہی، پھر آپ نے انہیں حکم دیا تو انہوں صبح صادق ہوتے ہی نماز فجر قائم کی۔ اور جب دوسرا دن آیا تو آپ ﷺ نے انہیں نماز ظہر کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا، چنانچہ نماز ظہر میں قدرے تاخیر کی، اور نماز عصر پڑھی درانحالیکہ سورج بلند تھا مگر پہلے والے دن سے زیادہ ڈھلا ہوا تھا، اور نماز مغرب شفق غائب ہونے کے بعد پڑھی، اور نماز عشاء ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھی، اور نماز فجر صبح کی سفیدی ظاہر ہونے پر پڑھی، پھر پوچھا: نماز کے وقت کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس شخص نے جواب دیا: اللہ کے رسول میں ہوں! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری نماز کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا ہے''۔ (مترجم)]

مطابق عمل کیا جائے۔

جیسے کسی شخص کا کسی کے احترام وتعظیم کے لئے کھڑا ہونا، کیونکہ براہِ راست عمل اسے ترک کرنا ہے، اس لئے کہ جب نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے پاس تشریف لاتے تھے تو وہ آپ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

سوم: یہ کہ وہ کام کبھی اچانک کرلیا گیا ہو، لہٰذا نبی کریم ﷺ نے علم کے باوجود اس سے خاموشی اختیار کی ہو، پھر اس کے بعد نہ اس صحابی نے وہ کام کیا ہو نہ کسی اور نے، اور نہ اُسے نبی کریم ﷺ نے مشروع قرار دیا ہو، نہ از سرے نو کسی کو اس بات کا حکم دیا ہو، جیسے اُس آدمی کا واقعہ ہے جسے نبی کریم ﷺ نے کسی کام کے لئے بھیجا، اُس نے وہ کام کیا، پھر اُسے محسوس ہوا کہ اُس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کی ہے، لہٰذا اُس نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ لیا۔ [1]

---

[1] ایسا ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ واقعہ جامع البیان از امام طبری (۶/ ۲۲۱)، وزاد المعاد (۳/ ۱۳۳-۱۳۵)، والبدایۃ والنھایۃ (۴/ ۱۲۰-۱۲۷) اور الدر المنثور (۳/ ۱۷۸) میں ملاحظہ فرمائیں۔

[امام طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کئی روایات درج کی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ: یہ غزوۂ تبوک کے موقع کی بات ہے جب چھ یا سات یا آٹھ یا دس صحابہ رضی اللہ عنہم اُس میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شرکت سے پیچھے رہ گئے تھے، جب نبی کریم ﷺ کی واپسی کا وقت قریب ہوا تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، چنانچہ ان میں کچھ لوگوں نے جن میں ایک ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے، اپنے گناہ سے توبہ کے لئے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں میں باندھ لیا، نبی کریم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو صحابہ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ ابولبابہ اور ان کے ساتھی ہیں جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے، انہوں نے قسم کھالی ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے یہاں تک آپ خود انہیں کھولیں اور معاف فرمائیں! تو اللہ کے نبی ﷺ کے فرمایا: میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ میں انہیں کھولوں گا نہ معاف کروں گا یہاں تک کہ خود اللہ عزوجل انہیں کھولے (توبہ قبول فرمائے)، ان لوگوں نے مجھ سے بے اعتنائی کی اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ سے دور رہے، اور انہیں واپسی کا پتہ چلا تو کہنے لگے: ==

== ہم اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے یہاں تک کہ خود اللہ عز وجل انہیں کھولے! اس پر اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿وَءَاخَرُونَ ٱعْتَرَفُوا۟ بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا۟ عَمَلًا صَٰلِحًا وَءَاخَرَ سَيِّئًا عَسَى ٱللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠٢﴾﴾ [التوبۃ: ۱۰۲]۔

اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہیں جنہوں نے ملے جلے عمل کیے تھے، کچھ بھلے اور کچھ برے اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول فرمائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں کھولا اور ان کا عذر قبول فرمالیا۔ (دیکھئے: تفسیر طبری، ۱۴/ ۴۴۷-۴۵۰، نمبر (۱۷۱۳۶-۱۷۱۴۳)۔

۲۔ امام زہری بیان کرتے ہیں کہ: غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ تھے، انہیں اپنی غلطی کا سخت احساس ہوا، تو انہوں نے اپنی توبہ کے لئے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ لیا، اور کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو اس سے کھولوں گا، نہ کھانا پینا چکھوں گا، یہاں تک کہ میری موت ہو جائے یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے، چنانچہ ایسے ہی سات دن گزر گئے، انہوں نے سرے سے کچھ کھایا نہ پیا، یہاں تک کہ بیہوش ہو کر گر پڑے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، لوگوں نے انہیں توبہ کی بشارت دی، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ ہی مجھے کھولیں! چانچہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے انہیں کھولا۔ پھر ابولبابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میں اپنی قوم کی اس سرزمین کو خیرباد کہہ دوں جہاں مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے، اور سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر کے اس سے بے دخل ہو جاؤں!! تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، ابولبابہ تمہارے لئے ایک تہائی مال خرچ کرنا کافی ہے۔ (دیکھئے: تفسیر طبری، ۱۴/ ۴۵۲، نمبر (۱۷۱۴۹)۔

۳۔ امام مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ غزوۂ بنو قریظہ کے موقع کی بات ہے: غزوۂ خندق یا احزاب میں مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کی بدعہدی وغداری کے بعد اللہ کے حکم سے جبریل امین علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے: آپ نے ہتھیار اتار دیئے جبکہ ہم نے ابھی نہیں اتارے، اُٹھئے اپنے صحابہ کے ساتھ بنو قریظہ کا رخ کیجئے، چنانچہ آپ ﷺ نے اُن کے قلعوں کا محاصرہ کیا، محاصرہ اتنا سخت تھا کہ یہودیوں کے لئے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، بہر کیف انہوں نے ہتھیار ڈالنے سے پہلے ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ (جو جاہلیت میں بنو قریظہ کے حلیفوں میں سے تھے، اور بعد میں بھی لین دین اور دیگر تعلقات باقی تھے) سے مشورہ کرنا چاہا کہ ہتھیار ڈالنے کی صورت میں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا، چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے گزارش کر کے ابولبابہ کو بلوایا، ابولبابہ جونہی ان کے ==

چہارم: یہ کہ وہ تھوڑا عمل کسی صحابی کی اپنی رائے ہو اور لوگوں کی طرف سے اس کی پیروی (موافقت) نہ کی گئی ہو، جیسے نبی کریم ﷺ کے آثار ونشانات کی تلاش اور وہاں نماز ادا کرنے کے ارادہ کی بابت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل؛ کہ (یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کسی اور سے منقول نہیں ہے)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَهَذَا لَمْ يُنْقَلْ عَنْ غَيْرِ ابْنِ عُمَرَ مِنَ الصَّحَابَةِ، بَلْ كَانَ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ، وَسَائِرُ السَّابِقِيْنَ الْأَوَّلِيْنَ، مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ يَذْهَبُوْنَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلَى مَكَّةَ حُجَّاجًا وَعُمَّارًا وَمُسَافِرِيْنَ، وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ أَنَّهُ تَحَرَّى الصَّلَاةَ فِي مُصَلَّيَاتِ النَّبِيِّ ﷺ. وَمَعْلُومٌ أَنَّ هَذَا لَوْ كَانَ عِنْدَهُمْ مُسْتَحَبًّا لَكَانُوا إِلَيْهِ أَسْبَقَ، فَإِنَّهُمْ أَعْلَمُ بِسُنَّتِهِ وَأَتْبَعُ لَهَا مِنْ غَيْرِهِمْ"۔ [1]

یہ عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کسی اور صحابی سے منقول نہیں ہے، بلکہ ابو بکر، عمر،

== پاس پہنچے مرد حضرات ان کی طرف دوڑے اور عورتیں دھاڑ مار کر اور بچے بلک بلک کر رونے لگے، ابولبابہ کو ان کی یہ حالت زار دیکھ کر ترس آگیا، یہودیوں نے ان سے پوچھا کیا ہم محمد ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، اور ساتھ ہی انجام بتاتے ہوئے حلق کی طرف اشارہ بھی کر دیا، یعنی ذبح کر دیئے جاؤ گے! انہوں نے بے ساختہ اشارہ تو کر دیا مگر انہیں فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ یہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت ہے! لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بجائے سیدھے مسجد نبوی میں جا کر ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا،... یہاں تک کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ (تفسیر طبری، ۱۴/ ۴۵۱-۴۵۲ نمبر (۱۷۱۴۴-۱۷۱۴۸)۔

بتایا جاتا ہے کہ آج بھی مسجد نبوی میں "أسطوانة التوبة، أسطوانة أبي لبابة" (ستون توبہ، ستون ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ) کے نام سے موجود ومعروف ستون اسی واقعہ سے متعلق ہے۔ (مترجم)]

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۷۴۸۔

عثمان، علی اور بقیہ سابقین اولین مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم حج وعمرہ اور دیگر کاموں کے لئے مدینہ سے مکہ کا سفر کیا کرتے تھے، لیکن ان میں سے کسی کے بارے میں بھی منقول نہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہوں پر نماز ادا کرنے کی جستجو کی ہو۔

اور خوب معلوم ہے کہ اگر یہ عمل ان کے یہاں مستحب اور پسندیدہ ہوتا تو وہ اس میں پیش پیش رہتے؛ کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کی سنت کے سب سے زیادہ جاننے والے اور دیگر لوگوں کے مقابل اُس کے زیادہ پیروکار تھے۔

ان احتمالات کے سبب عمل کرنے والے کو چاہئے کہ پہلے والوں کے مطابق عمل کی کوشش کرے، اپنے آپ کو معمولی عمل پر اکتفا کی اجازت نہ دے، سوائے نادر، حسب ضرورت اور ناگزیر صورت میں۔

اگر ہمیشہ تھوڑا ہی عمل کرے گا تو اس سے کئی باتیں لازم آئیں گی:

۱۔ سابقین اولین کی مخالفت ہوگی، کیونکہ انہوں نے تھوڑے عمل پر ہمیشگی نہیں برتی ہے، اور اولین سلف کی مخالفت کا گناہ اور اس کی سنگینی معلوم ہے۔

۲۔ جس چیز پر انہوں نے ہمیشگی برتی ہے اسے چھوڑنا اور ترک کرنا لازم آتا ہے۔

۳۔ یہ چیز اولین سلف کے دائمی عمل کے نشانات کو مٹانے کا ذریعہ اور جس کی وہ مخالفت کرتے رہے ہیں اُسے پھیلانے کا سبب ہے۔

تیسری قسم: یہ کہ اولین سلف سے سرے سے ثابت نہ ہو کہ انہوں نے اس پر کبھی عمل کیا ہے، یہ اس سے پیشتر قسم سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، بایں طور کہ متاخرین (بعد کے لوگ) جس چیز پر عمل کر رہے ہیں وہ اولین کے اجماع کے خلاف ہے، اور جو بھی اولین سلف کی

مخالفت کرے وہ خطا کار ہے، اس کی سنگینی کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے، اور ضعیف حدیث کی جس قسم پر علماء کرام عمل نہیں کرتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

چنانچہ اسی اصول کی رو سے اہل سنت نے روافض کے اس دعویٰ پر بھی کان نہیں دھرا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں صراحت فرمائی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ ہوں گے؛ کیونکہ تمام صحابہ کرام کا عمل اس کے برخلاف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دعویٰ باطل یا غیر معتبر ہے، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی غلطی پر متفق نہیں ہو سکتے، اور آپ زیادہ تر اہل بدعت وضلالت کو دیکھیں گے کہ وہ کتاب وسنت سے استدلال کرتے ہوئے اپنے مذاہب ونظریات اُن پر زبردستی تھوپتے ہیں، اور اُن کے متشابہ مسائل عوام الناس کے سامنے پیش کر کر کے بزعم خویش اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے ہیں!!

چھٹا سوال:

ہم آپ کی بات مان لیتے ہیں کہ اس عبادت کی انجام دہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے نہ امت کے سلف صالحین سے، باوجودیکہ اس کی انجام دہی کا تقاضہ تھا اور تمام لوگوں کے حق میں کوئی مانع بھی نہیں تھا، لیکن اس کے باوصف وہ عبادت بایں طور مشروع ہے کہ اس کی مشروعیت پر عام دلائل دلالت کرتے ہیں، نیز مشروع پر قیاس کے اعتبار سے بھی۔

اس کی مثال یہ ہے: کہ اگر کوئی شخص کسی رات کو جس سے کوئی خاص یا عام نعمت وابستہ ہو قیام اللیل اور ذکر کے لئے خاص کر لے، اور کہے: صحیح ہے کہ یہ شب بیداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت کے سلف صالحین نے، لیکن یہ عمل اللہ کے اس فرمان کے عموم میں داخل ہے، ارشاد باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾﴾ [الأحزاب:۴۱]۔

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو۔

نیز اس رات میں خصوصی عبادت کی مشروعیت پر اُسے یوم عاشوراء پر قیاس کرنا بھی دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن کی تعظیم فرمائی ہے اور اس میں حاصل ہونے والی نعمت پر اللہ کے شکریہ میں خصوصی طور پر روزہ بھی رکھا ہے، چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ یوم عاشوراء کو روزہ رکھ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ بڑا اچھا دن ہے، یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعونیوں) سے نجات عطا فرمائی تھی، تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں موسیٰ علیہ السلام کا تم سے زیادہ حقدار ہوں، چنانچہ آپ نے خود روزہ رکھا اور لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ [1]

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ عمل ترک کرنا ایک خاص دلیل ہے جو تمام عمومات اور قیاس پر مقدم ہے۔

اس کی وضاحت درج ذیل تین مثالوں سے ہوتی ہے:

پہلی مثال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عیدین میں اذان ترک کرنا (نہ دلوانا):

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیدین میں اذان نہیں دلوائی باوجودیکہ آپ کے عہد مبارک میں اس کا تقاضہ موجود تھا، اور وہ تھا اللہ کا ذکر قائم کرنا اور لوگوں کو نماز عیدین کے لئے بلانا۔

---

[1] صحیح بخاری، ۴/ ۲۴۴، حدیث (۲۰۰۴)۔

تو یہ ترک خاص دلیل ہے جسے ذکر الٰہی پر دلالت کرنے والے عمومی دلائل پر مقدم کیا جائے گا، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱذۡكُرُواْ ٱللَّهَ ذِكۡرٗا كَثِيرٗا ۝٤١﴾ [الأحزاب:41]۔

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو۔

اور اذان اللہ کے ذکر کا حصہ ہے جو اس عموم کے تحت داخل ہے۔

نیز اس خاص دلیل کو قیاس پر بھی مقدم کیا جائے گا، یعنی عیدین کی اذان کو جمعہ کی اذان پر قیاس کرنے پر۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ اس مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فَهَذَا مِثَالٌ لِمَا حَدَثَ، مَعَ قِيَامِ الْمُقْتَضِي لَهُ، وَزَوَالِ الْمَانِعِ لَوْ كَانَ خَيْراً. فَإِنَّ كُلَّ مَا يُبْدِيهِ الْمُحْدِثُ لِهَذَا مِنَ الْمَصْلَحَةِ، أَوْ يَسْتَدِلُّ بِهِ مِنَ الْأَدِلَّةِ، قَدْ كَانَ ثَابِتًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَمَعَ هَذَا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَهَذَا التَّرْكُ سُنَّةٌ خَاصَّةٌ، مُقَدَّمَةٌ عَلَى كُلِّ عُمُومٍ وَكُلِّ قِيَاسٍ''۔ [1]

چنانچہ یہ اس چیز کی مثال ہے جو واقع ہو چکی ہے جبکہ اس کا تقاضہ کرنے والی چیز موجود تھی اور مانع نہ تھا، اگر بھلا رہا ہو تو۔

کیونکہ اس چیز کو ایجاد کرنے والا جو بھی مصلحت ظاہر کرتا ہے یا جن دلائل سے بھی استدلال کرتا ہے، وہ سب رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں ثابت تھے، اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے یہ کام نہیں کیا۔

لہٰذا یہ ترک رسول اللہ ﷺ کی خاص سنت ہے، جو ہر عموم اور ہر قیاس پر مقدم ہے۔

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۵۹۷۔

دوسری مثال:

نبی کریم ﷺ کا خانۂ کعبہ کے شامی وعراقی دونوں کونوں اور اس کے علاوہ دیگر گوشوں کا استلام نہ کرنا۔

اس سلسلہ میں آیا ہے کہ ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا، تو معاویہ رضی اللہ عنہ کعبہ کے چاروں کونوں کا استلام کرنے (چھونے) لگے، یہ دیکھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے خانۂ کعبہ کے صرف دو ہی کونوں حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کیا ہے! تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کعبہ کا کوئی بھی حصہ چھوڑا نہیں جائے گا! ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے! یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔ [1]

---

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۷۹۸-۷۹۹۔ [روایت ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ مُعَاوِيَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَهُمَا يَطُوفَانِ حَوْلَ الْبَيْتِ، فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَيْنِ، وَكَانَ مُعَاوِيَةُ يَسْتَلِمُ الْأَرْكَانَ كُلَّهَا، فَقَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ: ''كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَسْتَلِمُ إِلَّا هَذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ: الْيَمَانِيَ وَالْأَسْوَدَ'' فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: ''لَيْسَ مِنْهَا شَيْءٌ مَهْجُورٌ''.

(مسند أحمد طبعۃ الرسالۃ، ۵/ ۴۷۰، حدیث (۳۵۳۳)، نیز دیکھئے: ۵/ ۴۶۹، حدیث (۳۵۳۲)، و ۲۸/ ۷۳، حدیث (۱۶۸۵۸، حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے)۔

ابو الطفیل بیان کرتے ہیں کہ میں معاویہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھا، وہ دونوں خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کرتے تھے، جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کعبہ کے تمام ارکان (کونوں) کا استلام کرتے تھے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ صرف انہی دونوں کونوں یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کیا کرتے تھے، تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خانۂ کعبہ کا کوئی بھی کونا چھوڑا نہیں جائے گا''۔

جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نبیؐ کریم ﷺ کے ''اسوۂ حسنہ'' کے حوالہ کے ساتھ امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے:
==

تیسری مثال:

نبی کریم ﷺ کا سعی سے فارغ ہونے کے بعد مروہ پر دو رکعتیں نہ پڑھنا، جبکہ بعض فقہاء طواف کے بعد کی دو رکعتوں پر قیاس کرتے ہوئے اُس کے استحباب کے قائل ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ اس موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وَقَدْ أَنْكَرَ ذٰلِكَ سَائِرُ الْعُلَمَاءِ مِنْ أَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ وَسَائِرُ الطَّوَائِفِ وَرَأَوْا أَنَّ هَذِهِ بِدْعَةٌ ظَاهِرَةُ الْقُبْحِ. فَإِنَّ السُّنَّةَ مَضَتْ بِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَخُلَفَاءَهُ طَافُوا وَصَلَّوْا كَمَا ذَكَرَ اللّٰهُ الطَّوَافَ وَالصَّلَاةَ. ثُمَّ سَعَوْا وَلَمْ يُصَلُّوا عَقِبَ السَّعْيِ فَاسْتِحْبَابُ الصَّلَاةِ عَقِبَ السَّعْيِ كَاسْتِحْبَابِهَا عِنْدَ الْجَمَرَاتِ أَوْ بِالْمَوْقِفِ بِعَرَفَاتٍ أَوْ جُعْلُ الْفَجْرِ أَرْبَعًا قِيَاسًا عَلَى الظُّهْرِ. وَالتَّرْكُ الرَّاتِبُ سُنَّةٌ كَمَا أَنَّ الْفِعْلَ الرَّاتِبَ سُنَّةٌ“۔ [1]

مسلک شافعی کے سارے علماء اور دیگر تمام طبقوں کے لوگوں نے اسے منکر قرار دیا ہے

== عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ مُعَاوِيَةَ، طَافَ بِالْبَيْتِ، فَجَعَلَ يَسْتَلِمُ الْأَرْكَانَ كُلَّهَا، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ: لِمَ تَسْتَلِمُ هَذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ وَلَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَلِمُهُمَا؟ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: لَيْسَ مِنَ الْبَيْتِ شَيْءٌ مَهْجُورٌ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب:۲۱]، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: صَدَقْتَ“۔

(معجم اوسط، از امام طبرانی، ۳/ ۱۷، حدیث (۲۳۲۳)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تو اُس کے چاروں کونوں کا استلام کرنے لگے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اُن سے کہا: آپ ان دونوں کونوں (رکن شامی و رکن عراقی) کا استلام کیوں کرتے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کا استلام نہیں کرتے تھے؟ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”خانہ کعبہ کا کوئی کونا چھوڑا نہیں جائے گا“، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ فرمایا۔ (مترجم)]

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۶/ ۱۷۱-۱۷۲۔

نیز اسے بڑی واضح گھناؤنی بدعت خیال کیا ہے؛ کیونکہ دائمی سنت یہ رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین نے طواف کیا اور اس کے بعد نماز پڑھی، جیسا کہ اللہ نے طواف اور نماز کا ذکر کیا ہے، پھر سعی کیا اور سعی کے بعد نماز نہیں پڑھی، اس لئے سعی کے بعد نماز پڑھنے کو مستحب قرار دینا ایسے ہی ہے جیسے جمرات کے پاس اور وقوف عرفات کے وقت نماز مستحب قرار دینا، یا نماز ظہر پر قیاس کرتے ہوئے نماز فجر کو چار رکعت کر لینا۔ جیسے دائمی عمل سنت ہے ویسے ہی دائمی ترک بھی سنت ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ ترکِ عمل عموم پر اور قیاس پر مقدم ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ترک (چھوڑنے) کی سنت ایک ٹھوس شرعی اصول ہے جس کے ذریعہ احکام شریعت کا تحفظ کیا جاتا ہے اور دین میں نو ایجاد کاری کے دروازہ کی نگرانی کی جاتی ہے۔

ایسی صورت میں یہ کہا جانا ممکن ہے کہ:

ہر وہ عبادت جس کی انجام دہی -تقاضہ پائے جانے اور مانع نہ ہونے کے باوجود- نبی کریم ﷺ سے منقول نہ ہو، وہ ہر حال میں بدعت ہے؛ گرچہ کوئی خاص دلیل نہ آئے جو تعیین کے ساتھ اس عبادت سے منع کرے، گرچہ شرعی دلائل کے عموم سے اس کے جواز کا پتہ چلے، اور گرچہ کسی مشروع عمل پر اس کا قیاس اس کے جواز پر دلالت کرے۔

ساتواں سوال:

ہم آپ کی بات مان لیتے ہیں کہ اس عبادت کی انجام دہی رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے نہ امت کے سلف صالحین سے، باوجودیکہ اس کی انجام دہی کا تقاضہ موجود تھا اور تمام لوگوں کے حق میں کوئی مانع بھی نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود یہ عبادت اس اعتبار سے مشروع ہے کہ اس میں بہت ساری مصلحتیں ہیں، نیز اس پر بڑے فوائد مرتب ہوتے ہیں۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ ترکی (چھوڑنے کی) سنت ایک ٹھوس شرعی قاعدہ ہے، اور اس پر عمل کرنا اُس کے خلاف ہر عموم، یا قیاس، یا مصلحتوں پر مقدم ہے جس کا بدعتی کو وہم ہے۔

اور ساری بھلائیاں سلف صالحین کی پیروی میں ہیں، جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

''اتَّبِعُوا وَلَا تَبْتَدِعوَا فَقَدْ كُفِيتُمْ''۔ [1]

اتباع کرو، بدعتیں نہ ایجاد کرو، کیونکہ تمہیں کفایت کی جا چکی ہے۔

پھر اس بدعت پر مرتب ہونے والی ان مصلحتوں کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ: کیا یہ مصلحتیں نزول شریعت کے وقت موجود تھیں یا موجود نہیں تھیں؟

کیونکہ جاری وساری قاعدہ یہ ہے کہ: جس کام کی مصلحت نزول شریعت کے وقت ظاہر ہو پھر بھی وہ کام نہ کیا گیا ہو، اس کام کو بعد میں کرنا نو ایجاد بدعت ہے۔ [2]

اس کی دلیل عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جو انہوں نے کچھ لوگوں کو کنکریوں پر تسبیح کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا تھا:

''وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ ضَلَالَةٍ''۔ [3]

---

[1] اسے امام دارمی نے اپنی سنن (۱/ ۶۹) میں، امام لالکائی نے شرح اعتقاد أصول أهل السنة (۱/ ۹۶، نمبر ۱۰۴)، میں، اور امام ابن بطہ نے الابانۃ الکبریٰ (۱/ ۳۲۷-۳۲۸، نمبر ۱۷۵) میں روایت کیا ہے۔

[2] دیکھئے: الاعتصام، ۱/ ۳۶۳-۳۶۴۔

[3] اسے امام دارمی نے اپنی سنن (۱/ ۶۸) میں روایت کیا ہے۔ واقعہ گزر چکا ہے، دیکھئے: (ص: ۷۵، حاشیہ: ۱)۔

اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یا تو تم واقعی ایسے طریقے پر ہو جو محمد ﷺ کے طریقہ سے زیادہ ہدایت والا ہے، یا پھر تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو!

شاید یہ سوال اور اس کا جواب درج ذیل مثال سے مزید واضح ہوگا[1]:

ایک مسجد کا امام فرض نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کے لئے اجتماعی دعا کرتا ہے، اور حاضرین اس دعاء پر آمین کہتے ہیں!

سوال کرنے والا کہتا ہے: کہ یہ عمل اگرچہ (نبی کریم ﷺ اور سلف سے) ثابت نہیں ہے **لیکن اس میں درج ذیل مصلحتیں اور فوائد ہیں:**

پہلا فائدہ: اس سے دعاء کے بارے میں حکم شرعی کا اظہار ہوتا ہے، وہ یہ کہ نمازوں کے بعد دعا کرنا مطلوب ہے۔

جواب: اس بات کا تقاضہ یہ ہے کہ نمازوں کے بعد دعا کرنا مستقل سنت ہے، جبکہ بالاتفاق سنت نہیں ہے، حتیٰ کہ یہ کہنے والے کے یہاں بھی، نیز یہ کہ حکم شرعی کا اظہار تو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی ہونا چاہئے تھا، اور جب نبی کریم ﷺ نے ایسا نہیں کیا تو اس کا مطلب ہے کہ اسے ترک کرنا (چھوڑنا) مشروع ہے۔

دوسرا فائدہ: اجتماعی دعاء قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

جواب: یہ علت تو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی موجود تھی؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ مستجاب الدعوات تھے، اس کے باوجود آپ نے اجتماعی دعا نہیں فرمائی۔

تیسرا فائدہ: اجتماعی دعا کرنے سے لوگوں کو دعا کی تعلیم ہوتی ہے، تاکہ وہ امام سے دعاء سیکھ کر اپنے لئے دعائیں کرسکیں؛ اور ایسی دعائیں نہ کریں جو شرعاً یا عقلاً جائز نہیں ہیں۔

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۱/ ۳۶۵-۳۶۸۔

جواب: یہ تعلیل نا قابل اعتبار ہے، کیونکہ ہم نے دعا کے الفاظ و معانی نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہی سے سیکھا ہے، اور لوگ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دور جاہلیت سے سب سے زیادہ قریب تھے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے اُنہیں دعا کی کیفیت سکھانے کے لئے اجتماعی دعا مشروع نہیں فرمائی، بلکہ دعا کا طریقہ انہیں تعلیم کی مجلسوں میں سکھایا، اور آپ ﷺ حسب منشا نماز کے بعد خود اپنی ذات کے لئے دعا کیا کرتے تھے، اُس وقت بھی آپ نے اجتماعی پہلو کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی، جبکہ آپ ﷺ پوری مخلوق میں اس کے سب سے زیادہ حقدار تھے۔

چوتھا فائدہ: اجتماعی دعا میں نیکی اور تقویٰ کے کام میں باہمی تعاون پایا جاتا ہے، جس کا حکم دیا گیا ہے۔

جواب: یہ تعلیل کمزور ہے، کیونکہ فرمان باری:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ [المائدۃ:۲]۔

نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو۔

نبی کریم ﷺ ہی پر نازل ہوا ہے، اگر نماز کے بعد بآواز بلند حاضرین کے لئے اجتماعی دعا کرنا نیکی اور تقویٰ کے قبیل سے ہوتا تو آپ ﷺ اس میں سب سے پیش پیش ہوتے، لیکن آپ نے سرے سے ایسا نہیں کیا، نہ آپ کے بعد سلف امت نے کیا، یہاں تک کہ متاخرین نے اسے ایجاد کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس طریقہ سے دعا کرنا نیکی اور تقویٰ نہیں ہے۔

اس مثال سے دوٹوک واضح ہو جاتا ہے کہ (ترک رسول ﷺ اور ترک سلف) دونوں پہلوؤں سے ترک پر عمل کرنا ایک بنیادی اصول ہے جو نبی کریم ﷺ کی ترک کردہ اس عبادت سے حاصل ہونے والے ان تمام مصالح اور فوائد پر مقدم ہے جنہیں بدعتی باور کرانا

چاہتا ہے۔

پھر یہ مصالح اور فوائد جو بسا اوقات بعض بدعتی امور میں پائے بھی جاتے ہوں' اس بات کی دلیل نہیں کہ بدعت پر عمل کرنا راجح ہے؛ کیونکہ بدعات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اعتقادی و عملی مفاسد کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ مرجوح مصلحتیں ہیں۔

آٹھواں سوال:

ہم آپ کی بات تسلیم کر لیتے ہیں کہ اس عمل سے اللہ کی قربت کا حصول بدعتِ ضلالت ہے، لیکن یہ اس شرط کے ساتھ ہوگا جب اُس کا کرنے والا خصوصی فضیلت کا عقیدہ رکھتا ہو۔ [1]

مثال کے طور پر: کوئی شخص کسی رات کو قیام اللیل اور ذکر الٰہی کے لئے خاص کر لے، مگر یہ کہے کہ اس رات کی نماز دیگر راتوں ہی کی طرح ہے، میں اس رات کی کوئی فضیلت یا خصوصیت کا عقیدہ نہیں رکھتا۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعویٰ درست نہیں ہے؛ کیونکہ دیگر راتوں کو چھوڑ کر اُس رات کو نماز کے لئے خاص کرنا لازمی طور پر دل میں کسی عقیدہ کے باعث ہوگا، اور ایسی صورت میں اس تخصیص کے ساتھ دل میں اس رات کی تعظیم و تکریم کا پایا جانا ضروری ہے، ورنہ اگر دل اس رات کی فضیلت کے شعور سے بالکل خالی ہوتا تو وہ اُس کی تعظیم نہ کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بدعت کی انجام دہی دل میں اُس کی تعظیم کے عقیدہ وشعور کو لازم اور مربوط ہے، اس سے کوئی چارۂ کار نہیں، اسی طرح نفس اور طبیعت میں اس بدعت کی فضیلت و خصوصیت کا احساس بھی لازم ہے، اور یہ عقیدہ وشعور بدعات کی عظیم ترین آفتوں اور

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۶۰۶-۶۰۸۔

اس کے خفیہ مفاسد میں سے ہے۔

نواں سوال:

ہم مان لیتے ہیں کہ یہ فعل بدعتِ ضلالت ہے، مگر یہ اس شرط کے ساتھ جب اس کے کرنے والے کا مقصد اللہ کی قربت کا حصول ہو۔

مثال کے طور پر: کوئی شخص سال میں ایک دن خصوصیت کے ساتھ اضافی ذکرو نیکی کے ذریعہ عبادت کے کام کرے، اور کہے کہ: اس دن خاص ذکرو نیکی سے نہ تو میرا مقصد اللہ کی قربت کا حصول ہے نہ میں اِسے دینی امور میں شامل کرتا ہوں، بلکہ یہ محض عادات کے طور پر ہے۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سراسر خیالی مفروضہ ہے، جس کے وقوع کا تصور ناممکن ہے؛ کیونکہ ذکرو اطاعت تعبدی اعمال میں سے ہیں، اس لئے تقرب الٰہی کا مقصد ان سے کسی طرح جدا نہیں ہوسکتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قربت الٰہی مقصود نہ ہونے کا دعویٰ محض خالص عاداتی امور میں ہوسکتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ سال میں کسی دن کو کسی طرح کی فضیلت و امتیاز کے ساتھ خاص کرلینا اُسے عید بنادیتا ہے اور عید دین وشریعت کے احکامات میں سے ایک حکم ہے، ساتھ ہی اس دن کا دین سے نمایاں ربط اور تعلق ہے؛ کیونکہ وہ اسلام کے دنوں میں سے کسی دن کی یادگار سے جُڑا ہوا ہے۔

❊ ❊ ❊

پانچواں قاعدہ

ہر وہ عبادت جو شریعت اسلامیہ کے قواعد اور اس کے مقاصد کے خلاف ہو بدعت ہے۔[1]

چند مثالیں:

۱۔ وہ اذکار اور دعائیں جن کے پڑھنے اور وظیفہ کرنے والے کا کہنا ہے کہ یہ اذکار اور دعائیں علم حروف پر مبنی ہیں۔[2] ٭

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۱۹-۲۰۔

[2] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۲۰۔

٭ علم الحروف، علم الأحرف یا علم أسرار الحروف ایک ضلالت وگمرہی پر مبنی باطل علم ہے، جو اس بات کا قائل ہے کہ حروف کی طبیعتیں اور اس کے اسرار ناموں میں سرایت کئے ہوئے ہیں، لہٰذا یہ تمام چیزوں میں اور پوری کائنات میں سرایت کئے ہوئے ہیں اور ان میں تصرف کرتے ہیں، یہ علم روحانیات، علم فلک اور علم نجوم سے جڑا ہوا ہے۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ اس علم کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"علم اسرار حروف: وہ علم ہے جسے اس دور میں سیمیاء (جادو کی ایک قسم) کہا جاتا ہے، صوفیوں میں سے اہل تصرف کی اصطلاح میں یہ علم طلسمات سے لیا گیا ہے۔ امت میں یہ علم آغاز اسلام کے بعد غالی صوفیاء کے ظہور اور ان کے پردۂ احساس کے کھلنے کی طرف میلان، اور ان کے ہاتھوں پر خارق عادت امور اور تصرفات ظاہر ہونے وغیرہ کے وقت پیدا ہوا ہے۔

نیز کہتے ہیں: علم الحروف ایسا علم ہے جس کے موضوع کی واقفیت ہوسکتی ہے نہ اُس کے مسائل کی تعداد کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔

کچھ صوفیاء نے حروف کی طبیعت ومزاج کے اعتبار سے سات سات حروف کو چار اصناف میں تقسیم کیا ہے: ==

== ناری (آگ والے)، ہوائی (ہوا والے)، مائی (پانی والے) اور ترابی (مٹی والے) مثلاً: (ا، ہ، ط، م، ف، س، ذ) کو ناری عنصر کے لئے، (ب، و، ی، ن، ض، ت، ظ) کو ہوائی عنصر کے لئے، (ج، ز، ک، ص، ق، ث، غ) کو مائی عنصر کے لئے اور (د، ح، ل، ع، ر، خ، ش) کو ترابی عنصر کے لئے خاص کیا ہے۔ اسی طرح ناری حروف کو سرد امراض کے دفاع کے لئے اور مائی حروف کو گرم امراض کے دفاع کے لئے متعین کیا ہے۔

جبکہ دیگر صوفیاء نے ان حروف میں تصرف کا راز ان کی نمبری قوت کو قرار دیا ہے، جیسا کہ حروف ابجد کے نمبرات معروف ہیں۔

صوفیاء کی ان حرکتوں کے بارے میں ابن خلدوں فرماتے ہیں:

''فأمّا سرّ التناسب الّذي بين هذه الحروف وأمزجة الطبائع، أو بين الحروف والأعداد، فأمر عسير على الفهم، إذ ليس من قبيل العلوم والقياسات، وإنّما مستندهم فيه الذّوق والكشف''۔

ان حروف اور طبیعوں کے مزاج یا ان حروف اور ان کے اعداد و نمبرات کے درمیان تناسب کا راز عقل وفہم کے لئے بڑا مشکل مسئلہ ہے، کیونکہ یہ علوم وقیاسات کے قبیل سے نہیں ہیں، بلکہ اس میں ان صوفیوں کی بنیاد ذوق اور کشف ہے۔

شیخ عبد الرحمن نور الدین اپنی کتاب ''العلم والسحر'' میں لکھتے ہیں کہ حروف کے بارے میں گفتگو سب سے پہلے جادوگر فلسفی فیثاغورث نے کی ہے، نیز ملت اسلامیہ میں علم حروف یہودی جادوگروں کے ذریعہ داخل ہوا ہے، جو کابلا کا جادو استعمال کرتے تھے، جب وہ اپنے عقائد کو نمبرات میں بدلنے میں کامیاب ہو گئے اور تورات کی بہت ساری آیات کو عملی طور پر نمبرات میں بدل چکے، تو جابر بن حیان، ابن عربی وغیرہ جیسے علماء تصوف کے ذریعہ آیات کو نمبرات میں تبدیل کرنے کا یہ طریقہ دین اسلام میں منتقل ہوا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان علوم کی پیدائش اور پرورش و پرداخت علماء سحر کے یہاں ہوئی، اور صوفیت کے لبادہ میں پوشیدہ علماء سحر کے سبب اس کی بنیاد ہماری امت محمدیہ میں پڑی۔

چنانچہ آج ہمارے معاشروں میں عملیات قرآنی، اعمال قرآنی، روحانی علاج، بسم اللہ کے بدلے ۷۸۶، اور محمد کے بدلے ۹۲، لکھنے نیز اس کے علاوہ مسلمانوں کے درمیان متداول قرآن کریم کے بعض اردو ترجموں، تفسیروں میں مختلف سورتوں کے بنائے گئے نمبرات اور مختلف بیماریوں اور تکلیفوں میں اُسے جسم کے مختلف حصوں پر باندھنے یا تعویذیں بنا کر لٹکانے وغیرہ کا جو چلن عام ہے، وہ انہی صوفیوں، رافضیوں اور تصوف زدہ لوگوں کی کارستانیاں ہیں، فاللھم سلم۔ ==

۲۔ نمازعیدین کے لئے اذان دینا؛ کیونکہ نفل نمازوں کے لئے اذان مشروع نہیں ہے، بلکہ نماز کے لئے بلانا (اذان دینا) صرف فرائض کے ساتھ خاص ہے۔[1]

۳۔ صلاۃ الرغائب۔[2]

== واضح رہے کہ علم الحروف کی نشر واشاعت میں رافضیوں شیعوں کا بھی نمایاں کردار رہا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے جھوٹی حدیثوں کے ذریعہ علم حروف کو انبیاء کی طرف منسوب کرنے سے بھی گریز نہیں کیا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جھوٹی حدیث نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''خلق الله الأحرف، وجعل لها سراً، فلما خلق آدم عليه السلام بث فيه السر، ولم يبثه في الملائكة فجرت الأحرف على لسان آدم بفنون الجريان، وفنون اللغات..''.

اللہ تعالیٰ نے حروف پیدا کئے، اوران کے راز بنائے، اور جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اُن میں وہ راز پھیلا دیا اور فرشتوں میں نہیں پھیلایا، چنانچہ حروف مختلف انداز اور مختلف زبانوں میں آدم علیہ السلام کی زبان پر جاری ہوئے۔

اورادریس، نوح، ابراہیم، موسی، الیاس، داود، عیسی، اور ہمارے نبی محمد علیہم الصلاۃ والسلام کے بارے میں کہا کہ انہیں حروف کا علم حاصل تھا، جو انہیں وراثت میں ملا تھا۔

[مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخ ابن خلدون (ص: ۶۶۴)، وکتاب التنجیم والمنجمون وحکم ذلک فی الاسلام، از عبد المجید بن سالم المشعبی، (ص: ۱۳۸)، والعلم والسحر، از عبد الرحمن نور الدین، وکتاب حقیقۃ علم الحروف، از ڈاکٹر بشیر جلطی۔ و https://www.dd-sunnah.net/forum/archive/index.php/t-32842.html (مترجم)]۔

[1] الاعتصام، ۲/۱۸-۱۹۔

[2] صلاۃ الرغائب: بارہ رکعت ہے، جو ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان مخصوص طریقے سے پڑھی جاتی ہے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا ہے، ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک مرتبہ، سورۃ القدر تین مرتبہ اور سورۃ اخلاص بارہ مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔

اسی طرح پندرہویں شعبان کی رات میں بھی نماز پڑھی جاتی ہے؛ اُسے بھی صلاۃ الرغائب کہا جاتا ہے، وہ سو رکعت ہے، ہر دو رکعت ایک سلام سے پڑھی جاتی ہے، ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔ دیکھئے: تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ، ۲/۸۹-۹۴، والابداع فی مضار الابتداع، از شیخ علی محفوظ، (ص: ۵۸)۔

یہ نماز کئی وجوہ سے شریعت کے قواعد کے سراسر خلاف ہے [1] **:**

ا۔ نبی کریم ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ جمعہ کی شب میں قیام کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

”لَا تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِي“۔ [2]

راتوں کے درمیان جمعہ کی شب کو قیام اللیل کے لئے خاص نہ کرو۔

۲۔ (لمبی) تسبیحات اور ہر رکعت میں سورۃ القدر اور سورۃ الاخلاص شمار کرنے کے سبب نماز میں مطلوبہ سکون و اطمینان کی سنت کی خلاف ورزی ہوتی ہے، کیونکہ عام طور پر یہ انگلی کو حرکت دیئے بغیر نہیں ہوسکتا۔

جبکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

”اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ“۔ [3]

نماز میں سکون اختیار کرو۔

۳۔ نماز میں خشوع، حضور قلب، اور اللہ کے لئے دل کو فارغ کرنے کی سنت کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور جب نماز پڑھنے والا اپنے دل میں سورت کی تلاوت اور تسبیحات گننے کی فکر میں لگا رہے گا، تو اللہ سے غافل اور اُس سے اعراض و بے توجہی کرنے والا ہوگا۔

۴۔ نوافل کی بابت طریقۂ سنت کی مخالفت ہوتی ہے، بایں طور کہ نوافل کی ادائیگی

---

[1] دیکھئے: الترغیب عن صلاۃ الرغائب الموضوعۃ، (ص:۵-۹)، والباعث علی إنکار البدع والحوادث، (ص:۵۸-۶۱)، والأمر بالاتباع، (ص:۱۷۱-۱۷۳)۔

[2] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے، ۸/ ۱۸، حدیث (۱۱۴۴)۔

[3] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے، ۴/ ۱۵۲، حدیث (۴۳۰)۔

مساجد کی بہ نسبت گھروں میں افضل ہے، نیز اس اعتبار سے بھی کہ نوافل کو باجماعت ادا کرنے کی بہ نسبت تنہا ادا کرنا بہتر ہے، سوائے ان نوافل کے جنہیں شریعت اسلامیہ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

۵۔ اس نماز کے گھڑنے والے بدعتیوں کے یہاں اس کا حقِ کمال یہ ہے کہ اِسے اُس دن روزہ رکھنے کے ساتھ ادا کرے، اور افطار نہ کرے تا آنکہ اسے ادا کرلے! اور ایسی صورت میں نبی کریم ﷺ کی سنتوں میں سے دو سنتوں کا چھوڑنا اور ضائع کرنا لازم آتا ہے:

اول: افطار میں جلدی کرنا۔

دوم: روزے دار کے بھوک و پیاس کے سبب ہونے والی پریشان کن مشغولیتوں سے دل کو فارغ کرنا۔

واضح رہے کہ یہ نماز صلاۃ مغرب سے فراغت کے بعد شروع کی جاتی ہے اور صلاۃ عشاء کا وقت شروع ہونے کے بعد ہی اس سے فراغت ہوتی ہے، چنانچہ اس سے متصل صلاۃ عشاء شروع ہوجاتی ہے، اور دن بھر بھوک پیاس کی مشقت کی الجھن بدستور باقی رہتی ہے، اور افطار اُس کے بعد تک موخر کیا جاتا ہے۔

۶۔ اس نماز سے فراغت کے بعد کئے جانے والے دو (اضافی) سجدے مکروہ ہیں؛ کیونکہ یہ دونوں سجدے بلا سبب ہیں، شریعت اسلامیہ میں سجدے کے ذریعہ اللہ کی قربت کا حصول صرف نماز کے اندر ثابت ہے، یا پھر کسی خاص سبب سے جیسے سجدۂ سہو یا سجدۂ تلاوت کے ذریعہ (علیحدہ طور پر نہیں)۔

قاعدہ کی وضاحت:

یہ بات ثابت اور طے شدہ ہے کہ شریعت اسلامیہ اٹکل پچو کرنے والوں کے مقاصد اور

بدعتیوں کی نفسانی خواہشات سے بری ہے، اس دین کے تمام احکام ایک ثابت اور ٹھوس نظام پر قائم ہیں، اور وہ بلا استثناء چند جامع کلی اصولوں کے تحت شامل ہیں۔

اس لئے یہ کبھی بھی تصور نہیں کیا جاسکتا کہ اس شریعت میں کوئی ایسی عبادت آئے جو اُس کے اصول وقواعد اور مقاصد کے خلاف ہو۔

بنابریں: یہ قاعدہ ان عبادات کے ساتھ خاص ہے جن کا صحیح ثبوت نہیں ہوتا؛ کیونکہ جو بھی عبادت اس شریعت کے خلاف اور اس کے قواعد سے خارج ہوگی کسی صحیح راستے سے اس کا ثابت ہونا ممکن نہیں۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ: ہر عبادت جو صحیح شرعی طریقہ سے آئے گی وہ لازماً شریعت کے قواعد کے موافق ہوگی، کسی بھی طرح اس کے خلاف نہ ہوگی۔ [1]

اس شریعت کے قواعد کی فقہ وفہم اور اس دین کے احکام کے اہداف ومقاصد کی معرفت ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو علماء راسخین (گہرے اور پختہ علم والے) ہیں؛ کیونکہ وہی لوگ سنت و بدعت میں فرق وتمیز کرتے ہیں اور اللہ کی توفیق و رہنمائی سے مصلحت وفساد کی پرکھ کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تَتَّقُواْ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّكُمۡ فُرۡقَانٗا﴾

[الأنفال:۲۹]۔

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز

---

[1] ”شریعت میں کوئی بھی چیز خلاف قیاس نہیں“ اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا نادر رسالہ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (۲۰/ ۵۰۴-۵۸۳) میں ملاحظہ فرمائیں۔ نیز اسی موضوع کے حوالہ سے وہ فصل ملاحظہ فرمائیں جسے امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب إعلام الموقعین (۲/ ۳-۷۰) میں قائم کیا ہے۔

دے گا۔

اور لوگوں میں سب سے زیادہ دین کو سمجھنے والے اور اس کی گہری فقہ رکھنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے، کیونکہ شریعت اسلامیہ ان کی موجودگی میں اتری اور وہ مقاصد کا خوب علم رکھنے والے تھے۔

اس کے برخلاف جو علمی رسوخ و پختگی کے مقام و مرتبہ اور دین کی فقہ کے درجہ تک نہیں پہنچ سکا ہے وہ اس جیسے عظیم قاعدہ سے ہرگز فائدہ نہیں اٹھا سکے گا، بلکہ بسا اوقات اس کا قدم پھسل جائے گا اور وہ ایک ایسی چیز کو جو بہتر نہیں ہے بہتر سمجھ لے گا، اور غیر سنت کو سنت شمار کر لے گا اور اللہ کے دین میں ایسی چیزیں داخل کر دے گا جس سے وہ بری ہے۔

اسی لئے دین میں بدعت کی ایجاد علماء راسخین کی جانب سے نہیں ہوتی، اِلا یہ کہ کوئی چیز ناگہانی و بے اختیار سرزد ہو جائے، اور اسی کو عالم کی لغزش کہا جاتا ہے، لیکن جیسے ہی اس کے سامنے حق واضح ہوتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کر کے اُسے گلے لگا لیتا ہے۔

اور یہاں سے دین کے اسرار و مقاصد کے علم، اصول شریعت کے ضبط و احاطہ اور تشریعی قواعد کی معرفت کی حد درجہ اہمیت معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ ان پہلوؤں سے آگاہ اور واقف کار عالم حق و باطل کے مابین تمیز کی کسوٹی سے ہمکنار اور بصیرت و برہان کی دولت سے سرفراز مند ہوتا ہے۔

❊ ❊ ❊

چھٹا قاعدہ

تقرب الٰہی کا ہر وہ عمل جو کسی عادت یا معاملہ کے ذریعہ اس طور پر انجام دیا جائے جو شریعت میں معتبر نہ ہو، بدعت ہے۔ [1]

چند مثالیں:

۱۔ اونی لباس زیب تن کرنے کو اللہ کی عبادت اور اس تک رسائی کا ذریعہ سمجھنا۔ [2]

۲۔ ہمیشہ خاموش رہنے، یا روٹی، گوشت کھانے اور پانی پینے سے باز رہنے، یا سائے کے بجائے دھوپ میں کھڑے ہونے کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا۔ [3]

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ ان عادات و معاملات کے ساتھ خاص ہے جنہیں اللہ کی عبادت و قربت کا ذریعہ بنا لیا جائے، چنانچہ یہاں بدعت دو اعتبار سے ایجاد کی جاتی ہے: اس کی اصل کے اعتبار سے اور اس کی صفت کے اعتبار سے۔

اسی وجہ سے اس قاعدہ سے متعلقہ مثالیں حقیقی بدعت کے قبیل سے ہیں، جن کی بابت

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۷۹-۸۲۔

[2] دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۱/ ۵۵۵۔

[3] دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۱/ ۲۰۰۔

اجمالی یا تفصیلی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

البتہ اس عادت یا معاملہ کی انجام دہی بسا اوقات عبادت کے معنیٰ کے تحت داخل ہوجاتی ہے،ایسی صورت میں وہ بدعت نہیں ہوتی، یہ اس وقت جب اس عمل میں صحیح نیت شامل ہوجائے، یا پھر وہ عمل صالح کا ذریعہ یا اس کا معاون ہو۔

اس کی مثال: نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"وَلَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتَّى اللُّقْمَةَ تَجْعَلُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ"۔ [1]

تم اللہ کی رضاجوئی کی نیت سے جو کچھ بھی خرچ کروگے،تمہیں ضرور اس کا اجر ملے گا، یہاں تک کہ اس لقمہ کا بھی تمہیں ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالوگے۔

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ﴾ [التوبۃ:۱۲۰]۔

یہ اس سبب سے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو تکان پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو کسی ایسی جگہ چلے جو کفار کے لیے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی، ان سب پر ان کے نام (ایک ایک) نیک کام لکھا گیا۔

لہٰذا عادت یا معاملہ کی انجام دہی کے ذریعہ صرف اسی طور پر اللہ کا تقرب حاصل کرنا صحیح ہے۔کسی اور طریقہ سے نہیں۔،اسی لئے اس قاعدہ کو حصول تقرب کے اس طریقہ سے مقید کیا

[1] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے،۸/ ۱۰۹،حدیث (۴۴۰۹)۔

گیا ہے کہ ''جو شریعت میں معتبر نہ ہو''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ: فی نفسہ کسی عادت یا معاملہ کو اللہ کی عبادت وتقرب کا ذریعہ بنانا ایک ایسا عمل ہے جس کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا ہے؛ کیونکہ واجب یا مستحب نیک کاموں کی انجام دہی کے بغیر اللہ کا تقرب حاصل نہیں ہوسکتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَمَنْ تَعَبَّدَ بِعِبَادَةٍ لَيْسَتْ وَاجِبَةً وَلَا مُسْتَحَبَّةً؛ وَهُوَ يَعْتَقِدُهَا وَاجِبَةً أَوْ مُسْتَحَبَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مُبْتَدِعٌ بِدْعَةً سَيِّئَةً لَا بِدْعَةً حَسَنَةً بِاتِّفَاقِ أَئِمَّةِ الدِّينِ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُعْبَدُ إِلَّا بِمَا هُوَ وَاجِبٌ أَوْ مُسْتَحَبٌّ''۔ [1]

جو شخص کوئی ایسی عبادت کرے جو واجب ہو نہ مستحب؛ جبکہ وہ اسے واجب یا مستحب سمجھتا ہو، وہ باتفاق ائمہ دین گمراہ بدعتی ہے، بدعت حسنہ نہیں' بدعت سیئہ کا مرتکب ہے، کیونکہ اللہ کی عبادت اُسی عمل کے ذریعہ کی جائے گی جو واجب یا مستحب ہو۔

امام ابن رجب (۷۹۵ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَى اللَّهِ بِعَمَلٍ لَمْ يَجْعَلْهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ قُرْبَةً إِلَى اللَّهِ، فَعَمَلُهُ بَاطِلٌ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ''۔ [1]

جو کسی ایسے عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اللہ سے قربت کا ذریعہ نہیں بنایا ہے، اس کا عمل باطل اور مردود ہے۔

* * *

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱/ ۱۶۰۔

[2] جامع العلوم والحکم، ۱/ ۱۷۸۔

ساتواں قاعدہ

تقرب الٰہی کا ہر وہ عمل جو اللہ کے منع کردہ کام کی انجام دہی کے ذریعہ ہو بدعت ہے۔ [1]

چند مثالیں:

۱۔ گانے بجانے، موسیقی وغیرہ سننے یا ناچنے کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا۔ [2]

---

[1] دیکھئے: جامع العلوم والحکم، ۱/ ۱۷۸، واحکام الجنائز ص: ۲۴۲۔

[2] دیکھئے: فتاویٰ ابن تیمیہ، ۳/ ۴۲۷، ۱۱/ ۲۹۷، ۲۹۸، ۵۷۶، ۵۹۹، ۶۰۴، ۶۳۳، وجامع العلوم والحکم، ۱/ ۱۷۸۔

[اسی قبیل سے لوگوں کو دعوت دینے اور انہیں اللہ کے دین سے قریب کرنے کے لئے گانے بجانے اور موسیقی وغیرہ کا استعمال کرنا اور محفل سماع (قوالی) منعقد کرنا بھی ہے، کہ ایسا کرنا بدعت ہے، چنانچہ شیخ زکریا بن غلام قادر پاکستانی حفظہ اللہ اپنی مایہ ناز کتاب "من أصول الفقه علی منهج أهل الحديث" میں لکھتے ہیں:

"القاعدة الحادية عشر: لا يشرع استعمال طريقة جديدة لدعوة الناس إلى عبادة ربهم. لا شك عند أحد من المسلمين أن هذا الدين كامل، ... وكمال الدين يلزم منه أنه كل طريقة لدعوة الناس إلى عبادة ربهم لم يستعملها النبي ﷺ مع إمكان استعماله لها، يكون استعمالها بعد النبي ﷺ بدعة في الدين".

گیارہواں قاعدہ: لوگوں کو اپنے رب کی عبادت کی دعوت دینے کے لئے کوئی نیا طریقہ استعمال کرنا مشروع نہیں۔ کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں کہ یہ دین مکمل ہے...اور دین کے مکمل ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے رب کی عبادت کی دعوت دینے کا ہر طریقہ جسے نبی کریم ﷺ نے استعمال نہ کیا ہو باوجودیکہ اس کے استعمال کا امکان موجود رہا ہو نبی کریم ﷺ کے بعد اس کا استعمال کرنا دین میں بدعت ہے۔ ==

۲۔ کافروں کی مشابہت کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا۔

اس (دوسری) مثال میں بدعت ایجاد کرنے کے تینوں اصول اکٹھا ہو گئے ہیں۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ: اس مشابہت کے عمل سے درج ذیل وجوہ سے بدعت جنم لیتی ہے:

پہلی وجہ: اس اعتبار سے بدعت ہے کہ یہ ایسے عمل کے ذریعہ اللہ کی قربت کا حصول ہے جسے اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے، بلکہ وہ ممنوع ہے۔ یہ ایجادِ بدعت کے اصولوں میں سے پہلا اصول ہے۔

دوسری وجہ: اس اعتبار سے بدعت ہے کہ ایسا کرنا دین کے نظام کے خلاف خروج ہے، کیونکہ اس میں اللہ کے دشمنوں کی موافقت اور ہمنوائی ہے۔ یہ ایجادِ بدعت کے اصولوں میں سے دوسرا اصول ہے۔

اس لئے کہ صرف کافروں کی مشابہت سے ہی بدعت رونما ہوتی ہے، تقرب الٰہی مقصود ہونا شرط نہیں، جیسا کہ آگے آئے گا۔

تیسری وجہ: اس اعتبار سے بدعت ہے کہ یہ اس بات کا ذریعہ ہے کہ اُسے دین کا حصہ سمجھ لیا جائے، کیونکہ اگر یہ مشابہت رونما ہوگی اور اہل علم اور دینداروں کی جانب سے ظاہر ہوگی، جن کی اقتداء کی جاتی ہے (تو اسے دین کا حصہ سمجھا جائے گا)۔ یہ ایجادِ بدعت کے اصولوں میں سے تیسرا اصول ہے۔

== اور اس کے بعد سماع، قوالی، اور رقص وموسیقی کے ذریعہ گنہ گاروں کو دعوت دینے سے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے کیا گیا ایک سوال اور اس کا جواب نقل فرمایا ہے، کہ دعوت اِلی اللہ کے لئے اس طریقہ کا استعمال کرنا بدعت ہے۔ (دیکھئے: من أصول الفقہ علی منہج أہل الحدیث، ص: ۲۰۷، نیز دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۱/ ۶۲۰-۶۲۵) (مترجم)]

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ اس طور پر پچھلے (چھٹے) قاعدہ کے ساتھ مشترک ہے کہ دونوں قاعدے ان بدعات سے متعلق ہیں جو اصل اور وصف دونوں اعتبار سے ایجاد کردہ ہیں، اسی لئے دونوں قاعدوں کی مثالیں بدعت حقیقی کے قبیل سے ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ یہ قاعدہ گناہ ومعاصی اور ممنوعات ومحرمات کے باب کے ساتھ خاص ہے اور پچھلا قاعدہ عادات ومعاملات کے باب سے متعلق ہے۔

جب اللہ کی قربت کا حصول صرف واجب ومستحب امور ہی سے درست ہے، مباح عادات کی انجام دہی سے بھی درست نہیں ہے، تو معاصی ومحرمات جیسے اللہ کے منع کردہ امور سے اللہ کی قربت کا حصول بدرجۂ اولی صحیح نہ ہوگا۔

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كُلُّ عِبَادَةٍ نُهِيَ عَنْهَا؛ فَلَيْسَتْ بِعِبَادَةٍ؛ إِذْ لَوْ كَانَتْ عِبَادَةً؛ لَمْ يُنْهَ عَنْهَا، فَالْعَامِلُ بِهَا عَامِلٌ بِغَيْرِ مَشْرُوعٍ، فَإِذَا اعْتَقَدَ فِيهَا التَّعَبُّدَ مَعَ هَذَا النَّهْيِ؛ كَانَ مُبْتَدِعًا بِهَا“۔ [1]

ہر عبادت جس سے منع کیا گیا ہے، وہ عبادت نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ عبادت ہوتی تو اس سے منع نہ کیا جاتا، لہٰذا اس پر عمل کرنے والا ایک غیر مشروع چیز پر عمل کرنے والا ہے، اور اگر اس ممانعت کے باوصف وہ اس میں اللہ کی عبادت کا عقیدہ رکھے گا تو بدعتی ہوگا۔

❊ ❊ ❊

---

[1] الاعتصام، ۲/ ۳۴۔

آٹھواں قاعدہ

ہر عبادت جو شریعت میں کسی مقید طریقہ سے آئی ہو، اُس طریقہ کو بدلنا بدعت ہے۔[1]

اس قاعدہ کے تحت درج ذیل صورتیں داخل ہیں[2]:

۱۔ زمان (یعنی وقت) میں مخالفت؛ جیسے ماہ ذی الحجہ کے پہلے دن قربانی کرنا۔

۲۔ مکان (یعنی وقت) میں مخالفت؛ جیسے مساجد کے علاوہ دیگر جگہوں میں اعتکاف کرنا۔

۳۔ جنس میں مخالفت؛ جیسے گھوڑے کی قربانی کرنا۔

۴۔ مقدار (یعنی تعداد) میں مخالفت؛ جیسے پانچ نمازوں کے علاوہ چھٹی نماز کا اضافہ کرنا۔

۵۔ کیفیت (یعنی ترتیب) میں مخالفت؛ جیسے وضو کی شروعات دونوں پیروں کے دھونے سے کرنا، پھر دونوں ہاتھوں کو دھونا، پھر سر کا مسح کرنا، پھر منہ دھونا۔

---

[1] دیکھئے: الباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص: ۲۸-۲۹، والاعتصام، ۲/۲۶، والأمر بالاتباع والنہی عن الابتداع، ص: ۱۵۳۔

[2] دیکھئے: الابداع فی کمال الشرع وخطر الابتداع، ص: ۲۰-۲۳۔

قاعدہ کی وضاحت:

اس قاعدہ اور اس کے بعد والے قاعدہ کی وضاحت ایک اہم اصول کی معرفت پر مبنی ہے، وہ یہ ہے کہ عبادات کے باب میں شارع (اللہ اور اس کے رسول ﷺ) کا مقصود (درج ذیل) دو باتوں میں اُن کی پیروی کئے بغیر ثابت و متحقق نہیں ہوتا:

پہلی بات: **اصل عبادت میں**، بایں طور کہ اُس کا صحیح دلیل سے ثابت ہونا ضروری ہے۔

دوسری بات: **عبادت کی صفت میں**، بایں طور کہ وہ عبادت مقید ہے یا مطلق، چنانچہ جو شریعت کی مقید کردہ عبادت کو مطلق کرے گا' بدعت ایجاد کرے گا، اسی طرح جو شریعت کی مطلق کردہ عبادت کو مقید کرے گا (وہ بھی بدعت ایجاد کرے گا)۔

لوگوں پر واجب ہے کہ اطلاق وتقیید میں شریعت اسلامیہ کی اتباع کریں:

مثال کے طور پر نفلی روزہ ایک اعتبار سے مطلق ہے، ایک اعتبار سے مقید ہے، چنانچہ اس اعتبار سے تو مطلق ہے کہ نفلی روزہ کسی بھی دن اور کسی بھی جگہ رکھا جا سکتا ہے، لیکن اس اعتبار سے مقید ہے کہ اُسے متعین وقت میں ہی رکھنا ضروری ہے، یعنی صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک۔

چنانچہ جب شریعت کسی عبادت کے حکم کو مطلق رکھے تو اس اطلاق سے یہ سمجھا جانا چاہئے کہ اس میں وسعت اور گنجائش ہے۔

اس لئے جس نے کسی مطلق عبادت کو کسی متعین وقت یا متعین جگہ کے ساتھ خاص کر لیا اُس نے شریعت کے مطلق حکم کو مقید کر دیا، اور یہ تقیید شارع کے مطلق حکم سے مستفاد وسعت وگنجائش کے مقصود کی کھلی مخالفت ہے۔

اس کا بیان عنقریب آئندہ قاعدہ میں آئے گا۔

اسی طرح جب شریعت کسی عبادت کو کسی متعین وقت یا متعین جگہ کے ساتھ خاص کر دے تو اس تخصیص سے یہ سمجھا جانا چاہئے کہ اسی کو اپنانا متعین اور لازم ہے۔

اس لئے جس نے کسی عبادت کو شارع کے خاص کردہ وقت ومقام کے علاوہ کے ذریعہ خاص کرلیا، اُس نے شارع کے مقید کردہ حکم کو مطلق کر دیا، اور یہ اطلاق شارع کی تخصیص سے حاصل شدہ تحدید و پابندی کے مقصود کی واضح مخالفت ہے۔

امام ابن رجب (۷۹۵ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَلَيْسَ مَا كَانَ قُرْبَةً فِي عِبَادَةٍ يَكُونُ قُرْبَةً فِي غَيْرِهَا مُطْلَقًا، فَقَدْ ''**رَأَى النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا قَائِمًا فِي الشَّمْسِ، فَسَأَلَ عَنْهُ، فَقِيلَ: إِنَّهُ نَذَرَ أَنْ يَقُومَ وَلَا يَقْعُدَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَأَنْ يَصُومَ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَقْعُدَ وَيَسْتَظِلَّ، وَأَنْ يُتِمَّ صَوْمَهُ**''[1]، فَلَمْ يَجْعَلْ قِيَامَهُ وَبُرُوزَهُ فِي الشَّمْسِ قُرْبَةً يُوفِي بِنَذْرِهِمَا ... مَعَ أَنَّ الْقِيَامَ عِبَادَةٌ فِي مَوَاضِعَ أُخَرَ، كَالصَّلَاةِ وَالْأَذَانِ وَالدُّعَاءِ بِعَرَفَةَ، وَالْبُرُوزُ لِلشَّمْسِ قُرْبَةٌ لِلْمُحْرِمِ، فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ كُلُّ مَا كَانَ قُرْبَةً فِي مَوْطِنٍ يَكُونُ قُرْبَةً فِي كُلِّ الْمَوَاطِنِ، وَإِنَّمَا يَتْبَعُ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ مَا وَرَدَتْ بِهِ الشَّرِيعَةُ فِي مَوَاضِعِهَا''۔[2]

جو چیز کسی عبادت میں قربت و نیکی ہوتی ہے مطلق طور پر دیگر عبادات میں قربت و نیکی نہیں ہوتی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دھوپ میں کھڑے ہوئے دیکھا، تو اس کے بارے میں پوچھا، آپ کو بتایا گیا کہ: اُس نے نذر مانا ہے کہ کھڑا رہے گا، بیٹھے گا نہ سائے

---

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے، ۱۱/ ۵۸۷، حدیث (۶۷۰۴)۔

[2] جامع العلوم والحکم، ۱/ ۱۷۸۔

میں جائے گا، اور اُسی حالت میں روزہ بھی رکھے گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے حکم دیا کہ بیٹھ جائے، سائے میں رہے اور اپنا روزہ مکمل کرے، [1] تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے کھڑے رہنے اور دھوپ میں رہنے کو قربت و نیکی نہیں قرار دیا جس کی نذر پوری کرنا ضروری ہو... جبکہ دوسری جگہوں پر کھڑا رہنا عبادت ہے، جیسے نماز، اذان، عرفہ میں دعاء، اور اسی طرح محرم (حالت احرام میں رہنے والے مرد) کے لئے عبادت کے طور دھوپ میں رہنے (یعنی سر کھلا رکھنے) وغیرہ حالات میں، اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل ایک جگہ قربت و نیکی ہوتا ہے، وہ ہر جگہ قربت و نیکی نہیں ہوتا، بلکہ اس سلسلہ میں شریعت اسلامیہ میں جن جگہوں پر جو ہدایات آئی ہوں گی اُنہی کی اتباع و پیروی کی جائے گی۔

❊ ❊ ❊

---

[1] [روایت اس طرح ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ، إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ، فَسَأَلَ عَنْهُ فَقَالُوا: أَبُو إِسْرَائِيلَ، نَذَرَ أَنْ يَقُومَ وَلاَ يَقْعُدَ، وَلاَ يَسْتَظِلَّ، وَلاَ يَتَكَلَّمَ، وَيَصُومَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ''مُرْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ، وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ''۔(بخاری، حدیث: ۶۷۰۴)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، اچانک آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں پوچھا، تو لوگوں نے بتلایا کہ اُس کا نام ابواسرائیل ہے، اس نے نذر مان رکھی ہے کہ کھڑا رہے گا، بیٹھے گا نہیں، نہ ہی سائے میں جائے گا، نہ بات کرے گا، اور روزہ رکھے گا! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُس سے کہہ دو کہ بات کرے، سایہ میں چلا جائے، بیٹھ جائے اور اپنا روزہ مکمل کرے۔(مترجم)]

نواں قاعدہ

ہر مطلق عبادت جو شریعت میں کسی عام دلیل سے ثابت ہو؛ اس عبادت کے اطلاق کو کسی متعین وقت یا متعین جگہ وغیرہ کے ذریعہ محدود ومقید کرنا، اس طور پر کہ اس سے یہ وہم پیدا ہو کہ وہ شرعاً مقصود ہے، جبکہ اس تقیید کی کوئی عام دلیل نہ ہو، بدعت ہے۔[1]

چند مثالیں:

اس کی مثالیں آئندہ سطور میں آنے والی وضاحت اور انیسویں قاعدہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ ان عبادات کے ساتھ مخصوص ہے جو اصل کے اعتبار سے ثابت ہوں، مگر صفت کے اعتبار سے نوایجاد (بدعت) ہوں، اس اعتبار سے کہ اس میں جو اطلاق، وسعت اور گنجائش

---

[1] دیکھئے: الباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص: ۴۷-۵۴، والاعتصام، ۱/ ۲۲۹-۲۳۱، ۲۵۲، ۳۴۵، ۳۴۶، ۲/ ۱۱، وأحکام الجنائز، ص: ۲۴۲۔

ہے اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

اس قاعدہ کی وضاحت ایک دوسرے قاعدہ کی وضاحت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، وہ یہ کہ: ''**حکم مطلق کی بجا آوری معین کو حاصل کئے بغیر ممکن نہیں**''جیسے فرمان باری تعالیٰ:

﴿فَتَحۡرِيرُ رَقَبَةٖ مُّؤۡمِنَةٖ﴾ [النساء:۹۲]۔

تو ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازمی ہے۔

میں غلام آزاد کرنے کے حکم-جو مطلق ہے- کی بجا آوری ایک متعین غلام زید یا عمرو کو آزاد کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''... فَالْحَقِيقَةُ الْمُطْلَقَةُ هِيَ الْوَاجِبَةُ، وَأَمَّا خُصُوصُ الْعَيْنِ فَلَيْسَ وَاجِبًا وَلَا مَأْمُورًا بِهِ، وَإِنَّمَا هُوَ أَحَدُ الْأَعْيَانِ الَّتِي يَحْصُلُ بِهَا الْمُطْلَقُ؛ بِمَنْزِلَةِ الطَّرِيقِ إِلَى مَكَّةَ، وَلَا قَصْدَ لِلْآمِرِ فِي خُصُوصِ التَّعْيِينِ''۔ [1]

...چنانچہ مطلق حقیقت ہی واجب ہے، رہی کسی معین کی تخصیص تو وہ واجب ہے نہ اس کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ وہ بہت سارے اعیان (اشخاص) میں سے کوئی ایک ہے جس سے مطلق حاصل ہوتا ہے؛ بالکل ایسے ہی جیسے مکہ کا راستہ، کہ حکم دینے والے کا خصوصی تعیین کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔

جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا، یعنی ''**حکم مطلق کی بجا آوری کا تحقق معین کو حاصل کئے بغیر ناممکن ہے**'' تو ایک اور قاعدہ ہے جو اس پر مبنی ہے، وہ یہ کہ ''**مطلق حکم اُس معین کو خاص کرنے پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ مشروع ہے یا اس کا حکم دیا گیا ہے**'' بلکہ اس سلسلہ میں

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۹/ ۳۰۰۔

دلائل کی طرف رجوع کیا جائے گا؛ اگر دلائل سے معلوم ہو کہ اس معین کی تخصیص مکروہ ہے تو اسے مکروہ سمجھا جائے گا اور اگر اس میں ایسی بات ہو جو اس کے مستحب ہونے کی متقاضی ہو تو وہ مستحب سمجھا جائے گا، ورنہ یونہی غیر مستحب وغیر مکروہ باقی رہے گا۔ [1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے آخری قاعدہ کی تعبیر ان الفاظ میں فرمائی ہے:

''شَرْعُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِلْعَمَلِ بِوَصْفِ الْعُمُومِ وَالْإِطْلَاقِ لَا يَقْتَضِي أَنْ يَكُونَ مَشْرُوعًا بِوَصْفِ الْخُصُوصِ وَالتَّقْيِيدِ''۔ [2]

عموم اور اطلاق کی صفت پر عمل کرنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم اس بات کا متقاضی نہیں کہ وہ خصوصیت اور تقید کی صفت کے ساتھ مشروع ہو۔

پھر آگے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ:

''وَهَذِهِ الْقَاعِدَةُ إِذَا جُمِعَتْ نَظَائِرُهَا نَفَعَتْ وَتَمَيَّزَ بِهَا مَا هُوَ الْبِدَعُ مِنْ الْعِبَادَاتِ الَّتِي يُشْرَعُ جِنْسُهَا''۔ [3]

اگر اس قاعدہ کے مثل دیگر قواعد اکٹھا کئے جائیں تو بہت مفید ہوں گے، اور ان کے ذریعہ عبادات میں پائی جانے والی وہ بدعات نمایاں ہو جائیں گی جن کی جنس مشروع ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر: روزہ اجمالی (عمومی) طور پر مستحب عمل ہے، شریعت اسلامیہ نے اُسے کسی وقت کے ساتھ خاص کیا ہے نہ اس کی بابت کسی خاص زمان کی حد بندی فرمائی ہے، سوائے اس کے کہ شریعت نے خصوصی طور پر کسی روزہ سے منع فرمایا ہے، جیسے عیدین کا روزہ،

---

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۹/ ۳۰۰۔
[2] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۰/ ۱۹۶۔
[3] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۰/ ۱۹۶۔

اسی طرح خصوصی طور پر کسی روزہ کو مستحب ومندوب قرار دیا ہے، جیسے یوم عرفہ ویوم عاشوراء کا روزہ۔ لہٰذا اگر مکلف ہفتہ میں کسی متعین دن مثلاً بدھ، یا مہینہ کے کچھ متعین ایام مثلاً ساتویں یا آٹھویں دن کو خاص کرلے، جس کی شارع نے تعیین نہ کی ہو، تو اس میں شک نہیں کہ یہ تخصیص بلا دلیل، محض رائے ہے، جس کے ذریعہ اُس نے شارع کے چند متعین دنوں کی تخصیص میں اُس کی برابری کی ہے، اس لئے مکلف کی جانب سے یہ تخصیص بدعت ہے؛ کیونکہ ایسا کرنا بلا دلیل شریعت سازی ہے۔ [1]

نیز امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَمِنْ ذَلِكَ تَخْصِيصُ الْأَيَّامِ الْفَاضِلَةِ بِأَنْوَاعٍ مِنَ الْعِبَادَاتِ الَّتِي لَمْ تُشْرَعْ لَهَا تَخْصِيصًا؛ كَتَخْصِيصِ الْيَوْمِ الْفُلَانِيِّ بِكَذَا وَكَذَا مِنَ الرَّكَعَاتِ، أَوْ بِصَدَقَةِ كَذَا وَكَذَا، أَوِ اللَّيْلَةِ الْفُلَانِيَّةِ بِقِيَامِ كَذَا وَكَذَا رَكْعَةٍ، أَوْ بِخَتْمِ الْقُرْآنِ فِيهَا أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ''۔ [2]

اسی قبیل سے فضیلت والے ایام میں مختلف قسم کی خصوصی عبادات کرنا بھی ہے، جس میں کوئی خصوصی عبادت مشروع نہیں ہے، جیسے فلاں فلاں دن خصوصی طور پر اتنی اتنی رکعتیں پڑھنا، یا اتنا اتنا صدقہ دینا، یا فلاں رات کو خصوصیت کے ساتھ اتنی اتنی رکعتیں نفل پڑھنا یا اس میں قرآن ختم کرنا، یا اس طرح کی دیگر عبادات انجام دینا۔

جب یہ دونوں قواعد معلوم ہوگئے تو واجب یہ ہے کہ شارع کے اطلاق وتعیین میں اُس کی پیروی کی جائے، جیسا کہ بات گزر چکی ہے۔

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۱۲۔

[2] الاعتصام، ۲/ ۱۲۔

اس طور پر کہ اگر شارع عبادات میں سے کسی عبادت کا مطلق حکم دے تو اس اطلاق سے وسعت وگنجائش سمجھی جانی چاہیے، بنابریں جس نے کسی مطلق عبادت کو کسی متعین وقت یا متعین جگہ کے ساتھ خاص کر دیا اُس نے شارع کے مطلق کردہ حکم کو مقید کر دیا، اور یہ تقیید شارع کے مطلق حکم سے حاصل ہونے والی وسعت وگنجائش کے مقصود کی واضح مخالفت ہے۔

امام ابوشامہ (٦٦٥ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَلَا يَنْبَغِي تَخْصِيصُ الْعِبَادَاتِ بأوقاتٍ لمْ يُخَصِّصْهَا بهَا الشَّرْعُ، بلْ يكونُ جَمِيعُ أَفعَالِ الْبِرِّ مُرْسلَةً فِي جَمِيعِ الْأَزْمَانِ، لَيْسَ لبعضها على بعضٍ فضلٌ إِلَّا مَا فَضَّلهُ الشَّرْعُ وَخَصَّهُ بِنَوْعٍ من الْعِبَادَةِ، فإنْ كَانَ ذَلِك؛ اخْتصَّ بِتِلْكَ الْفَضِيلَةِ تِلْكَ الْعِبَادَةُ دونَ غَيرهَا، كَصَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ، وعاشوراءَ، وَالصَّلَاةِ فِي جَوفِ اللَّيْلِ، وَالْعمْرَةِ فِي رَمَضَانَ"۔ [1]

عبادات کو متعین اوقات کے ساتھ خاص کرنا جن کے ساتھ شریعت نے خاص نہ کیا ہو، مناسب نہیں، بلکہ نیکیوں کے تمام اعمال تمام اوقات میں آزاد ہوں گے، کسی وقت کو کسی وقت پر کوئی فضیلت نہیں ہوگی، سوائے اس وقت کے جسے شریعت نے فضیلت دی ہو اور کسی قسم کی عبادت کے ساتھ خاص کیا ہو، اگر ایسا ہو تو؛ وہی عبادت اس فضیلت کے ساتھ خاص ہوگی، دوسری عبادت نہیں، جیسے یوم عرفہ کا روزہ، عاشوراء کا روزہ، رات کے نصف پہر میں شب بیداری اور رمضان میں عمرہ کی ادائیگی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (٧٢٨ھ) رحمہ اللہ اس طرح کی تخصیص کے نتیجے میں ہونے والے فساد کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] الباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص: ٥١۔

"...مَنْ أَحْدَثَ عَمَلاً فِي يَومٍ؛ كَإِحْدَاثِ صَوْمِ أَوَّلِ خَمِيسٍ مِنْ رَجَبٍ ... فَلَا بُدَّ أَنْ يَتْبَعَ هَذَا العَمَلَ اعْتِقَادٌ فِي الْقَلْبِ.

وَذٰلِكَ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ أَنْ يَعْتَقِدَ أَنَّ هَذَا الْيَوْمَ أَفْضَلُ مِنْ أَمْثَالِهِ، وَأَنَّ الصَّوْمَ فِيهِ مُسْتَحَبٌ اسْتِحْبَابًا زَائِدًا عَلَى الْخَمِيْسِ الَّذِيْ قَبْلَهُ وَبَعْدَهُ مَثَلاً ... إِذْ لَوْلَا قِيَامُ هَذَا الْاِعْتِقَادِ فِي قَلْبِهِ، أَوْ فِي قَلْبِ مَتْبُوعِهِ لَمَا انْبَعَثَ الْقَلْبُ لِتَخْصِيْصِ هَذَا الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، فَإِنَّ التَّرْجِيْحَ مِنْ غَيْرِ مُرَجِّحٍ مُمْتَنِعٌ"۔ [1]

جو کسی دن میں کوئی نیا عمل ایجاد کرے گا؛ جیسے ماہ رجب کے پہلے جمعرات کو روزہ رکھنا... لازماً اس عمل کے پیچھے دل میں کوئی عقیدہ ہوگا۔

کیونکہ اس کے پیچھے اس کا یہ عقیدہ ضرور ہوگا کہ یہ دن اس جیسے دیگر دنوں سے افضل ہے، اور اس میں روزہ رکھنا اس سے پہلے اور بعد والے جمعرات کی بہ نسبت زیادہ مستحب ہے... کیونکہ اگر اس کے دل میں یا اس کے امام و پیشوا کے دل میں یہ عقیدہ نہ ہوتا تو دل اس دن اور رات میں خصوصی نیکی کرنے پر آمادہ نہ ہوتا، کیونکہ کسی موجب ترجیح کے بغیر ترجیح ناممکن امر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ تخصیص اس مفسدہ سے خالی ہو تو خاص کرنا روا ہوگا، بایں طور کہ تخصیص کا کوئی ایسا معقول سبب ہو؛ جو اہل دانش وبینش، نیز فارغ البالی اور نشاط وچستی والے افراد کے یہاں مقصود ہوتا ہو؛ جیسے نماز استسقاء پڑھنے کے لئے جمعرات کو اس لئے کہ خاص کرنا کہ اس دن لوگ اپنے کاموں سے فارغ ہوتے ہیں، لہٰذا اس دن لوگوں کا اکٹھا ہونا زیادہ آسان ہے، ایسے ہی آدمی کا اپنے لئے عبادت کا کوئی وظیفہ خاص کر لینا

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۶۰۰۔

جس کی وہ مخصوص اوقات میں ہر شب یا ہر ہفتہ اس کی پابندی کرے، کیونکہ وہ وقت اس کے لئے ہمیشگی برتنے کے لئے زیادہ مناسب اور آسان تر ہے، تو اس قسم کی تخصیص شارع کے مقصود کے مطابق ہے۔

لیکن اگر تخصیص اس بات کا ذریعہ بن جائے کہ اس سلسلہ میں وہ بات سوچ لی جائے جو مشروع نہیں، تو دو امور کے سبب اس سے منع کیا جائے گا:

اول: غیر مشروع سوچ کا ذریعہ بننے کے سبب۔

دوم: اس لئے کہ یہ وسعت وگنجائش کے مقصد کے منافی ہے۔

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ثُمَّ إِذَا فَهِمْنَا التَّوْسِعَةَ؛ فَلَا بُدَّ مِنَ اعْتِبَارِ أَمْرٍ آخَرَ، وَهُوَ أَنْ يَكُونَ الْعَمَلُ بِحَيْثُ لَا يُوهِمُ التَّخْصِيصُ زَمَانًا دُونَ غَيْرِهِ، أَوْ مَكَانًا دُونَ غَيْرِهِ، أَوْ كَيْفِيَّةً دُونَ غَيْرِهَا، أَوْ يُوهِمُ انْتِقَالَ الْحُكْمِ مِنْ الاِسْتِحْبَابِ - مَثَلًا - إِلَى السُّنَّةِ أَوِ الْفَرْضِ''۔[1]

جب ہم نے وسعت وگنجائش کا معنیٰ سمجھ لیا؛ تو ایک دوسری بات کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ عمل اس طرح انجام دیا جائے کہ اس سے کسی خاص وقت، یا کسی خاص جگہ یا کسی خاص کیفیت کا وہم پیدا نہ ہو، یا اسی طرح حکم بدل جانے، مثلاً استحباب سے سنت یا فرض ہونے کا شبہہ پیدا نہ ہو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مطلق عبادت کو دو شرطوں کی بنیاد پر خاص کرنا جائز ہے:

پہلی شرط: اس تخصیص میں وسعت وگنجائش کی بابت شریعت کے مقصود کی مخالفت نہ ہو۔

[1] الاعتصام، ۱/ ۲۵۱۔

دوسری شرط: اس تخصیص سے اس بات کا وہم نہ ہو کہ یہ شرعاً مقصود ہے۔
عنقریب اس وہم کے بارے میں تفصیلی گفتگو انیسویں قاعدہ میں آئے گی۔

اس موقع پر چند تنبیہات:

۱۔ مطلق عبادت کو خاص کرنے سے دلیل کے عموم واطلاق کی مخالفت ہوتی ہے۔

۲۔ اس تخصیص سے ذرائع اور چور دروازے کھلتے ہیں، بایں طور کہ اس سے اس چیز کا وہم پیدا ہوتا ہے جو مشروع نہیں۔

۳۔ اس تخصیص سے ترک (چھوڑنے) کی سنت کے ساتھ ٹکراؤ لازم آتا ہے، اس اعتبار سے کہ ممانعت پر سنتِ ترک کی دلالت اسی تخصیص کا حصہ ہے، اور چوتھے قاعدہ کے تحت اس بات پر تنبیہ کی جا چکی ہے کہ سنت ترک ایک خاص دلیل ہے جو تمام عام مطلق دلائل پر مقدم ہے۔

۴۔ اس تخصیص سے سلف صالحین کے عمل کی مخالفت ہوتی ہے، کیونکہ وہ سنت کو اس خوف سے ترک کر دیتے تھے کہ اُسے فرض نہ سمجھ لیا جائے، جیسا کہ تیسرے اصول ''یعنی بدعت تک پہنچانے والے ذرائع میں'' اُن کے اقوال نقل کئے جا چکے ہیں۔

۵۔ اس قاعدہ سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو بعض بدعات کی انجام دہی کے لئے دلائل کے عمومات واطلاقات کو اپناتے اور اس سے استدلال کرتے ہیں۔

۶۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ اضافی بدعات کے ساتھ خاص ہے، جن کا ایک اعتبار سے تو عام دلیل سے تعلق ہوتا ہے، لیکن دوسرے اعتبار سے وہ -عموم سے مستفاد- وسعت وگنجائش کے مقصود کے خلاف ہوتے ہیں۔

۷۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قاعدہ کی جہت سے واقع ہونے والی بدعت کا معاملہ بڑا دقیق ہے، جو نادر اور بمشکل ہی سمجھ میں آتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَيْسَ كُلُّ أَحدٍ، بَلْ وَلَا أَكْثَرُ النَّاسِ يُدْرِكُ فَسَادَ هَذَا النَّوْعِ مِنَ الْبِدَعِ، لَا سِيَّمَا إِذَا كَانَ مِنْ جِنْسِ الْعِبَادَاتِ الْمَشْرُوْعَةِ، بَلْ أُولُو الْأَلْبَابِ هُمُ الَّذِيْنَ يُدْرِكُونَ بَعْضَ مَا فِيْهِ مِنَ الْفَسَادِ“۔ [1]

جان لو کہ ہر کس و ناکس، بلکہ زیادہ تر لوگ اس قسم کی بدعات کا علم و ادراک نہیں کر پاتے، بالخصوص اگر اس کا تعلق مشروع عبادات کی جنس سے ہو، بلکہ عقل و بصر تمند حضرات ہی اس میں موجود کچھ فساد کا ادراک کر پاتے ہیں۔

* * *

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۶۰۰۔

دسواں قاعدہ

عبادت کی شرعی مقدار میں اضافہ اور اس کی انجام دہی میں شدت پسندی وتکلف کے ذریعہ غلو کرنا' بدعت ہے۔ [1]

چند مثالیں:

۱۔ سونا (نیند) ترک کر کے پوری رات قیام اللیل، زندگی بھر روزہ، اور شادی نہ کر کے عورتوں سے کنارہ کشی وغیرہ کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا۔ یہ چیزیں تین لوگوں کے واقعہ میں آئی ہیں، جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

۲۔ جمرات کو کنکریوں کے بجائے بڑے پتھروں سے مارنا، اس عقیدہ کی بنیاد پر کہ چھوٹی کنکریوں کی بہ نسبت اس کی ضرب زیادہ کاری ہے۔ [2]

۳۔ وضو اور غسل میں وسوسہ، کپڑوں کو فضول خرچی کے ساتھ زیادہ پانی سے دھونا، غیر مشروع جگہ پر پانی بہانا، اور اس میں تکلف، شدت اور کرید سے کام لینا۔ [3]

قاعدہ کی وضاحت:

اس قاعدہ کی اصل اور بنیاد تین لوگوں کا (درج ذیل) واقعہ ہے:

---

[1] دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۰/ ۳۹۲، والاعتصام، ۲/ ۱۳۵، واحکام الجنائز، ص: ۲۴۲۔

[2] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۲۸۸، ۲۸۹۔

[3] دیکھئے: الأمر بالاتباع والنہی عن الابتداع، ص: ۲۹۱۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ، يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا، فَقَالُوا: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ.

قَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا.

فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: ''**أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي**''۔[1]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین لوگ نبی کریم ﷺ کی عبادت سے متعلق دریافت کرنے کے لئے ازواج مطہرات کے گھر آئے، جب انہیں بتایا گیا، تو گویا انہوں نے اتنی عبادت کو بہت کم سمجھا، اور کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی کریم ﷺ؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں!

چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں زندگی بھر روزہ رکھوں گا کبھی بے روزہ نہ رہوں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ ہو جاؤں گا، کبھی شادی ہی نہ کروں گا۔ تب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم ہی لوگوں نے ایسی ایسی بات کہی ہے؟ سن لو اللہ کی قسم! میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، اور تم میں سب سے

[1] صحیح بخاری، ۹/ ۱۰۴، حدیث (۵۰۶۳)، حدیث گزر چکی ہے، دیکھئے: ص (۱۴۱)۔

زیادہ تقویٰ والا ہوں، لیکن اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، لہٰذا جس نے میرے طریقہ سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دین میں غلو اور شدت پسندی دو ابواب میں داخل ہوتی ہے[1] :

۱۔ عبادات کے باب میں: یہ غیر واجب ومستحب حکم کو واجب ومستحب کے درجہ میں سمجھنے کے سبب ہوتا ہے، جیسے ہمیشہ روزہ رکھنا۔

۲۔ طیبات (پاکیزہ نعمتوں) کے باب میں: یہ غیر حرام ومکروہ حکم کو حرام ومکروہ کے درجہ میں سمجھنے کے سبب ہوتا ہے، جیسے نکاح نہ کرنا۔

اس موقع پر اس بات کی یاد دہانی مناسب ہے کہ دین میں غلو اور شدت پسندی نصاریٰ کا طریقہ اور ان کی گمراہی کا سبب ہے،" اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہی کو غلو سے منع فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ﴾ [النساء:۱۷۱]۔

اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ"۔[2]

* * *

---

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۲۸۳، ومجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۳/ ۳۶۰۔

[2] اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۲۸۹۔

دوسرا اصول:

دین کے نظام کے خلاف بغاوت کرنا

اس اصول کے تحت آٹھ جامع قواعد آتے ہیں:

اس کی وضاحت: یوں ہے کہ اللہ کے دین کی تابعداری دین کے تمام **اصول اور احکام** میں اسے مکمل تسلیم کرنے اور اس کے تابع فرمان ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

رہا مسئلہ **دین کے اصولوں میں اس کی تابعداری کا تو اس کی مخالفت** نئے نئے اصول وعقائد ایجاد کرنے کے ذریعہ ہوتی ہے، یا تو اس لئے کہ وہ نصوص وحی کے معارض ومخالف ہوتے ہیں، یا ان نصوص میں ماثور ومنقول نہیں ہوتے ہیں، اسی طرح اس میں یہ بھی شامل ہے کہ: اِس دین کے اصولوں کو بے جا بحث وتکرار اور حجت و جدال کی آماجگاہ بنا دیا جائے، جس کا نتیجہ - عام طور پر - نصوص شریعت پر اعتراض کرنا ہوتا ہے، یہ تین جامع قواعد ہوئے جو اصول دین سے متعلق ہیں۔

اور جہاں تک رہا مسئلہ **دین کے احکام میں اس کی تابعداری کا تو اس کی مخالفت** نئے نئے احکام ومسائل ایجاد کرنے کے ذریعہ ہوتی ہے، یا تو اس لئے کہ وہ دین کے بعض ثابت شدہ احکام میں تغیر وتبدیلی ہوتے ہیں، یا اس لئے کہ وہ اللہ کے احکام وشریعت میں اضافہ اور اس پر استدراک وتعاقب ہوتے ہیں، بایں طور کہ لوگوں پر اُس کی پیروی اور

پابندی فرض قرار دی جاتی ہے، یہ دو جامع قواعد ہوئے جو دین کے احکام سے متعلق ہیں، اس طرح سابقہ تفصیلات سے کل پانچ قواعد حاصل ہوئے۔

نیز اس دین کو تسلیم کرنے کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ اس کے دشمن کافروں کی مشابہت اختیار نہ کی جائے، **اور اس تقاضہ کی مخالفت کافروں کی مشابہت اختیار کرنے کے ذریعہ ہوتی ہے؛** یا تو یہ مشابہت ان کی عباداتی وعاداتی خصوصیات میں ہوتی ہے، یا ان کی خصوصیات کے علاوہ اُن کی بدعات ومحدثات میں ہوتی ہے جسے انہوں نے اپنے دین میں ایجاد کر رکھا ہے، نیز کافروں کی مشابہت میں بعض جاہلی اعمال کی انجام دہی بھی شامل ہے، اس طرح یہ تین جامع قواعد ہوئے۔

آئندہ صفحات میں ان قواعد کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

گیارہواں قاعدہ

جو بھی عقائد، آراء اور علوم نصوصِ کتاب وسنت کے معارض ہوں یا امت کے سلف صالحین کے اجماع کے خلاف ہوں' وہ بدعت ہیں۔ [1]

اس قاعدہ کے تحت درج ذیل تین صورتیں داخل ہیں:

پہلی صورت:

عقل ورائے کو ٹھوس اور اٹل اصول بنالیا جائے، اُسے قطعی قرار دیا جائے، اور سمعی نصوص (کتاب وسنت کے دلائل) کو اُس پر پیش کیا جائے، چنانچہ جو اس کے موافق ہو قبول کیا جائے اور جو اس کے خلاف ہو اُسے رد کر دیا جائے۔ اور یہ چیز تفویض، یا تاویل، یا تعطیل کو بھی شامل ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَأَمَّا مُعَارَضَةُ الْقُرْآنِ بمعقولٍ أَوْ قِيَاسٍ فَهَذَا لَمْ يكنْ يستحلهُ أَحَدٌ مِنَ السّلفِ. وَإِنَّمَا ابتُدِعَ ذَلِكَ لما ظَهرتِ الْجَهْمِيةُ والمعتزلةُ وَنَحْوُهمْ مِمَّنْ بنوا أصُولَ

[1] دیکھئے: جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/ ۱۰۵۲، ودرء تعارض العقل والنقل، ۱/ ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۴۸، وإعلام الموقعین، ۱/ ۶۷، والاعتصام، ۱/ ۱۰۱-۱۰۶، وفضل علم السلف علی علم الخلف ص: ۳۹- ۴۴، وأحکام الجنائز ص: ۲۴۲۔

دِينهمْ عَلَى مَا سَمَّوهُ مَعْقُولاً وَرَدُّوا الْقُرْآنَ إِلَيْهِ، وَقَالُوا: إِذَا تَعَارَضَ الْعقلُ وَالشَّرْعُ إِمَّا أَنْ يُفَوَّضَ أَو يُتَأَوَّلَ، فَهؤُلَاءِ مِنْ أَعظَمِ الْمُجَادِلِيْنَ فِي آيَاتِ اللهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ''۔ (1)

جہاں تک رہی بات عقل و دانشوری اور قیاس ولاجک کے ذریعہ قرآن کریم کا معارضہ کرنے کی تو سلف صالحین میں اسے کوئی حلال نہیں سمجھتا تھا۔ درحقیقت یہ بدعت اس وقت معرض وجود میں آئی جب جہمیہ، معتزلہ اور ان جیسے دیگر فرقوں کا ظہور ہوا، جنہوں نے اپنے دین کے اصولوں کی بنیاد اس چیز پر رکھا جسے انہوں نے ''معقول'' کا نام دیا ہے اور قرآن کریم کو اُس کی جانب لوٹایا، اور کہا کہ: اگر عقل اور شریعت میں تعارض ہو تو یا تو اُس کی تفویض (انکار وتردید) کی جائے گی یا تاویل (تحریف) سے کام لیا جائے گا، چنانچہ یہ لوگ اللہ کی آیات میں سب سے بڑے جھگڑنے والے ہیں، جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور امام ابن ابوالعز حنفی (۷۹۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بَلْ كُلُّ فَرِيقٍ مِنْ أَرْبَابِ الْبِدَعِ يَعْرِضُ النُّصُوصَ عَلَى بِدْعَتِهِ، وَمَا ظَنَّهُ مَعْقُولًا: فَمَا وَافَقَهُ قَالَ: إِنَّهُ مُحْكَمٌ، وَقَبِلَهُ وَاحْتَجَّ بِهِ!! وَمَا خَالَفَهُ قَالَ: إِنَّهُ مُتَشَابِهٌ، ثُمَّ رَدَّهُ، وَسَمَّى رَدَّهُ تَفْوِيضًا! أَوْ حَرَّفَهُ، وَسَمَّى تَحْرِيفَهُ تَأْوِيلًا!! فَلِذَلِكَ اشْتَدَّ إِنْكَارُ أَهْلِ السُّنَّةِ عَلَيْهِمْ''۔ (2)

بلکہ بدعتیوں کا ہر گروہ نصوص کو اپنی بدعت اور جسے وہ ''معقول'' سمجھتا ہے اُس پر پیش کرتا ہے، چنانچہ جو چیز اس کے موافق ہوتی ہے، کہتا ہے کہ یہ محکم ہے، اور اُسے قبول کرتا اور اس

---

(1) الاستقامة، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ۱/ ۲۳۔

(2) شرح العقیدۃ الطحاویہ، ص: ۳۹۹، نیز دیکھئے: درء تعارض العقل والنقل، ۱/ ۲۷۵۔

سے حجت پکڑتا ہے!! اور جو چیز اس کے خلاف ہوتی ہے، کہتا ہے کہ یہ متشابہ ہے، اور اُسے ٹھکرا دیتا ہے، اور اُس ٹھکرانے کو تفویض کہتا ہے! یا اس کی تحریف کرتا ہے، اور اس تحریف کو تاویل کا نام دیتا ہے!! اسی لئے اہل سنت نے اُن پر سخت نکیر کیا ہے۔

نصوص کے معارض ومخالف رائے کبھی اعتقادی مسائل اور دین کے اصولوں میں ہوتی ہے، اور کبھی فقہ کے اصول، قواعد اور فروع میں۔

پہلی قسم میں سے: عقائد میں ایجاد کردہ بدعات ہیں، جیسے جہم بن صفوان اور دیگر اہل کلام (عقل پرستوں، فلسفیوں) کی رائے؛ کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قیاسات اور عقل و دانش کو نصوص کی تردید وانکار میں استعمال کیا۔[1]

امام ذہبی (۷۴۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں[2]:

''فأَوَّلُ ذَلِكَ بِدعَةُ الخَوَارِجِ، حَتَّى قَالَ أَوَّلُهُم لِلنَّبِيِّ ﷺ: "اعدِل"''۔[3]

---

1. دیکھئے: إعلام الموقعین، ۱/ ۶۸۔
2. امام ذہبی کی تمام باتیں اُن کی کتاب ''التمسک بالسنن'' میں ملاحظہ فرمائیں، ص: ۱۰۱- ۱۰۴۔
3. صحیح بخاری، ۶/ ۶۱۷، حدیث (۳۶۱۰)۔

[حدیث اس طرح ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يَقْسِمُ قِسْمًا، أَتَاهُ ذُو الخُوَيْصِرَةِ، وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ اعْدِلْ، فَقَالَ: ''**وَيْلَكَ، وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ، قَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ**''.

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، درانحالیکہ آپ ﷺ (حنین کا مال غنیمت) تقسیم کر رہے تھے، اسی دوران ذوالخویصرہ جو قبیلۂ بنو تمیم کا ایک فرد ہے' آپ ﷺ کے پاس آیا، اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! انصاف سے کام لیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا: تیری بربادی ہو! اگر میں نے انصاف نہیں کیا ہے تو بھلا اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں نے انصاف نہیں کیا ہے، تو تو خائب وخاسر ہو گیا۔ (مترجم)]

فَهؤُلَاءِ يُصَرِّحُونَ بِمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ المتَوَاتِرَةِ، وَيَقِفُونَ مَعَ الكِتَابِ، فَلَا يَرجُمُونَ الزَّانِي، وَلَا يَعتَبِرُونَ النِّصَابَ فِي السَّرِقَةِ، فَبِدعَتُهُم تُخَالِفُ السُّنَنَ المتَوَاتِرَةَ''۔

سب سے پہلے خوارج کی بدعت ظاہر ہوئی، یہاں تک کہ سب سے پہلے خارجی (ذو الخویصرہ تمیمی) نے نبی کریم ﷺ سے کہا: ''انصاف کیجئے!''۔

چنانچہ یہ لوگ متواتر سنت کی صریح مخالفت کرتے ہیں، اور کتاب اللہ کے ساتھ رہتے ہیں، اسی لئے زنا کار کو سنگسار کرتے ہیں نہ چوری میں نصاب کا اعتبار کرتے ہیں، لہٰذا ان کی بدعت متواتر سنتوں کے خلاف ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

''ثُمَّ ظَهَرَ فِي حُدُودِ السَّبْعِينَ بِدعَةُ القَدَرِ، كَذَّبُوا بِالعِلمِ، أَو بِالمشِيئَةِ العَامَّةِ، وَذَلِكَ مُخَالِف لِلكِتَابِ وَالسُّنَّةِ''۔

پھر سنہ ۷۰ھ کے قریب انکار تقدیر کی بدعت ظاہر ہوئی، انہوں نے (اللہ کے) علم یا عام مشیئت کو جھٹلایا، جو کتاب وسنت کے خلاف ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

''ثُمَّ وُجِدَت بِدعَةُ الجَهمِيَّةِ، وَالكَلَامُ فِي اللهِ، فَأَنكَرُوا الكَلَامَ وَالمحَبَّةِ، وَأَن يَكُونَ كَلَّمَ مُوسَى، أَو اتَّخَذَ إِبرَاهِيمَ خَلِيلًا، أَو أَنَّهُ عَلَى العَرشِ استَوَى، وَذَلِكَ مُخَالِف لِلنُّصُوصِ''۔

پھر جہمیہ کی بدعت اور اللہ کے بارے میں کلام (کی بدعت) کا وجود ہوا، چنانچہ انہوں نے کلام اور محبت کی صفت کا انکار کیا، نیز اللہ عزوجل کے موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہونے، ابراہیم علیہ السلام کو جگری دوست بنانے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار

کیا، جبکہ یہ ساری باتیں نصوص کے خلاف ہیں۔

مزید چند مثالیں:

بعض لوگ ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جو - بزعم خویش - ان کے اغراض ومقاصد اور عقیدہ وموقف کے خلاف آئی ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ''معقول'' کے خلاف ہیں، دلیل کے تقاضہ کے مطابق نہیں ہیں؛ اس لئے انہیں رد کر دینا واجب ہے، جیسے: عذاب قبر، پل صراط، میزان، اور آخرت میں دیدار الٰہی کے منکرین۔

اسی طرح اس حدیث کا (بھی انکار کرتے ہیں) جس میں مکھی اور اسے مارنے کا حکم ہے، نیز یہ کہ اس کے ایک بازو میں بیماری اور دوسرے بازو میں شفاء ہے اور وہ بیماری والے بازوں کو پہلے ڈالتی ہے[1]، اور اس حدیث کا بھی جس میں اس شخص کا ذکر ہے جس کے بھائی کا پیٹ چل رہا تھا تو آپ ﷺ نے اُسے شہد پلانے کا حکم دیا[2]، اور اس جیسی دیگر بہت سی

---

[1] اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ''**إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ، ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ، فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ شِفَاءً، وَفِي الْآخَرِ دَاءً**''[دیکھئے: صحیح بخاری، کتاب الطب، باب إذا وقع الذباب فی الاناء، ۷/ ۱۴۰، حدیث (۵۷۸۲)]۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اُسے پوری طرح اُس میں ڈبو دے، پھر نکال کر پھینک دے، کیونکہ اُس کے ایک بازو میں شفا ہوتی ہے اور دوسرے میں بیماری''۔

[2] اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: أَخِي يَشْتَكِي بَطْنَهُ، فَقَالَ: ''**اسْقِهِ عَسَلًا**'' ثُمَّ أَتَى الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: ''**اسْقِهِ عَسَلًا**'' ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: ''**اسْقِهِ عَسَلًا**'' ثُمَّ أَتَاهُ فَقَالَ: قَدْ فَعَلْتُ؟ فَقَالَ: ''**صَدَقَ اللَّهُ، وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ، اسْقِهِ عَسَلًا**'' فَسَقَاهُ فَبَرَأَ. ==

صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں جو عادل اور معتبر راویوں سے منقول ہیں۔

اور دوسری قسم میں سے: فقہ اور اصول فقہ میں ایجاد کردہ قواعد وضوابط ہیں جو نصوص وحی (کتاب وسنت) کو اُن کی طرف لوٹانے کو شامل ہیں۔

اس کی چند مثالیں:

الف: عقلی بنیادوں پر کسی چیز کو اچھا یا بُرا قرار دینا۔ (1)

ب: کتاب اللہ پر اکتفا کرنا اور سنت پر عمل سے بالکلیہ انکار کرنا۔ (2)

ج: خبر واحد پر عمل نہ کرنے کا موقف۔ (3)

د: جو امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

”وَرُبَّمَا قَدَحُوا فِي الرُّوَاةِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمْ – وَحَاشَاهُم – وَمَنِ اتَّفَقَ الْأَئِمَّةُ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ عَلَى عَدَالَتِهِمْ وَإِمَامَتِهِمْ؛ كُلُّ ذَلِكَ لِيَرُدُّوا بِهِ عَلَى مَنْ خَالَفَهُمْ فِي الْمَذْهَبِ.

== [متفق علیہ: صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الدواء بالعسل، ۷/ ۱۲۳، حدیث (۵۶۸۴)، وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب التداوی بسقی العسل، ۴/ ۱۷۳۶، حدیث (۲۲۱۷)]۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: میرے بھائی کو دست آنے کے سبب پیٹ میں سخت درد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اُسے شہد پلاؤ، وہ پھر دوبارہ آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اُسے شہد پلاؤ، وہ پھر تیسری بار آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اُسے شہد پلاؤ، وہ پھر آیا، اور کہا: میں نے شہد پلا دیا (آرام نہیں ہوا، اب کیا کروں؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے سچ کہا ہے، تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، اُسے شہد پلاؤ، بالآخر اُس نے پلایا تو وہ ٹھیک ہوگیا۔ (مترجم)]

(1) دیکھئے: الاعتصام، ۱/ ۱۴۴، ۲/ ۹۹، والابداع فی مضار الابتداع، از شیخ علی محفوظ، ص: ۶۱۔

(2) دیکھئے: الاعتصام، ۱/ ۱۰۹-۱۱۰، والابداع فی مضار الابتداع، از شیخ علی محفوظ، ص: ۶۱، ۶۲۔

(3) دیکھئے: الاعتصام، ۱/ ۱۰۹، ۲۳۲، ۲/ ۹۹، والابداع فی مضار الابتداع، از شیخ علی محفوظ، ص: ۶۲، ۶۳۔

وَرُبَّمَا رَدُّوا فَتَاوِيَهُمْ وَقَبَّحُوهَا فِي أَسْمَاعِ الْعَامَّةِ؛ لِيُنَفِّرُوا الْأُمَّةَ عَنْ أَتْبَاعِ السُّنَّةِ وَأَهْلِهَا''۔ [1]

بسا اوقات صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم جیسے ناقلین وراویان اسلام اور ائمہ محدثین نے جن دیگر راویوں کی عدالت وامامت پر اتفاق کیا ہے، اُن کی عیب جوئی اور طعنہ زنی کرتے ہیں، یہ ساری چیزیں اس لئے کرتے ہیں تاکہ اُس کے ذریعہ اپنے مذہب وموقف کے مخالفین کی تردید کریں۔

اور بسا اوقات ان کے فتاویٰ کو رد کرتے ہیں اور انہیں عوام الناس کے کانوں میں بُرا اور گندا بناتے ہیں؛ تاکہ امت کے لوگوں کو سنت اور اہل سنت کی پیروی سے متنفر کریں۔

ھ: جو امام ابن رجب (۷۹۵ھ) رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''وَمِنْ ذَلِكَ - أَعْنِي مُحْدَثَاتِ الْعُلُومِ - مَا أَحْدَثَهُ فُقَهَاءُ أَهْلِ الرَّأْيِ مِنْ ضَوَابِطَ وَقَوَاعِدَ عَقْلِيَّةٍ وَرَدِّ فُرُوعِ الْفِقْهِ إِلَيْهَا، سَوَاءٌ أَخَالَفَتِ السُّنَنَ أَمْ وَافَقَتْهَا طَرْداً لِتِلْكَ الْقَوَاعِدِ الْمُقَرَّرَةِ، وَإِنْ كَانَ أَصْلُهَا مِمَّا تَأَوَّلُوهُ عَلَى نُصُوصِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ لٰكِنْ بِتَأْوِيلَاتٍ يُخَالِفُهُمْ غَيْرُهُمْ فِيهَا''۔ [2]

نو ایجاد (بدعتی) علوم میں وہ عقلانی قواعد وضوابط بھی ہیں جنہیں فقہائے اہل رائے نے مسلم اور ثابت شدہ قواعد کو نظر انداز کرتے اور ٹھکراتے ہوئے ایجاد کیا ہے اور فقہ کی فروعات کو ان کی طرف لوٹایا ہے، خواہ وہ سنت کے مخالف ہوں یا موافق۔ اگرچہ ان قواعد کو انہوں نے نصوص کتاب وسنت ہی کی توجیہات وتاویلات کی روشنی میں وضع کیا ہے لیکن یہ تاویلات

---

[1] الاعتصام، ۱/۲۳۱-۲۳۲۔ نیز دیکھئے: ۱/۲۴۶-۲۴۸۔

[2] فضل علم السلف علی علم الخلف، ص: ۷۴۔

ایسی ہیں جن میں دیگر لوگ ان کے مخالف ہیں۔

دوسری صورت:

اللہ کے دین میں بلاعلم فتویٰ دینا۔

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَكُلُّ مَنِ اعْتَمَدَ عَلَى تَقْلِيدِ قَوْلٍ غَيْرِ مُحَقَّقٍ، أَوْ رَجَّحَ بِغَيْرِ مَعْنًى مُعْتَبَرٍ فَقَدْ خَلَعَ الرِّبْقَةَ وَاسْتَنَدَ إِلَى غَيْرِ شَرْعٍ، عَافَانَا اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ بِفَضْلِهِ.

فَهَذِهِ الطَّرِيقَةُ فِي الْفُتْيَا مِنْ جُمْلَةِ الْبِدَعِ الْمُحْدَثَاتِ فِي دِينِ اللَّهِ تَعَالَى، كَمَا أَنَّ تَحْكِيمَ الْعَقْلِ عَلَى الدِّينِ مُطْلَقًا مُحْدَثٌ''۔ [1]

ہر وہ شخص (مفتی) جس نے کسی غیر محقق قول کی تقلید پر اعتماد کیا، یا کسی معتبر معنیٰ (سبب) کے بغیر کسی بات کو راجح قرار دیا، اُس نے اپنی گردن سے اتباع کا پٹہ نکال پھینکا، اور غیر شریعت کو حرز جاں بنالیا، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے اس سے عافیت عطا فرمائے۔

چنانچہ فتویٰ دہی کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کے دین میں نو ایجاد بدعات میں سے ہے، اسی طرح عقل کو دین کے خلاف مطلق طور پر فیصل اور حاکم بنانا بھی نو ایجاد (بدعت) ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

''زِيَادَةً إِلَى الْقَوْلِ بِالرَّأْيِ غَيْرِ الْجَارِي عَلَى الْعِلْمِ، وَهُوَ بِدْعَةٌ أَوْ سَبَبُ الْبِدْعَةِ ... وَهُوَ الَّذِي بَيَّنَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِقَوْلِهِ:

''**حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ، اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤَسَاءَ جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ**

---

[1] الاعتصام، ۲/ ۱۷۹۔

عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا''۔ [1]

وَإِنَّمَا ضَلُّوا لِأَنَّهُمْ أَفْتَوْا بِالرَّأْيِ إِذْ لَيْسَ عِنْدَهُمْ عِلْمٌ''۔ [2]

اتنا ہی نہیں کہ یہ چیز محض رائے کی بنیاد پر کوئی بات کہنا ہے، جو علمی اصول پر مبنی نہیں، بلکہ اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے، یعنی بدعت یا بدعت کا سبب ہے ... اس چیز کو نبی کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان میں بیان کیا ہے:

ترجمہ: یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے، ان سے سوال کیا جائے گا، وہ بلا علم فتویٰ دیں گے، چنانچہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

چنانچہ یہ لوگ محض اسی لئے گمراہ ہوں گے کہ رائے کی بنیاد پر فتویٰ دیں گے، کیونکہ ان کے پاس علم نہیں ہوگا۔

اور اس صورت سے قریب تیسری صورت ہے:

تیسری صورت:

حادثات اور ہنگامی صورتحال پیش آنے سے پہلے اُن میں عقل و رائے کا استعمال کرنا، اور مشکل و پیچیدہ مسائل اکٹھا کرنے اور انہیں از بر کرنے میں مشغول ہونا؛ کیونکہ ان مسائل میں الجھنے کے سبب سنتیں مٹتی اور متروک ومہجور ہوتی ہیں، نیز یہ چیزیں سنتوں سے جہالت ولاعملی کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ [3]

---

[1] صحیح بخاری، ۱/ ۱۹۴، حدیث (۱۰۰)، وصحیح مسلم، ۱۶/ ۲۲۳-۲۲۴، حدیث (۲۶۷۳)۔

[2] الاعتصام، ۲/ ۸۱۔

[3] دیکھئے: جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/ ۱۰۵۴، إعلام الموقعین، ۱/ ۶۹، والاعتصام، ۱/ ۱۰۳، ۱۰۴، ۲/ ۳۳۵۔

اس بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔[1]

قَدْ نَقَّرَ النَّاسُ حَتَّى أَحْـــدَثُوا بِدَعًا   فِي الدِّينِ بِالرَّأْيِ لَمْ تُبْعَثْ بِهِ الرُّسُلُ

حَتَّى اسْتَخَـــفَّ بِدِينِ اللّٰهِ أَكْثَرُهُمْ   وَفِي الَّـذِي حُمِّـــلُوا مِنْ دِينِهِ شُغُلُ

لوگوں نے خوب کھود کرید کیا یہاں تک کہ عقل ورائے کے ذریعہ ایسی نئی نئی بدعتیں ایجاد کرلیں جنہیں لے کر رسولوں کو نہیں بھیجا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر لوگوں نے اللہ کے دین کو بے وقعت سمجھ لیا، حالانکہ انہیں اللہ کے دین کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مشغول ہونا چاہیے۔

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ ان عقائد، آراء اور علوم کے ساتھ مخصوص ہے جسے اسلام سے نسبت رکھنے والوں کی جانب سے دین اسلام میں ایجاد کیا گیا ہے، لہٰذا - اس پہلو کے پیش نظر - اس قاعدہ کے تحت ملحدین وکفار کے عقائد وآراء اور ان کے علوم نہیں آتے، اگرچہ وہ دین اسلام کے خلاف ہیں۔

اس قاعدہ کی وضاحت دین اسلام کے اصولوں میں سے ایک عظیم اصول کی معرفت سے وابستہ ہے، وہ ہے لازمی طور پر وحی الٰہی کو مکمل تسلیم کرنا اور اس پر اعتراض نہ کرنا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"... فَلِهَذَا كَانَتْ الْحُجَّةُ الْوَاجِبَةُ الِاتِّبَاعَ: لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ فَإِنَّ هَذَا حَقٌّ لَا بَاطِلَ فِيهِ وَاجِبُ الِاتِّبَاعِ لَا يَجُوزُ تَرْكُهُ بِحَالِ ... وَلَيْسَ لِأَحَدِ الْخُرُوجُ عَنْ شَيْءٍ مِمَّا دَلَّتْ عَلَيْهِ"۔[2]

---

[1] دیکھئے: جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/ ۹۵۰۔

[2] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۹/ ۵۔

اسی لئے واجب حجت و دلیل کتاب وسنت اور اجماع کی پیروی ہے، کیونکہ یہ سراپا حق ہیں، اس میں باطل کا کوئی گزر نہیں، نیز واجب الاتباع ہیں، کسی بھی حال میں اس کا چھوڑنا جائز نہیں،...اور نہ جن باتوں پر وہ دلالت کرتے ہیں ان میں سے کسی چیز سے کسی کے لئے نکلنا جائز ہے۔

اور وحی الٰہی کی بتلائی ہوئی باتوں کا معارضہ کرنے میں: آراء وعقائد کے ذریعہ نیز اقوال واعمال کے ذریعہ معارضہ کرنا شامل ہے۔

یہ قاعدہ عقائد، آراء اور اقوال کے ذریعہ وحی الٰہی کا معارضہ کرنے کے بیان سے متعلق ہے، رہا اعمال کے ذریعہ وحی الٰہی کا معارضہ تو اس کا بیان عنقریب چودھویں اور پندرھویں قاعدہ میں آئے گا۔

اس قاعدہ کو ثابت قرار دینے کی بابت ذیل میں بعض اہل علم کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ امام شافعی (۲۰۴ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَالْبِدْعَةُ مَا خَالَفَ كِتَابًا أَوْ سُنَّةً أَوْ أَثَرًا عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ"۔ [1]

بدعت وہ ہے جو اللہ کی کتاب، یا سنت رسول ﷺ یا کسی صحابئ رسول کے اثر کے خلاف ہو۔

۲۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَمَا خَالَفَ النُّصُوصَ فَهُوَ بِدْعَةٌ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ"۔ [2]

[1] إعلام الموقعین، از ابن القیم رحمہ اللہ، ۱/ ۸۰، نیز دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۰/ ۱۶۳۔

[2] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۰/ ۱۶۳۔

جو چیز نصوص کے خلاف ہو وہ باتفاق مسلمین بدعت ہے۔

۳۔ امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَالرَّأْيُ إِذَا عَارَضَ السُّنَّةَ فَهُوَ بِدْعَةٌ وَضَلَالَةٌ''۔[1]

رائے اگر سنت سے ٹکرائے تو وہ بدعت و گمراہی ہے۔

* * *

[1] الاعتصام، ۲/۳۳۵۔

بارہواں قاعدہ

جو عقائد او رافکار ونظریات کتاب وسنت میں آئے ہیں نہ صحابہ وتابعین سے منقول ہیں، وہ بدعت ہیں۔[1]

اس قاعدہ کے تحت حسب ذیل امور داخل ہیں:

① علم کلام[2]:

چنانچہ امام ابن عبدالبر قرطبی (۴۶۳ھ) رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اہل کلام بدعتی ہیں، فرماتے ہیں:

"أَجْمَعَ أَهْلُ الْفِقْهِ وَالْآثَارِ مِنْ جَمِيعِ الْأَمْصَارِ أَنَّ أَهْلَ الْكَلَامِ أَهْلُ بِدَعٍ وَزَيْغٍ، وَلَا يُعَدُّونَ عِنْدَ الْجَمِيعِ فِي طَبَقَاتِ الْفُقَهَاءِ، وَإِنَّمَا الْعُلَمَاءُ أَهْلُ الْأَثَرِ وَالتَّفَقُّهِ

---

[1] دیکھئے: درء تعارض العقل والنقل، ۱/ ۲۴۴، وأحکام الجنائز، ص: ۲۴۲۔

[2] یہاں کلام سے مراد وہ کلام ہے جس کی ائمہ سلف نے مذمت فرمائی ہے اور اُس کی ٹوہ میں پڑنے سے منع کیا ہے، یعنی دین کے بارے میں رسولوں کے طریقہ سے ہٹ کر کلام کرنا۔

اس طور پر علم کلام کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ:

قرآن وسنت میں دین کے اصولوں پر دلالت کرنے والے عقلی دلائل سے اعراض کرتے ہوئے، اعتقادی مسائل کو مجرد عقلی دلائل اور بے جا حجت وہٹ دھرمی کے طریقوں سے ثابت کرنے کا نام "علم کلام" ہے۔

دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۱/ ۳۳۵-۳۳۶، ۱۲/ ۴۶۰، ۱۹/ ۱۶۳۔

فِيهِ، وَيَتَفَاضَلُونَ فِيهِ بِالْإِتْقَانِ وَالْمَيْزِ وَالْفَهْمِ"۔ (1)

تمام ممالک کے فقہاء ومحدثین کا اجماع ہے کہ اہل کلام اہل بدعات وکجروی (گمرہی) ہیں، تمام لوگوں کے یہاں ان کا شمار فقہاء کے طبقوں میں نہیں کیا جاتا، علماء دراصل اہل اثر اورحدیث میں تفقہ رکھنے والے ہیں، البتہ پختگی، پرکھ اور سمجھ میں اُن کے درجات مختلف ہیں۔

ذیل میں ائمہ سلف کے اقوال کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں، جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں:

- **امام مالک (۱۷۹ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

"وَلَو كَانَ الكَلَامُ عِلمًا لَتَكَلَّمَ فِيهِ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ، كَمَا تَكَلَّمُوا فِي الأَحكَامِ وَالشَّرَائِعِ، وَلَكِنَّهُ بَاطِل يَدُلُّ عَلَى بَاطِلٍ"۔ (2)

اگر کلام علم ہوتا تو صحابہ وتابعین اس بارے میں بھی ویسے ہی گفتگو فرماتے جیسے انہوں نے احکام ومسائل میں گفتگو کی ہے، لیکن وہ باطل ہے باطل کی رہنمائی کرتا ہے۔

- **اور امام احمد (۲۴۱ھ) رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:**

"وَكُلُّ مَنْ أَحْدَثَ كَلَامًا لَمْ يَكُنْ آخِرُ أَمْرِهِ إِلَّا إِلَى بِدْعَةٍ، لِأَنَّ الْكَلَامَ لَا يَدْعُو إِلَى خَيْرٍ"۔ (3)

جس نے بھی کوئی کلام ایجاد کیا، اس کا آخری انجام بدعت ہی ہوا، کیونکہ کلام بھلائی کی طرف نہیں لے جاسکتا۔

---

(1) جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/ ۹۴۲۔

(2) صون المنطق والکلام، ص: ۵۷، والأمر بالاتباع، ص: ۷۰۔

(3) الابانۃ الکبریٰ، ۲/ ۵۳۹۔

• نیز امام بربہاری (۳۲۹ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’وَمَا كَانَتْ زَنْدَقَةٌ قَطُّ وَلَا بِدْعَةٌ وَلَا هَوىً وَلَا ضَلَالَةٌ إِلَّا مِنَ الْكَلَامِ، وَالْجِدَالِ، وَالْمِرَاءِ، وَالْقِيَاسِ، وَهِيَ أَبْوَابُ الْبِدْعَةِ، وَالشُّكُوْكِ وَالزَّنْدَقَةِ‘‘۔[1]

جو بھی زندیقیت (بے دینی)، بدعت، خواہش نفس، اور ضلالت و گمرہی ہے وہ کلام، حجت ومناظرہ، بے جا بحث و تکرار اور قیاس و عقل پرستی ہی کے سبب ہے، اور یہ ساری چیزیں بدعت، شکوک وشبہات اور کفر و بد دینی کے دروازے ہیں۔

• (اسی طرح امام سیوطی (۹۱۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:)

’’قِيْلَ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ: إِنَّ فُلَانًا صَنَّفَ كِتَابًا يَرُدُّ فِيْهِ عَلَى الْمُبْتَدِعَةِ؟ قَالَ: بِأَيِّ شَيْءٍ؟ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ؟ قَالَ: لَا، لَكِنْ بِعِلْمِ الْمَعْقُولِ وَالنَّظَرِ، فَقَالَ: أَخْطَأَ السُّنَّةَ، وَرَدَّ بِدْعَةً بِبِدْعَةٍ‘‘۔[2]

امام عبد الرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ: فلاں شخص نے بدعتیوں کی تردید میں ایک کتاب لکھی ہے! انہوں نے پوچھا: تردید کس چیز کے ذریعہ؟ کتاب وسنت کے ذریعہ؟ کہا: نہیں، بلکہ عقل ونظر کے ذریعہ! تو انہوں نے کہا: اس نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے اور ایک بدعت کی تردید بدعت کے ذریعہ کی ہے۔

اور علم کلام مسائل اور دلائل دونوں کو شامل ہے، اور بدعت دونوں میں پائی جاتی ہے۔

علامہ ابن ابو العز حنفی (۷۹۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’وَصَارُوا يَبْتَدِعُونَ مِنَ الدَّلَائِلِ وَالْمَسَائِلِ مَا لَيْسَ بِمَشْرُوعٍ، وَيُعْرِضُونَ عَنِ

---

[1] شرح السنۃ، ص: ۵۵۔

[2] صون المنطق والکلام، ص: ۱۳۱۔

الْأَمْرِ الْمَشْرُوعِ‘‘۔[1]

اور یہ لوگ دلائل و مسائل میں وہ بدعتیں ایجاد کرنے لگے جو مشروع نہیں ہیں، اور جو چیزیں مشروع ہیں اُن سے اعراض کرنے لگے۔

الف: بدعتی (نو ایجاد) مسائل میں سے: یہ کہنا بھی ہے کہ مکلف (پابند شریعت) کی سب سے پہلی ذمہ داری غور وفکر کرنا یا غور فکر کے بارے میں سوچنا ہے۔[2]

ب: نیز بدعتی (نو ایجاد) دلائل میں سے: صانع ثابت کرنے کے لئے اَعراض اور اس کے حدوث سے استدلال کرنا ہے۔[3]

② صوفیت کے سلسلے:

(امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:)

’’وَلَكِنَّهُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأُمُورِ يَسْتَحْسِنُونَ أَشْيَاءَ؛ لَمْ تَأْتِ فِي كِتَابٍ وَلَا سُنَّةٍ، وَلَا عَمِلَ بِأَمْثَالِهَا السَّلَفُ، فَيَعْمَلُونَ بِمُقْتَضَاهَا، وَيُثَابِرُونَ عَلَيْهَا، وَيُحَكِّمُونَهَا طَرِيقًا لَهُمْ مَهِيعًا وَسُنَّةً لَا تُخْلَفُ، بَلْ رُبَّمَا أَوْجَبُوهَا فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ‘‘۔[4]

صوفیاء حضرات بہت سارے امور میں کچھ چیزوں کو اچھا سمجھتے ہیں جو کتاب وسنت میں ہوتی ہیں نہ ان جیسی چیزوں پر سلف صالحین نے عمل کیا ہوتا ہے، لیکن وہ اُس کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اس پر ہمیشگی برتتے ہیں، نیز اسے اپنے لئے ایک روشن منہج اور لازمی

---

① شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص: ۵۹۳۔

② دیکھئے: شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص: ۷۴-۷۵۔

③ دیکھئے: درءتعارض العقل والنقل، ۱/ ۳۰۸-۳۱۰۔

④ الاعتصام، ۱/ ۲۱۲۔

طریقہ بنالیتے ہیں، بلکہ بعض حالات میں اُسے واجب قرار دیتے ہیں۔

اور اس کی چند مثالیں ذکر کرتے ہوئے امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’وَمِنْ ذَلِكَ أَشْيَاءُ أَلْزَمُوهَا الْمُرِيدَ حَالَةَ السَّمَاعِ؛ مِنْ طَرْحِ الْخِرَقِ، وَأَنَّ مِنْ حَقِّ الْمُرِيدِ أَنْ لَا يَرْجِعَ فِي شَيْءٍ خَرَجَ عَنْهُ الْبَتَّةَ؛ إِلَّا أَنْ يُشِيرَ عَلَيْهِ الشَّيْخُ بِالرُّجُوعِ فِيهِ، فَلْيَأْخُذْهُ عَلَى نِيَّةِ الْعَارِيَّةِ بِقَلْبِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ عَنْهُ بَعْدَ ذَلِكَ؛ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُوحِشَ قَلْبَ الشَّيْخِ ... إِلَى أَشْيَاءَ اخْتَرَعُوهَا فِي ذَلِكَ، لَمْ يُعْهَدْ مِثْلُهَا فِي الزَّمَانِ الْأَوَّلِ‘‘۔ [1]

اس میں سے کچھ ایسی چیزیں ہیں جنہیں انہوں نے سماع کی حالت میں مرید پر لازم کردی ہیں، جیسے خرقہ (چیتھڑا) بچھانا یا دینا، نیز یہ کہ مرید کا حق یہ ہے کہ جو چیز اس سے نکل گئی ہو اسے دوبارہ کبھی نہ لے، اِلا یہ کہ پیر اُسے دوبارہ لینے کو کہے، تو اُسے اپنے دل میں ادھار کی نیت کرتے ہوئے لے لے، پھر اس کے بعد پیر کے دل کو وحشت میں ڈالے بغیر اس سے نکل جائے، اور اس طرح کی بہت سی چیزیں انہوں نے گھڑ رکھی ہیں جن کا پہلے (سلف کے) دور میں سرے سے کوئی وجود نہ تھا۔

امام ابن رجب (۷۹۵ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’وَمِمَّا أُحْدِثَ مِنَ الْعُلُوْمِ الْكَلَامُ فِي الْعُلُومِ الْبَاطِنَةِ مِنَ الْمَعَارِفِ وَأَعْمَالِ الْقُلُوْبِ وَتَوَابِعِ ذَلِكَ بِمُجَرَّدِ الرَّأْيِ وَالذَّوْقِ أَوِ الْكَشْفِ، وَفِيْهِ خَطَرٌ عَظِيْمٌ؛ وَقَدْ أَنْكَرَهُ أَعْيَانُ الْأَئِمَّةِ كَالْإِمَامِ أَحْمَدَ وَغَيْرِهِ‘‘۔ [2]

---

[1] الاعتصام، ۱/ ۲۱۶۔

[2] فضل علم السلف علی علم الخلف، ص: ۶۱، نیز دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۱/ ۱۵

اور نئے ایجاد کردہ علوم میں باطنی علوم ومعارف، دل کے اعمال اور اس سے متعلق دیگر امور کی بابت مجرد رائے، ذوق یا کشف کے ذریعہ باتیں کرنا بھی ہے، جبکہ اس میں بہت بڑا خطرہ ہے، امام احمد اور دیگر بڑے ائمہ رحمہم اللہ نے اس پر نکیر فرمائی ہے۔

③ بعض مجمل الفاظ کا اثبات یا نفی میں مطلق استعمال کرنا، جیسے لفظ ''جہت'' (سمت)، جسم اور عرض وغیرہ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَلَمْ يَنْطِقْ أَحَدٌ مِنْهُمْ فِي حَقِّ اللّٰهِ بِالْجِسْمِ لَا نَفْيًا وَلَا إِثْبَاتًا وَلَا بِالْجَوْهَرِ وَالتَّحَيُّزِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ، لِأَنَّهَا عِبَارَاتٌ مُجْمَلَةٌ لَا تُحِقُّ حَقًّا وَلَا تُبْطِلُ بَاطِلًا، ... بَلْ هٰذَا هُوَ مِنَ الْكَلَامِ الْمُبْتَدَعِ الَّذِي أَنْكَرَهُ السَّلَفُ وَالْأَئِمَّةُ''۔[1]

سلف میں سے کسی نے بھی اللہ کے حق میں جسم کا لفظ نفی یا اثبات میں استعمال نہیں کیا ہے، نہ ہی جوہر[2] اور تحیز[3] وغیرہ الفاظ کا استعمال کیا ہے، کیونکہ یہ مجمل اور غیر واضح تعبیرات ہیں،

---

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۳/ ۸۱، نیز دیکھئے: درء تعارض العقل والنقل، ۱/ ۲۵۴۔

[2] [جوہر: حکماء کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جس کا وجود ہو لیکن کسی محدود جگہ میں نہ ہو۔ جبکہ متکلمین کی اصطلاح میں جوہر: اُسے کہتے ہیں جو کسی حیز (جگہ) میں ہو، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک بسیط جسے جوہر فرد کہا جاتا ہے، اور دوسرا: مرکب جس کو جسم کہتے ہیں۔ اور جوہر فرد وہ جوہر ہوتا ہے جو بالفعل یا بالقوۃ کسی بھی جزویت کو قبول نہیں کرتا، جبکہ جسم وہ ہوتا ہے جو دو یا دو سے زیادہ جوہر فرد سے مل کر بنتا ہے۔

اور عرض: جوہر کے برعکس وہ چیز ہے جس کا وجود کسی محدود مکان (جگہ) میں ہو۔ دیکھئے: المبین فی شرح اَلفاظ الحکماء والمتکلمین للآ مدی ص: ۱۰۹-۱۱۰، نمبر ۱۶۲، و ۱۶۵-۱۶۸۔ (مترجم)]

[3] [تحیز: اہل کلام کی اصطلاح میں حیّز جگہ یا جگہ کا اندازہ کرنے کا نام ہے۔ دیکھئے: المبین فی شرح اَلفاظ الحکماء والمتکلمین للآ مدی ص: ۹۶، نمبر ۱۰۷۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب دعاوی المناوئین لشیخ الاسلام ابن تیمیہ - عرض ونقد، ==

جو نہ کسی حق کو ثابت کر سکتی ہیں نہ کسی باطل کو باطل ٹھہرا سکتی ہیں... بلکہ یہی وہ بدعتی کلام ہے جس پر سلف صالحین اور ائمہ کرام نے نکیر فرمائی ہے۔

اور جہاں تک رہی بات مجمل الفاظ کے ساتھ سلف صالحین کے طریقۂ تعامل کی تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن ابو العز (۷۹۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَالْأَلْفَاظُ الَّتِي وَرَدَ بِهَا النَّصُّ يُعْتَصَمُ بِهَا فِي الْإِثْبَاتِ وَالنَّفْيِ: فَنُثْبِتُ مَا أَثْبَتَهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنَ الْأَلْفَاظِ وَالْمَعَانِي، وَنَنفِي مَا نَفَتهُ نَصوصَهُمَا مِنَ الْأَلْفَاظِ وَالْمَعَانِي.

وَأَمَّا الْأَلْفَاظُ الَّتِي لَمْ يَرِدْ نَفْيُهَا وَلَا إِثْبَاتُهَا فَلَا تُطْلَقُ حَتَّى يُنْظَرَ فِي مَقْصُودِ قَائِلِهَا: فَإِنْ كَانَ مَعْنًى صَحِيحًا قُبِلَ، لَكِنْ يَنْبَغِي التَّعْبِيرُ عَنْهُ بِأَلْفَاظِ النُّصُوصِ، دُونَ الْأَلْفَاظِ الْمُجْمَلَةِ، إِلَّا عِنْدَ الْحَاجَةِ، مَعَ قَرَائِنَ تُبَيِّنُ الْمُرَادَ. وَالْحَاجَةُ مِثْلُ أَنْ يَكُونَ الْخِطَابُ مَعَ مَنْ لَا يَتِمُّ الْمَقْصُودُ مَعَهُ إِنْ لَمْ يُخَاطَبْ بِهَا، وَنَحْوُ ذَلِكَ''۔ [1]

نص میں جو الفاظ آئے ہیں اثبات ونفی دونوں میں اُنہی الفاظ پر مضبوطی سے قائم رہا جائے گا: چنانچہ ہم وہی الفاظ ومعانی ثابت کریں گے جنہیں اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے ثابت کیا ہے، اور جن الفاظ ومعانی کی کتاب وسنت کے نصوص نے نفی کی ہے ہم بھی اس کی نفی کریں گے۔

اور جن الفاظ کی بابت نفی یا اثبات کچھ نہیں آیا ہے ان کا استعمال نہیں کیا جائے گا تا آنکہ اُس

== از ڈاکٹر عبداللہ بن صالح بن عبدالعزیز الغصن ص: ۱۳۶، و ۲۰۱۔ (مترجم)]

[1] شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص: ۲۳۹، ۱۰۹-۱۱۰، نیز دیکھئے: درء تعارض العقل والنقل، ۱/ ۲۵۴۔

کے کہنے والے کے مقصد پر غور کرلیا جائے: چنانچہ اگر صحیح معنیٰ ہوگا تو قبول کیا جائے گا، البتہ مجمل الفاظ کے بجائے نصوص کے الفاظ ہی کے ذریعہ اس کی تعبیر کرنا بہتر اور مناسب ہے، **سوائے حاجت کے وقت اور اس شرط کے ساتھ کہ کچھ قرائن ہوں جن سے مقصود واضح ہوتا ہو۔**

اور حاجت کا معنیٰ یہ ہے کہ: مثال کے طور پر جس شخص کو مخاطب کیا جارہا ہے، اگر اُس لفظ کے ذریعہ اُسے مخاطب نہ کیا جائے تو مقصد ہی حاصل نہ ہوگا، وغیرہ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''لازمی سنت وطریقہ یہ ہے کہ جس تعبیر کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے کوئی نص نہ آئی ہو، یا جس تعبیر کے استعمال پر مسلمانوں کا اتفاق نہ ہو، اُس سے سکوت اختیار کیا جائے، اور نفی یا اثبات کسی بھی طرح اس سے تعرض نہ کیا جائے، کیونکہ جس طرح نص شرعی کے بغیر کوئی چیز ثابت نہیں کی جاسکتی، اسی طرح کتاب وسنت کی دلیل کے بغیر کسی چیز کی نفی بھی نہیں کی جاسکتی''۔ [1]

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ عقیدہ کے ان مسائل کے ساتھ مخصوص ہے جن کا کتاب وسنت کے نصوص میں ذکر نہ آیا ہو، اور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم ورحمہم نے بھی ان کے بارے میں گفتگو نہ کی ہو۔

یہ قاعدہ تیسرے اور چوتھے قاعدہ سے ملتا جلتا ہے: جو ان عبادات کے ساتھ مخصوص ہیں جن کی انجام دہی نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو نہ صحابہ یا تابعین سے۔

بدعات کی بیخ کنی اور بدعتیوں کی تردید میں یہ قاعدہ نہایت اہم ہے، کیونکہ بدعتیوں سے مناظرہ اور ان کی تردید میں ائمہ سلف زیادہ تر اِسی قاعدہ پر اعتماد کرتے رہے ہیں۔

چنانچہ امام شافعی (۲۰۴ھ) رحمہ اللہ نے بشر مریسی-زندیق-(۲۱۸ھ) سے کہا:

---

[1] عقیدۃ الحافظ عبد الغنی المقدسی، ص: ۱۱۳۔

”أَخْبِرْنِي عَمَّا تَدْعُو إِلَيْهِ؟ أَ كِتَابٌ نَاطِقٌ وَفَرْضٌ مُفْتَرَضٌ وَسُنَّةٌ قَائِمَةٌ وَوَجَدْتَ عَنِ السَّلَفِ الْبَحْثَ فِيْهِ وَالسُّؤَالَ؟ فَقَالَ بِشْرٌ: لَا، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسَعُنَا خِلَافُهُ، فَقَالَ الشَّافِعِيُّ: أَقْرَرْتَ بِنَفْسِكَ عَلَى الْخَطَأِ فِيْهِ ...“۔ [1]

ذرا مجھے بتاؤ تم کس بات کی دعوت دیتے ہو؟ کیا وہ اللہ کی بولتی کتاب، حتمی فریضہ اور ثابت سنت ہے جس کی بابت تمہیں سلف صالحین کی جانب سے کوئی بحث و جستجو اور سوال ملا ہو؟ بشر نے جواب دیا: نہیں، اور ہمارے لئے اس کی خلاف ورزی کرنے کی گنجائش بھی نہیں! تو امام شافعی (۲۰۴ھ) رحمہ اللہ نے فرمایا: ”تم نے اپنی غلطی کا خود ہی اعتراف کرلیا“۔

امام احمد (۲۴۱ھ) رحمہ اللہ نے ابن دؤاد (معتزلی) سے سوال کرتے ہوئے فرمایا:

”أَخْبِرْنِي عَنْ هَذَا الَّذِي تَدْعُو النَّاسَ إِلَيْهِ، أَشَيْءٌ دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: لَيْسَ يَخْلُو مِنْ أَنْ تَقُولَ: عَلِمُوهُ أَوْ جَهِلُوهُ؛ فَإِنْ قُلْتَ: عَلِمُوهُ وَسَكَتُوا عَنْهُ، وَسِعَنَا مِنَ السُّكُوتِ مَا وَسِعَ الْقَوْمَ، وَإِنْ قُلْتَ: جَهِلُوهُ وَعَلِمْتَهُ أَنْتَ، فَيَا لُكَعُ بْنُ لُكَعٍ، يَجْهَلُ النَّبِيُّ ﷺ وَالْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ شَيْئًا تَعْلَمُهُ أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ؟“۔ [2]

مجھے اِس چیز کے بارے میں بتاؤ جس کی تم لوگوں کو دعوت دیتے ہو؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے اس کی دعوت دی ہے؟ کہا: نہیں...! فرمایا: تمہارا جواب اس سے خالی نہیں ہوسکتا کہ: انہیں علم تھا، یا علم نہیں تھا؛ اگر تم یہ کہو گے کہ انہیں علم تھا مگر انہوں نے خاموشی اختیار کی! تو جس چیز میں ان کے لئے خاموشی کی گنجائش تھی ہمارے لئے بھی گنجائش ہے۔ اور اگر تم یہ

[1] صون المنطق والکلام، ص: ۳۰۔
[2] دیکھئے: کتاب الشریعۃ، از امام آجری، ص: ۶۳۔

کہو گے کہ انہیں علم نہیں تھا لیکن مجھے علم ہے! تو اے کمینے کی کمینی اولاد! بھلا جس چیز کا علم نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین کو نہ تھا، اُس کا علم تجھے اور تیرے ساتھیوں کو ہوگیا؟ [1]

---

[1] [خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) رحمہ اللہ نے اپنی سند سے واقعہ یوں نقل فرمایا ہے:

طاہر بن خلف بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن واثق کو جسے مہتدی باللہ کہا جاتا تھا، کہتے ہوئے سنا کہ: میرے والد کو جب کسی شخص کو قتل کرنا ہوتا تو ہمیں اس مجلس میں بلاتے، چنانچہ ایک خضاب لگائے ہوئے شیخ (امام احمد رحمہ اللہ/ ۲۴۱ھ) کو لایا گیا، جو بیڑیوں میں بندھے ہوئے تھے، میرے والد نے کہا: ابوعبداللہ یعنی احمد بن ابو دؤاد (جہمی معتزلی، قاضی وقت/ ۲۴۰ھ) اور اُن کے ساتھیوں کو بلاؤ، کہتے ہیں: ان بزرگ کو بھی اُن کی نماز گاہ میں داخل کیا گیا، انہوں نے داخل ہوتے ہوئے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ پر سلامتی ہو، میرے والد نے جواب میں کہا: اللہ تمہیں سلامت نہ رکھے۔

اُنہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کے معلم نے آپ کو بڑی بُری تعلیم دی ہے، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّواْ بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوهَآ﴾ [النساء:۸۶]۔ (جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو) مگر اللہ کی قسم! آپ نے مجھے نہ وہی جواب دیا ہے نہ اُس سے اچھا! یہ سن کر ابن ابی دؤاد نے کہا: اے امیر المؤمنین! یہ شخص بڑا باتونی ہے۔

تو انہوں نے کہا: اُس سے بات کرو، اُنہوں نے کہا: شیخ آپ قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ شیخ نے کہا: آپ نے مجھے انصاف نہیں دیا، یعنی سوال کرنا میرا حق ہے، اُنہوں نے کہا: ٹھیک ہے تم سوال کرو، تو شیخ نے اُن سے کہا: آپ قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: مخلوق ہے! شیخ نے کہا: یہ چیز نبی کریم ﷺ، ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان، علی اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو معلوم تھی یا معلوم نہ تھی؟ اُنہوں نے کہا: یہ چیز انہیں معلوم نہ تھی! شیخ نے کہا: سبحان اللہ! جو چیز نبی کریم ﷺ، ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان، علی اور خلفاء راشدین کو معلوم نہ تھی، وہ تمہیں معلوم ہوگئی؟ کہتے ہیں: یہ سن کر ابن ابی دؤاد شرما گئے اور کہا: مجھے معاف کیجئے، لیکن مسئلہ اپنی حالت پر ہے، فرمایا: اچھا پھر بتائیے قرآن کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کہا: مخلوق ہے! شیخ نے کہا: یہ چیز نبی کریم ﷺ، ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان، علی اور خلفاء راشدین کو معلوم تھی یا معلوم نہ تھی؟ اُنہوں نے کہا: یہ چیز انہیں معلوم تھی لیکن انہوں نے لوگوں کو اُس کی دعوت نہیں دی! شیخ نے کہا: تو بھلا جو چیز انہوں نے کی، کیا وہی آپ کے لئے کافی نہیں ہونی چاہئے؟؟

کہتے ہیں: پھر میرے والد اٹھے اور اپنی خلوت گاہ میں چلے گئے، اور ایک پیر کو دوسرے پر رکھ کر سیدھے لیٹ گئے، اور کہنے لگے: جو چیز نبی کریم ﷺ کو معلوم تھی، نہ ابو بکر کو، نہ عمر کو، نہ عثمان کو، نہ علی کو اور نہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو ==

ذیل میں اہل علم کے اقوال ملاحظہ فرمائیں، جو اس قاعدہ کو ثابت کرتے ہیں:

۱۔ سعید بن جبیر (۹۵ھ) رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مَا لَمْ يَعْرِفْهُ الْبَدْرِيُّونَ فَلَيْسَ مِنَ الدِّينِ''۔ [1]

جس چیز کو بدری صحابہ نہ جانیں وہ دین نہیں ہے۔

۲۔ امام مالک (۱۷۹ھ) رحمہ اللہ نے فرمایا:

''إِيَّاكُمْ وَالْبِدَعَ فَقِيلَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ وَمَا الْبِدَعُ؟ قَالَ: أَهْلُ الْبِدَعِ الَّذِينَ يَتَكَلَّمُونَ فِي أَسْمَاءِ اللّٰهِ وَصِفَاتِهِ وَكَلَامِهِ وَعِلْمِهِ وَقُدْرَتِهِ، وَلَا يَسْكُتُونَ عَمَّا سَكَتَ عَنْهُ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ''۔ [2]

بدعات سے بچو! تو ان سے پوچھا گیا: اے ابو عبداللہ! بدعات کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا: بدعتی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے اسماء وصفات، اس کے کلام، علم اور قدرت کے بارے میں من مانی باتیں کرتے ہیں، اور جن باتوں سے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم ورحمہم خاموش رہے ہیں، وہ ان سے خاموش نہیں رہتے۔

== وہ تمہیں معلوم ہوگئی؟ سبحان اللہ! جو چیز نبی کریم ﷺ، ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان، علی اور خلفاء راشدین کو معلوم تھی اور انہوں نے لوگوں کو اُس کی دعوت نہیں دی؟ تو جو چیز ان کے لئے کافی تھی کیا آپ کے لئے کافی نہیں ہونی چاہئے؟؟

پھر عمار حاجب کو بلوایا اور اُسے حکم دیا کہ اُن کی بیڑیاں نکال دے، اُنہیں چارسو دینار دیدے اور واپس جانے کی اجازت دیدے، اور اس دن سے ابن ابی دؤاد اُن کی نگاہوں سے گر گئے، اور اس کے بعد پھر کسی کا امتحان نہیں لیا۔ (دیکھئے: تاریخ بغداد، ۵/ ۲۳۳، نمبر (۲۰۹۵)۔ (مترجم)]

[1] جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/ ۷۷۱، نمبر (۱۴۲۵)، نیز دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۴/ ۵، قول گزر چکا ہے۔

[2] الحجۃ فی بیان المحجۃ، از قوام السنۃ، ۱/ ۱۰۳-۱۰۴، نیز دیکھئے: شرح السنۃ، از بغوی، ۱/ ۲۱۷، والعین والأثر ص: ۶۱، والأمر بالاتباع والنہی عن الابتداع ص: ۷۰، وصون المنطق والکلام ص: ۵۷۔

۳۔ امام شافعی (۲۰۴ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كُلُّ مَنْ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ فِي الدِّيْنِ أَوْ فِي شَيْءٍ مِنْ هَذِهِ الْأَهْوَاءِ لَيْسَ فِيْهِ إِمَامٌ مُتَقَدِّمٌ مِنَ النَّبِيِّ - ﷺ - وَأَصْحَابِهِ فَقَدْ أَحْدَثَ فِي الْإِسْلَامِ حَدْثًا“۔ [1]

جس نے بھی دین میں اپنی خواہشات نفسانی سے کوئی بات کہی جس کی بابت نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی جانب سے کوئی پیشگی دلیل نہیں، اس نے دین میں بدعت ایجاد کر دی۔

۴۔ بعض سلف کہتے ہیں:

”مَا تَكَلَّمَ فِيْهِ السَّلَفُ فَالسُّكُوْتُ عَنْهُ جَفَاءٌ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ السَّلَفُ فَالْكَلَامُ فِيْهِ بِدْعَةٌ“۔ [2]

جس چیز کے بارے میں سلف نے گفتگو کی ہو اُس سے خاموش رہنا حق تلفی ہے اور جس بات سے سلف خاموش رہے ہوں اُس بارے میں کلام کرنا بدعت ہے۔

۵۔ امام بربہاری (۳۲۹ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَاعْلَمْ لَوْ أَنَّ النَّاسَ وَقَفُوا عِنْدَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ وَلَمْ يَتَجَاوَزُوْهَا بِشَيْءٍ [وَلَمْ] يُوَلِّدُوا كَلَامًا مِمَّا لَمْ يَجِئْ فِيْهِ أَثَرٌ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَلَا عَنْ أَصْحَابِهِ لَمْ تَكُنْ بِدْعَةٌ“ [3]

جان لو کہ اگر لوگ نئی ایجاد کردہ باتوں کے پاس ٹھہر جاتے، اس سے کچھ بھی تجاوز کرتے، نہ کوئی نئی بات پیدا کرتے، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے کچھ منقول نہیں ہے، تو کوئی بدعت پیدا نہ ہوتی۔

❊ ❊ ❊

---

(1) صون المنطق و الکلام، ص: ۱۵۰۔

(2) صون المنطق و الکلام، ص: ۱۳۱۔

(3) شرح السنۃ، ص: ۴۶۔

تیرہواں قاعدہ

دین میں بے جا بحث وتکرار، جدال، جھگڑا اور حجت بازی بدعت ہے۔

اس قاعدہ کے تحت حسب ذیل امور داخل ہیں:

① متشابہ مسائل کے بارے میں سوال کرنا:

اس کی ایک مثال: صبیغ کا واقعہ ہے جو متشابہات کے بارے میں سوال کیا کرتا تھا، جب عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتہ چلا تو اُسے سزا دینے کا حکم دیا، چنانچہ اُس کی خوب پٹائی کی گئی، پھر اُسے بصرہ بھیجا اور وہاں کے لوگوں کو حکم دیا کہ اُس کے ساتھ رہن سہن نہ رکھیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ وہاں خارش زدہ اونٹ کی طرح (الگ تھلگ) ہوگیا، جس مجلس میں بھی وہ آتا لوگ کہتے "امیر المؤمنین نے اس سے الگ تھلگ رہنے کا حکم دیا ہے" چنانچہ لوگ اس سے دور ہو جاتے، یہاں تک کہ اُس نے توبہ کی اور قسم کھائی کہ اُس کے من میں جو بھی شبہات تھے اُن میں سے اب کچھ باقی نہیں بچا، تب عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کی ہم نشینی کی اجازت عطا فرمائی، پھر جب خوارج کا ظہور ہوا تو اُسے بلوا کر کہا گیا: دیکھ یہ تیرا وقت ہے، کیا خیال ہے؟ اُس نے کہا: نہیں، نیک بندے (عمر رضی اللہ عنہ) کی نصیحت نے مجھے نفع پہنچا دیا ہے۔[1]

---

[1] دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۴/ ۳، ۴۔ اور اثر کو امام دارمی نے اپنی سنن (۱/ ۵۴، ۵۵) میں اور امام ابن بطہ نے الابانۃ الکبریٰ (۱/ ۴۱۴، نمبر ۳۲۹، ۳۳۰) میں روایت کیا ہے۔
==

نیز ایک مثال وہ ہے جو امام مالک (۱۷۹ھ) رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوعبداللہ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

== [امام دارمی رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں:

''عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ صَبِيغًا الْعِرَاقِيَّ جَعَلَ يَسْأَلُ عَنْ أَشْيَاءَ مِنَ الْقُرْآنِ فِي أَجْنَادِ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى قَدِمَ مِصْرَ، فَبَعَثَ بِهِ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَلَمَّا أَتَاهُ الرَّسُولُ بِالْكِتَابِ فَقَرَأَهُ فَقَالَ: أَيْنَ الرَّجُلُ؟ فَقَالَ: فِي الرَّحْلِ، قَالَ عُمَرُ: ''أَبْصِرْ أَنْ يكون ذَهَبَ فَتُصِيبَكَ مِنِّي بِهِ الْعُقُوبَةُ الْمُوجِعَةُ''، فَأَتَاهُ بِهِ، فَقَالَ عُمَرُ: ''تَسْأَلُ مُحْدَثَةً''، فأَرْسلَ عُمَرُ إِلَى رَطَائِبَ مِنْ جَرِيدٍ، فَضَرَبَهُ بِهَا حَتَّى تَرَكَ ظَهْرَهُ دَبِرَةً، ثُمَّ تَرَكَهُ حَتَّى بَرَأَ، ثُمَّ عَادَ لَهُ، ثُمَّ تَرَكَهُ حَتَّى بَرَأَ، فَدَعَا بِهِ لِيَعُودَ لَهُ، قَالَ: فقالَ صَبِيغٌ: إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ قَتْلِي، فَاقْتُلْنِي قَتْلًا جَمِيلًا، وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ أَنْ تُدَاوِيَنِي، فَقَدْ وَاللَّهِ بَرَأْتُ، فَأَذِنَ لَهُ إِلَى أَرْضِهِ، وَكَتَبَ إِلَى أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنْ لَا يُجَالِسَهُ أَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَى الرَّجُلِ، فَكَتَبَ أَبُو مُوسَى إِلَى عُمَرَ: أَنْ قَدْ حَسُنَتْ تَوْبَتُهُ، فَكَتَبَ عُمَرُ: أَنِ ائْذَنْ لِلنَّاسِ بِمُجَالَسَتِهِ''۔ (سنن الدارمی، ۱/ ۲۵۴، نمبر (۱۵۰)۔

کہ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ صبیغ عراقی مسلمانوں کی فوج میں قرآن کریم کے کچھ متشابہ مسائل پوچھنے لگا، یہاں تک کہ مصر آیا، تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے (ایک خط کے ساتھ) اُسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا، جب قاصد اُن کے پاس خط لے کر آیا اور انہوں نے اسے پڑھا تو پوچھا: آدمی کہاں ہے؟ اُس نے کہا: رہائش گاہ پر، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیکھ لو، چلا نہ گیا ہو، ورنہ تمہیں میری جانب سے سخت سزا سے دوچار ہونا پڑے گا، بہرکیف وہ اُسے لے کر آیا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم بہت نئے نئے سوال کرتے ہو؟ اور عمر رضی اللہ عنہ نے کھجور کی تازہ ٹہنیاں منگوائی، اور اُس سے اُسے پیٹا، یہاں تک کہ اُس کی پیٹھ زخم آلود ہوگئی، پھر اُسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ زخم مندمل ہوگیا، پھر دوبارہ مارا، پھر چھوڑ دیا یہاں تک کہ ٹھیک ہوگیا، پھر اُسے تیسری مرتبہ مارنے کے بلوایا، تو اُس نے کہا: اگر آپ مجھے مار ڈالنا چاہتے ہوں تو اچھائی کے ساتھ مار ڈالئے، اور اگر میرا علاج کرنا چاہتے ہوں تو اللہ کی قسم میں ٹھیک ہو چکا ہوں، چنانچہ آپ نے اُسے اپنے ملک جانے کی اجازت دی، اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ کوئی مسلمان اُس کے ساتھ نہ رہے، چنانچہ اُس پر یہ رویہ بڑا گراں گزرا، بالآخر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اُس نے اچھی توبہ کرلی ہے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کو اُس کے ساتھ رہنے کی اجازت دیدیں۔ (مترجم)]

﴿ٱلرَّحْمَٰنُ عَلَى ٱلْعَرْشِ ٱسْتَوَىٰ ۝٥﴾ [طٰہٰ:۵]۔
رحمٰن عرش پر مستوی (بلند) ہے۔
تو وہ کیسے مستوی (بلند) ہے؟
آپ نے فرمایا: کیفیت غیر معقول ہے، لیکن اللہ کا مستوی ہونا مجہول نہیں (معلوم) ہے، اس پر ایمان رکھنا واجب ہے، اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے؛ اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم گمراہ ہو، پھر آپ نے حکم دیا اور اُسے باہر نکال دیا گیا۔[1]

---

[1] اسے امام لالکائی نے شرح اُصول اعتقاد أہل السنۃ میں روایت کیا ہے، ۳/ ۴۴۱، نمبر (۶۶۴)۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اسے امام بیہقی نے عمدہ سند سے روایت کیا ہے...'' (فتح الباری، ۱۳/ ۴۰۶-۴۰۷)۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''یہ جواب ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی موقوفاً ومرفوعاً مروی ہے، لیکن اس کی سند قابل اعتبار نہیں ہے''، (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۵/ ۳۶۵)۔ نیز یہ بات امام مالک کے استاذ ربیعہ سے بھی مروی ہے۔ دیکھئے: شرح اُصول اعتقاد أہل السنۃ، از لالکائی، ۳/ ۴۴۱، نمبر (۶۶۴)۔

[یحییٰ بن یحییٰ تمیمی وجعفر بن عبداللہ وغیرہ کی روایت میں واقعہ اس طرح منقول ہے:

''جَاءَ رَجُلٌ إِلَى مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ ﴿ٱلرَّحْمَٰنُ عَلَى ٱلْعَرْشِ ٱسْتَوَىٰ ۝٥﴾ [طه: 5] كَيْفَ اسْتَوَى قَالَ: فَمَا رَأَيْتُ مَالِكًا وَجَدَ مِنْ شَيْءٍ كَمَوْجِدَتِهِ مِنْ مَقَالَتِهِ، وَعَلَاهُ الرُّحَضَاءُ، يَعْنِي الْعَرَقَ قَالَ: وَأَطْرَقَ الْقَوْمُ، وَجَعَلُوا يَنْتَظِرُونَ مَا يَأْتِي مِنْهُ فِيهِ، قَالَ: فَسُرِّيَ عَنْ مَالِكٍ، فَقَالَ: الْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُولٍ، وَالِاسْتِوَاءُ مِنْهُ غَيْرُ مَجْهُولٍ، وَالْإِيمَانُ بِهِ وَاجِبٌ، وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ ضَالًّا، وَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ''۔ (العلو للعلی الغفار، امام ذہبی رحمہ اللہ، ص: ۱۳۹، نمبر (۳۷۸)۔ نیز دیکھئے: مقالہ بعنوان: الأثر المشهور عن الامام مالک رحمہ اللہ فی صفة الاستواء - دراسة تحليلية، از استاذ محترم ڈاکٹر عبد الرزاق بن عبد المحسن البدر حفظہ اللہ، (مجلة الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة، شمارہ نمبر ۱۱۱، سنہ اشاعت: ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء)۔

کہ ایک شخص امام مالک بن انس کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابو عبداللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ٱلرَّحْمَٰنُ عَلَى ٱلْعَرْشِ ٱسْتَوَىٰ ۝٥﴾ [طٰہٰ:۵]۔ (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا) تو کیسے مستوی ہوا؟ کہتے ہیں: میں نے امام مالک کو اتنا غصہ ہوتے ہوئے کبھی نہ دیکھا تھا جتنا اس شخص کی بات سے غصہ ہوئے! آپ پسینہ میں شرابور ہو گئے، اور لوگوں نے ==

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لِأَنَّهُ سُؤَالٌ عَمَّا لَا يَعْلَمُهُ الْبَشَرُ وَلَا يُمْكِنُهُمُ الْإِجَابَةُ عَنْهُ''۔[1]

کیونکہ یہ سوال ایسی چیز کے بارے میں ہے جس کا انسانیت کو علم ہے نہ ان کے لئے جواب دینا ممکن ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

''وَهَذَا الْجَوَابُ مِنْ مَالِكٍ - رَحِمَهُ اللَّهُ - فِي الِاسْتِوَاءِ شَافٍ كَافٍ فِي جَمِيعِ الصِّفَاتِ، مِثْلَ النُّزُولِ وَالْمَجِيءِ وَالْيَدِ وَالْوَجْهِ وَغَيْرِهَا''۔[2]

استواء کے بارے میں امام مالک (۱۷۹ھ) رحمہ اللہ کا یہ جواب تمام صفات کے سلسلہ میں کافی وشافی ہے، جیسے: اترنا، آنا، ہاتھ اور چہرہ وغیرہ۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور افعال کیفیت کے اعتبار سے متشابہ کے قبیل سے ہیں جس پر ایمان لانا اور کیفیت کی ٹوہ میں پڑنے سے باز رہنا واجب ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا﴾ [آل عمران:۷]۔

== بھی اس انتظار میں سر جھکا لیا کہ امام صاحب اس سوال کے جواب میں کیا فرماتے ہیں؟ چنانچہ جب امام مالک کی حالت ٹھیک ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیفیت معقول نہیں ہے، اللہ کا استواء مجہول نہیں ہے، اس پر ایمان رکھنا واجب ہے، اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے؛ اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم گمراہ ہو گئے ہو، پھر آپ نے حکم دیا اور اُسے باہر نکال دیا گیا۔ (مترجم)]

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۳/ ۳۵۔

[2] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۴/ ۴۔

اور پختہ ومضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔

② جو مسائل و آراء کتاب وسنت میں نہیں ہیں اُن کے ذریعہ مسلمانوں کا امتحان لینا۔

امام بربہاری (۳۲۹ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَالْمِحْنَةُ فِي الْإِسْلَامِ بِدْعَةٌ، وَأَمَّا الْيَوْمَ فَيُمْتَحَنُ بِالسُّنَّةِ، لِقَوْلِهِ: **إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ**''۔ ①

اسلام میں امتحان لینا بدعت ہے، لیکن آج سنت کے ذریعہ جانچ پڑتال کی جائے گی، کیونکہ (محمد بن سیرین رحمہ اللہ) نے فرمایا ہے: ''یقیناً یہ علم (سنت) دین ہے، لہٰذا دیکھ لو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو''۔

نیز اس کی ایک مثال وہ ہے: جس کی طرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''فَالْوَاجِبُ الِاقْتِصَارُ فِي ذَلِكَ، وَالْإِعْرَاضُ عَنْ ذِكْرِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ وَامْتِحَانِ الْمُسْلِمِينَ بِهِ فَإِنَّ هَذَا مِنَ الْبِدَعِ الْمُخَالِفَةِ لِأَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَإِنَّهُ بِسَبَبِ ذَلِكَ اعْتَقَدَ قَوْمٌ مِنَ الْجُهَّالِ أَنَّ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَأَنَّهُ مِنْ أَكَابِرِ الصَّالِحِينَ وَأَئِمَّةِ الْعَدْلِ وَهُوَ خَطَأٌ بَيِّنٌ''۔ ②

---

① شرح السنۃ، ص: ۵۵۔ [دیکھئے: صحیح مسلم، مقدمہ امام مسلم، باب فی أن الاسناد من الدین، ۱/ ۱۴، (مترجم)]

② مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۳/ ۴۱۴۔

لہٰذا واجب ہے کہ اس سلسلہ میں کم سے کم گفتگو کی جائے اور یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کر کے اس کے ذریعہ مسلمانوں کا امتحان لینے سے احتراز کیا جائے؛ کیونکہ ایسا کرنا اہل سنت و جماعت کے مخالف بدعات میں سے ہے۔ اس لئے کہ اس کے سبب کچھ جاہلوں نے سمجھ لیا کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے ہیں نیز یہ کہ وہ بہت بڑے نیک کاروں اور عادل حکمرانوں میں سے تھے، جبکہ یہ واضح طور پر غلط ہے۔

③ ایسی عصبیت و نسبت جس سے امت میں تفرقہ پیدا ہو، اور اسی نسبت کی بنیاد پر دوستی و دشمنی قائم کرنا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَلَا يُنَصِّبَ لَهُمْ كَلَامًا يُوَالِي عَلَيْهِ وَيُعَادِي غَيْرَ كَلَامِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَا اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ بَلْ هَذَا مِنْ فِعْلِ أَهْلِ الْبِدَعِ الَّذِينَ يُنَصِّبُونَ لَهُمْ شَخْصًا أَوْ كَلَامًا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْأُمَّةِ يُوَالُونَ بِهِ عَلَى ذَلِكَ الْكَلَامِ أَوْ تِلْكَ النِّسْبَةِ وَيُعَادُونَ''۔[1]

نہ کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ امت کے لئے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان اور اجماع امت کے علاوہ کوئی کلام و فرمان طے کرلے، جس کی بنیاد پر دوستی و دشمنی کرے؛ بلکہ ایسا کرنا بدعتیوں کا کام ہے جو اپنے لئے کوئی شخصیت یا بات نامزد کر لیتے ہیں، جس کے ذریعہ امت میں تفرقہ پیدا کرتے ہیں، اور اُسی کلام یا نسبت کی بنیاد پر لوگوں سے محبت و عداوت رکھتے ہیں۔

---

[1] دیکھئے: جامع بیان العلم وفضلہ، ۲۰ / ۱۶۴۔ نیز دیکھئے: ۴ / ۱۶۴، ۱۱ / ۵۱۴۔

نیز فرماتے ہیں:

’’وَكَذَلِكَ التَّفْرِيقُ بَيْنَ الْأُمَّةِ وَامْتِحَانِهَا بِمَا لَمْ يَأْمُرِ اللَّهُ بِهِ وَلَا رَسُولُهُ: مِثْلَ أَنْ يُقَالَ لِلرَّجُلِ: أَنْتَ شكيلي، أَوْ قرفندي، فَإِنَّ هَذِهِ أَسْمَاءٌ بَاطِلَةٌ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ وَلَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا سُنَّةِ رَسُولِهِ ﷺ وَلَا فِي الْآثَارِ الْمَعْرُوفَةِ عَنْ سَلَفِ الْأَئِمَّةِ لَا شَكِيْلِيْ وَلَا قَرْفَنْدِيْ. وَالْوَاجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِ إِذَا سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ أَنْ يَقُولَ: لَا أَنَا شَكِيْلِيْ وَلَا قَرْفَنْدِيْ؛ بَلْ أَنَا مُسْلِمٌ مُتَّبِعٌ لِكِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ. وَقَدْ رَوَيْنَا عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ: أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَ: أَنْتَ عَلَى مِلَّةِ عَلِيٍّ أَوْ مِلَّةِ عُثْمَانَ؟ فَقَالَ: لَسْتُ عَلَى مِلَّةِ عَلِيٍّ وَلَا عَلَى مِلَّةِ عُثْمَانَ بَلْ أَنَا عَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.‘‘ (1)

---

(1) اسے امام ابن بطہ نے الابانۃ الکبری میں روایت کیا ہے، ۱/ ۳۵۴، ۳۵۵ نمبر (۲۳۷، ۲۳۸)۔

[روایت اس طرح ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ مُعَاوِيَةُ: أَنْتَ عَلَى مِلَّةِ عَلِيٍّ؟ قُلْتُ: ’’وَلَا عَلَى مِلَّةِ عُثْمَانَ، أَنَا عَلَى مِلَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ‘‘.

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم علی رضی اللہ عنہ کی ملت (طریقہ) پر ہو؟ میں نے کہا: عثمان کی ملت پر بھی نہیں ہوں، میں محمد ﷺ کے طریقہ پر ہوں۔

اور دوسری روایت میں ہے:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ لِي مُعَاوِيَةُ: أَعَلَى مِلَّةِ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنْتَ؟، قُلْتُ: ’’وَلَا عَلَى مِلَّتِكَ أَوْ قَالَ: وَلَا عَلَى مِلَّةِ عُثْمَانَ، أَنَا عَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ‘‘.

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں مجھ سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے طریقہ پر ہو؟ میں نے کہا: آپ کے طریقہ پر بھی نہیں ہوں، یا کہا: عثمان رضی اللہ عنہ کے طریقہ پر بھی نہیں، بلکہ میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر ہوں۔ (مترجم)]

وَكَذٰلِكَ كَانَ كُلٌّ مِنَ السَّلَفِ يَقُولُونَ: كُلُّ هَذِهِ الْأَهْوَاءِ فِي النَّارِ: وَيَقُولُ أَحَدُهُمْ: مَا أُبَالِي أَيُّ النِّعْمَتَيْنِ أَعْظَمُ؟ عَلَى أَنْ هَدَانِي اللّٰهُ لِلْإِسْلَامِ أَوْ أَنْ جَنَّبَنِي هَذِهِ الْأَهْوَاءَ، وَاللّٰهُ تَعَالَى قَدْ سَمَّانَا فِي الْقُرْآنِ: الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللّٰهِ فَلَا نَعْدِلُ عَنِ الْأَسْمَاءِ الَّتِي سَمَّانَا اللّٰهُ بِهَا إِلَى أَسْمَاءٍ أَحْدَثَهَا قَوْمٌ - وَسَمَّوْهَا هُمْ وَآبَاؤُهُمْ - مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ"۔ [1]

اسی طرح امت کے درمیان تفرقہ پیدا کرنا اور ایسی باتوں کے ذریعہ ان کا امتحان لینا (بھی بدعت ہے) جس کا اللہ نے حکم دیا ہے نہ اس کے رسول ﷺ نے، مثلاً کسی شخص سے پوچھا جائے: کہ تم شکیلی ہو یا قرفندی؟ کیونکہ یہ سب نام باطل ہیں جن کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے، اور نہ کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور امت کے سلف صالحین سے معروف آثار ہی میں شکیلی اور قرفندی وغیرہ کا کوئی اتہ پتہ ہے۔

اس لئے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اگر اُس سے ایسا سوال کیا جائے تو جواب میں کہے: میں شکیلی ہوں نہ قرفندی، بلکہ میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کا پیروکار مسلمان ہوں۔

ہم نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: تم علی رضی اللہ عنہ کی ملت (طریقہ) پر ہو یا عثمان رضی اللہ عنہ کی ملت پر؟ تو انہوں نے جواب دیا: میں علی رضی اللہ عنہ کی ملت پر ہوں نہ عثمان رضی اللہ عنہ کی ملت پر؛ بلکہ میں رسول اللہ ﷺ کی ملت پر ہوں۔

اور اسی طرح تمام سلف امت کہا کرتے تھے کہ: یہ تمام اہواء و بدعات جہنم میں (لے

---

[1] مجموع فتاوی ابن تیمیہ، ۲/ ۴۱۵۔

جانے والی) ہیں۔

اور سلف میں سے کسی نے کہا تھا: مجھے پروا نہیں کہ دونوں میں کونسی نعمت بڑی ہے؛ اللہ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا فرمائی ہے، یا مجھے ان بدعات وخواہشات سے محفوظ رکھا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمیں مسلمین، مومنین اور اللہ کے بندوں کے نام سے پکارا ہے، لہٰذا ہم اللہ کے دیئے ہوئے ان ناموں کو چھوڑ کر ان ناموں کو نہیں اپنائیں گے جنہیں کچھ لوگوں نے ایجاد کرلیا ہے- اور ان ناموں کو انہوں نے اور ان کے آباء واجداد نے خود رکھا ہے- جن کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے۔ [1]

---

[1] [اس بات سے کسی کو کوئی اشتباہ نہیں ہونا چاہئے، کہ مسلم ومومن کے علاوہ کوئی نام رکھنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ بعض ہوا پرستوں کی جانب سے بسا اوقات سلفیت، اہل حدیثیت وغیرہ ناموں کے سلسلہ میں عوام الناس کو ورغلانے کی کوشش کی جاتی ہے، کیونکہ:

۱۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کتاب وسنت اور منہج سلف امت کے خلاف شکیلی، فرقندی وغیرہ فرقہ پرستانہ مثالوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شخصی نسبتوں، فرقوں، ٹولیوں، گروہوں کی تردید کے تناظر میں یہ بات کہی ہے۔

۲۔ سلفیت، اہل حدیثیت، اہل سنت و جماعت، جماعت وغیرہ اُنہی کتاب وسنت اور سلف امت کے نقش قدم پر چلنے والوں کے صفاتی نام ہیں، کوئی الگ نسبت وانتساب نہیں، یہ نام کتاب وسنت اور سلف امت کے دلائل سے ثابت بھی ہیں، جو دین کے فساد و بگاڑ کے حالات میں کتاب وسنت اور طریقۂ سلف پر قائم رہنے والوں کے ہوں گے۔

۳۔ بالضبط مسلم ومومن وغیرہ ناموں کا تقید اس وقت تک تو ٹھیک تھا، جب اسلام و ایمان بمقابلہ کفر وشرک اور یہودیت وعیسائیت وغیرہ غیر اسلامی ادیان تھا لیکن جب خود اسلام کے نام پر مختلف نسبتوں سے فرقوں، ٹولیوں کی بھرمار ہوگئی اور سنت وحدیث کے بالمقابل عقل ورائے، قیاس وکلام اور تقلید وجمود کا چلن عام ہونے لگا نیز اسلام کی اصلی شبیہ کے علاوہ نہ جانے کتنی شکلیں بنالی گئیں تو فرق وتمیز کے لئے ان صفاتی ناموں کو عام کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ خود شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بعض سلف کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے:

''إِنَّ أَهْلَ السُّنَّةِ فِي الْإِسْلَامِ كَأَهْلِ الْإِسْلَامِ فِي الْمِلَلِ'' (دیکھئے: منہاج السنۃ النبویۃ، ۵/۱۶۶، ومجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۴/۱۴۰)۔ ==

④ کسی مسلمان کو ثبوت و دلیل کے بغیر کفر یا بدعت سے متہم کرنا۔

امام ابن بطہ عکبری (۳۸۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَالشَّهَادَةُ بِدْعَةٌ، وَالْبَرَاءَةُ بِدْعَةٌ، وَالْوِلَايَةُ بِدْعَةٌ.

وَالشَّهَادَةُ: أَنْ يُشْهَدَ لِأَحَدٍ مِمَّنْ لَمْ يَأْتِ فِيهِ خَبَرٌ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَوِ النَّارِ.

وَالْوِلَايَةُ: أَنْ يَتَوَلَّى قَوْمًا وَيَتَبَرَّأَ مِنْ آخَرِينَ.

وَالْبَرَاءَةُ: أَنْ يَبْرَأَ مِنْ قَوْمٍ هُمْ عَلَى دِينِ الْإِسْلَامِ وَالسُّنَّةِ“۔ [1]

گواہی بدعت ہے، بیزاری بدعت ہے اور دوستی بدعت ہے۔

گواہی: یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں کوئی دلیل نہ ہو، اُس کے جنتی یا جہنمی ہونے کی گواہی دی جائے۔

دوستی: یہ ہے کہ کچھ لوگوں کو دوست رکھے اور دوسروں سے اظہار بیزاری کرے۔

اور بیزاری: یہ ہے کہ کچھ لوگوں سے اظہار براءت کرے جو دین اسلام اور سنت پر قائم ہوں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ اس کی مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وَأَوَّلُ مَنْ ضَلَّ فِي ذَلِكَ هُمُ الْخَوَارِجُ الْمَارِقُونَ، حَيْثُ حَكَمُوا لِنُفُوسِهِمْ بِأَنَّهُمْ

== یقیناً اسلام کے نام لیواؤں میں اہل سنت ایسے ہی ہیں جیسے مختلف ادیان وملل میں اہل اسلام۔

۴۔ مسلمین اور جماعۃ المسلمین وغیرہ کہلانے والے فرقوں کے یہاں محض ظاہری نام کا اہتمام ہے، اُن کے عقائد و نظریات اور منہج وسلوک بالعموم کتاب وسنت اور گام سلف کے خلاف ہیں، لہٰذا ظاہری ناموں کے تقید کے ساتھ اسلام اور ایمان کے تقاضوں کی عملی تکمیل مطلوب ہے، بصورت دیگر یہ ایک وسوسہ اور دھوکہ کے سوا کچھ نہیں۔ واللہ أعلم (مترجم)]۔

[1] الشرح والابانۃ، ص: ۳۴۱۔ نیز دیکھئے: الاستقامۃ، از امام ابن تیمیہ، ۱/ ۱۳-۱۱۶۔

الْمُتَمَسِّكُوْنَ بِكِتَابِ اللهِ وَسُنَّتِهِ، وَأَنَّ عَلِيًّا وَمُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا والْعَسْكَرَيْنِ هُمْ أَهْلُ الْمَعْصِيَةِ وَالْبِدْعَةِ، فَاسْتَحَلُّوا مَا اسْتَحَلُّوهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔[1]

اس باب میں سب سے پہلے گمراہ ہونے والے بے دین خوارج ہیں، بایں طور کہ انہوں نے اپنے بارے میں فیصلہ کرلیا کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت پر گامزن ہیں، اور علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما اور دونوں فوجیں گنہ گار اور بدعتی ہیں، اور اس بنیاد پر مسلمانوں کی جان ومال اور آبرو کو جیسے اور جس قدر چاہا حلال ٹھہرایا۔

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ عقیدہ اور اصول دین کے باب میں جدال وتکرار اور بے جا حجت کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا فقہی مسائل اور فروعی احکام کے باب میں حجت وجدال کرنا اس سے خارج ہے۔

دونوں ابواب کے مابین فرق واضح کرتے ہوئے امام شافعی (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

”إِيَّاكُمْ وَالنَّظَرُ فِي الْكَلَامِ؛ فَإِنَّ رَجُلًا لَوْ سُئِلَ عَنْ مَسْأَلَةَ مِنَ الْفِقْهِ فَأَخْطَأَ فِيهَا، أَوْ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ قَتَلَ رَجُلًا فَقَالَ: دِيَتُهُ بَيْضَةٌ؛ كَانَ أَكْبَرَ شَيْءٍ أَنْ يُضْحَكَ مِنْهُ، وَلَوْ سُئِلَ عَنْ مَسْأَلَةٍ مِنَ الْكَلَامِ فَأَخْطَأَ فِيهَا نُسِبَ إِلَى الْبِدْعَةِ“۔[2]

علم کلام میں غور کرنے سے بچو، کیونکہ اگر کسی آدمی سے کوئی فقہی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اس میں غلطی کرجائے، یا کسی آدمی کے بارے میں پوچھا جائے جس نے کسی کو قتل کردیا ہو، تو کہے کہ: اس کا خوں بہا ایک انڈا ہے؛ تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اُس پر جگ ہنسائی ہوگی، لیکن اگر کلام کے بارے میں کوئی مسئلہ پوچھا جائے، اور اس میں غلطی کرجائے تو اُسے بدعت کی

---

(1) الاستقامۃ، ۱/ ۱۳۔

(2) اسے امام ابونعیم نے الحلیۃ میں روایت کیا ہے، ۹/ ۱۱۳۔ نیز دیکھئے: مناقب الامام الشافعی، از رازی، ص: ۱۰۰۔

طرف منسوب کیا جائے گا (یعنی بدعتی کہا جائے گا)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے اصولوں میں بحث و جدال اگر فی نفسہ بدعت نہ بھی ہو، تو بدعت تک لے جانے والا ضرور ہے۔

بعض سلف نے کہا ہے:

''إِذَا جَلَسَ الرَّجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فِي الدِّينِ فَلْيَعْلَمَا أَنَّهُمَا فِي أَمْرِ بِدْعَةٍ حَتَّى يَفْتَرِقَا''۔ [1]

اگر دو لوگ بیٹھ کر دین میں جھگڑ رہے ہوں، تو دونوں کو جان لینا چاہیئے کہ جب تک وہ جدا نہ ہو جائیں بدعت کے کام میں مشغول ہیں۔

اور بعض ائمہ نے کہا ہے:

''وَالسّنةُ إِنَّمَا هِيَ التَّصْدِيقُ لآثَارِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَترك مُعارَضَتِهَا بِكَيْفَ؟ وَلِمَ؟ وَالْكَلَامُ وَالْخُصُوماتُ فِي الدِّيْنِ وَالجِدَالُ مُحْدَثٌ، وَهُوَ يُوقِعُ الشَّكَّ فِي الْقُلُوبِ، وَيَمْنَعُ مِنْ مَعْرِفَةِ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ''۔ [2]

سنت دراصل رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی تصدیق کرنے اور چوں چرا (کیوں؟ کیسے؟) کے ذریعہ اس کا معارضہ کرنے سے بچنے کا نام ہے۔

اور دین میں عقل پرستی، جھگڑا اور بے جا بحث و جدال بدعت ہیں، یہ چیزیں دلوں میں شک پیدا کرتی ہیں اور حق و درستی کی معرفت سے روکتی ہیں۔

❊ ❊ ❊

---

[1] الابانۃ الکبریٰ، ۲/ ۵۲۰۔

[2] الحجۃ فی بیان المحجۃ، ۲/ ۴۳۷۔

چودھواں قاعدہ

لوگوں کو عادات ومعاملات کے قبیل سے کسی کام کا اس طرح پابند کرنا کہ اسے شرعی حکم کی طرح قرار دینا جس کی خلاف ورزی نہ ہو سکتی ہو، اور دین کی طرح بنا لینا جس کا معارضہ نہ کیا سکتا ہو بدعت ہے۔ [1]

چند مثالیں:

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ مثلاً: لوگوں کے معاملات میں اُن پر ہمیشہ یا محدود اوقات میں مختلف طریقوں سے اس طرح چنگی نافذ کرنا جیسے وہ اُن پر نافذ کردہ دین اور حتمی حکم ہو، اس طور پر کہ یہ چیز دائمی شرعی حکم کی برابری کرے، جس پر عوام کو آمادہ کیا جائے، اور اس کے سبب ان کا مواخذہ کیا جائے، اور نہ دینے والے کے خلاف سزا تجویز کی جائے، جیسے مویشیوں اور کھیتیوں کی پیداوار کی زکاۃ وصول کرنے اور اس جیسی دیگر چیزوں میں ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۸۰-۸۲۔

[2] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۸۰، ۸۱۔

اسی طرح امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَكَذَلِكَ تَقْدِيمُ الْجُهَّالِ عَلَى الْعُلَمَاءِ، وَتَوْلِيَةُ الْمَنَاصِبِ الشَّرِيفَةِ مَنْ لَا يَصْلُحُ بِطَرِيقِ التَّوْرِيثِ، هُوَ مِنْ قَبِيلِ مَا تَقَدَّمَ، فَإِنَّ جَعْلَ الْجَاهِلِ فِي مَوْضِعِ الْعَالِمِ حَتَّى يَصِيرَ مُفْتِيًا فِي الدِّينِ، وَمَعْمُولًا بِقَوْلِهِ فِي الْأَمْوَالِ وَالدِّمَاءِ وَالْأَبْضَاعِ وَغَيْرِهَا، مُحَرَّمٌ فِي الدِّينِ، وَكَوْنُ ذَلِكَ يُتَّخَذُ دَيْدَنًا حَتَّى يَصِيرَ الِابْنُ مُسْتَحِقًّا لِرُتْبَةِ الْأَبِ ۔ وَإِنْ لَمْ يَبْلُغْ رُتْبَةَ الْأَبِ فِي ذَلِكَ الْمَنْصِبِ ۔ بِطَرِيقِ الْوِرَاثَةِ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ، بِحَيْثُ يَشِيعُ هَذَا الْعَمَلُ وَيَطَّرِدُ وَيَرِدُهُ النَّاسُ؛ كَالشَّرْعِ الَّذِي لَا يُخَالَفُ؛ بِدْعَةً بِلَا إِشْكَالٍ“۔[1]

اسی طرح جاہلوں کو علماء پر مقدم کرنا اور معزز مناصب اور عہدوں پر موروثی طریقہ سے ایسے لوگوں کو جو اس کے اہل نہ ہوں فائز کرنا بھی سابقہ پہلو کے قبیل سے ہے‘ کیونکہ جاہل کو عالم کا مقام دینا یہاں تک کہ وہ دین میں مفتی بن جائے اور لوگوں کی جان و مال اور شرمگاہوں وغیرہ کے مسائل میں اس کی بات معمول بہ ہو، دین میں حرام ہے۔

اور اس چیز کو ہمیشہ کی عادت اور وطیرہ بنالینا، یہاں تک کہ بیٹا موروثی طریقہ سے یا کسی اور راستے سے باپ کے رتبہ کا مستحق بن جائے- گرچہ اس منصب میں باپ کے درجہ کو نہ پہنچا ہو- بایں طور کہ یہ کام پوری طرح رائج ہو جائے اور عام طریقہ بن جائے۔لوگ اسے ایسے اپنانے لگیں جیسے وہ شریعت ہو جس کی خلاف ورزی نہ کی جا سکتی ہو؛ بلاشبہہ بدعت ہے۔

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ عادات و معاملات کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ یہاں بدعت دین کے نظام کے

[1] الاعتصام، ۲/۸۱۔

خلاف خروج کے اعتبار سے اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ ان عادات اور معاملات کو لوگوں پر بعینہ اُسی طرح فرض اور لازمی قرار دیا جاتا ہے؛ جیسے دین کے فرائض اور شریعت کے تاکیدی ولازمی احکام ہوں۔

اس قاعدہ کے تحت وہ صورت داخل نہیں ہوتی جب یہ پابندی کسی معقول سبب پر قائم ہو اور کسی معتبر مصلحت تک پہنچانے والی ہو، کہ یہ چیز مصالح مرسلہ کے باب کے تحت آتی ہے، اور مصالح مرسلہ کے باب میں بدعت واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ [1]

اور مصالح مرسلہ کی مثالوں میں: انتظامی امور اور اداراتی ترتیبات وغیرہ کے بورڈ وغیرہ لگانا ہے جو مقاصد شریعت کے مطابق امت کے لئے عام مصلحتیں پوری کرتی ہیں۔

جبکہ جس پابندی میں بدعت جاری ہوتی ہے وہ مقاصد شریعت کے منافی ومتضاد اور دین کے نظام کے خلاف ہوتی ہے، اسے محض شریعت الٰہی کے اپنانے میں کوتاہی کے سبب لاگو کیا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَعَامَّةُ الْأُمَرَاءِ إِنَّمَا أَحْدَثُوا أَنْوَاعاً مِنَ السِّيَاسَاتِ الْجَائِرَةِ مِنْ أَخْذِ أَمْوَالٍ لَا يَجُوْزُ أَخْذُهَا، وَعُقُوْبَاتٍ عَلَى الْجَرَائِمِ لَا تَجُوْزُ؛ لِأَنَّهُمْ فَرَّطُوا فِي الْمَشْرُوعِ مِنَ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَإِلَّا فَلَوْ قَبَضُوا مَا يَسُوْغُ قَبْضُهُ، وَوَضَعُوْهُ حَيْثُ يَسُوْغُ وَضْعُهُ، طَالِبِيْنَ بِذَلِكَ إِقَامَةَ دِيْنِ اللهِ، لَا رِيَاسَةَ نُفُوْسِهِمْ، وَأَقَامُوا الْحُدُودَ الْمَشْرُوعَةَ عَلَى الشَّرِيْفِ وَالْوَضِيْعِ، وَالْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ، مُتَحَرِّيْنَ فِي تَرْغِيْبِهِمْ وَتَرْهِيْبِهِمْ لِلْعَدْلِ الَّذِيْ شَرَعَهُ اللهُ – لَمَا احْتَاجُوا إِلَى الْمُكُوْسِ الْمَوْضَوعَةِ، وَلَا

[1] بدعت اور مصلحت مرسلہ کے مابین تعلق، کتاب کے پہلے مدخل (ص:۶۸) میں ملاحظہ فرمائیں۔

إِلَى الْعُقُوْبَاتِ الْجَائِرَةِ، وَلَا إِلَى مَنْ يَحْفَظُهُمْ مِنَ الْعَبِيْدِ وَالْمُسْتَعْبَدِيْنَ، كَمَا كَانَ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ، وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ وَغَيْرِهِمْ مِنْ أُمَرَاءِ بَعْضِ الْأَقَالِيْمِ“۔ [1]

زیادہ تر امراء نے ناحق مال ہڑپ کرنے اور جرائم پر ناجائز سزائیں دینے وغیرہ جیسی طرح طرح کی ظالمانہ سیاستیں اسی لئے ایجاد کر رکھی تھیں؛ کیونکہ انہوں نے بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے مشروع طریقہ کی انجام دہی میں کوتاہی برتی تھی، ورنہ اگر وہ جو کچھ لینا جائز تھا اُسے لیتے اور جہاں استعمال کرنا جائز تھا وہاں استعمال کرتے، اس سے ان کا مقصد خود اپنی سرداری اور حکومت کے تحفظ و بقا کے بجائے اللہ کا دین نافذ کرنا ہوتا، اور وہ ہر پست و بلند اور قریب و بعید پر یکساں اللہ کے مشروع کردہ حدود قائم کرتے، اپنی ترغیب وترہیب کے ذریعہ اللہ کے مشروع کردہ عدل وانصاف کی جستجو کرتے، تو نہ انہیں مسلط کردہ ٹیکس اور چنگی کی ضرورت پڑتی، نہ ظالمانہ سزاؤں کی، اور نہ اپنی حفاظت کرنے والے غلاموں اور خدمتگاروں کی، جیسا کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱ھ) رحمہ اللہ اوران کے علاوہ دیگر ممالک کے بعض امراء ہوا کرتے تھے۔

***

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۵۹۸-۵۹۹۔

پندرہواں قاعدہ

ثابت ومسلم دینی حیثیتوں کے خلاف بغاوت کرنا اور مقررہ شرعی حدود کو بدلنا' بدعت ہے۔[1]

چند مثالیں:

۱۔ امام ابن رجب (۷۹۵ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَأَمَّا الْمُعَامَلَاتُ كَالْعُقُودِ وَالْفُسُوخِ وَنَحْوِهِمَا، فَمَا كَانَ مِنْهَا تَغَيُّرًا لِلْأَوْضَاعِ الشَّرْعِيَّةِ، كَجَعْلِ حَدِّ الزِّنَا عُقُوبَةً مَالِيَّةً، وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، فَإِنَّهُ مَرْدُودٌ مِنْ أَصْلِهِ، لَا يَنْتَقِلُ بِهِ الْمِلْكُ، لِأَنَّ هَذَا غَيْرُ مَعْهُودٍ فِي أَحْكَامِ الْإِسْلَامِ.

وَيَدُلُّ عَلَى ذَلِكَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلَّذِي سَأَلَهُ:

إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى فُلَانٍ، فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَخَادِمٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

''الْمِائَةُ الشَّاةُ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ، وَتَغْرِيبُ عَامٍ''۔[2]

---

[1] دیکھئے: تلبیس ابلیس، ص: ۱۶، ۱۷، والاعتصام، ۲/ ۸۶۔

[2] جامع العلوم والحکم، ۱/ ۱۸۱۔ اور حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے، ۵/ ۳۰۱، حدیث (۲۶۹۵، ۲۶۹۶)۔

رہا مسئلہ معاملات یعنی انہیں طے کرنے یا ختم کرنے وغیرہ کا؛ ان میں سے جو چیزیں شرعی حیثیتیں تبدیل کرتی ہوں، جیسے حد زنا کو مالی سزا بنادینا وغیرہ، وہ سرے سے مردود ہے، اس سے ملکیت منتقل نہیں ہوگی، کیونکہ اسلامی احکام میں یہ چیز غیر معہود ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے جس نے آپ سے پوچھا تھا: کہ میرا بیٹا فلاں کے یہاں مزدور تھا، اُس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کرلیا، تو میں نے سو بکریوں اور ایک خادم کے فدیہ کے عوض اُسے چھڑالیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

سو بکریاں اور خادم تمہیں واپس مل جائیں گے اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا۔

۲۔ باطل اور دور از کار حیلے، جن کے ذریعہ حرام امور کو حلال یا واجب احکام کو ساقط کیا جاتا ہو، جیسے عینہ کے کاروبار کے ذریعہ سود حلال کرلینا، تین طلاق یافتہ خاتون کو مروجہ نکاح حلالہ کے ذریعہ اس کے شوہر کی طرف لوٹانا اور مستعار ہبہ کے ذریعہ فرض زکاۃ ساقط کردینا۔

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”...مَدْخَلُ الْبِدْعَةِ هاهُنَا مِنْ بَابِ الاِحْتِيَالِ الَّذِي أَجَازَهُ بَعْضُ النَّاسِ، فَقَدْ عَدَّهُ الْعُلَمَاءُ مِنَ الْبِدَعِ الْمُحْدَثَاتِ“۔ [1]

یہاں بدعت داخل ہونے کا راستہ حیلہ سازی کے باب سے ہے جسے بعض لوگوں نے جائز قرار دیا ہے، جبکہ علماء نے اُسے نوایجاد بدعات میں شمار کیا ہے۔

شیخ محمد شلتوت (۱۳۸۳ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَمِنْ ذَلِکَ إِسْقَاطُ الصَّلَاةِ؛ فَإِنَّ أَصْحَابَهَا قَاسُوْهَا عَلَى فِدْيَةِ الصَّوْمِ الَّتِي

---

[1] الاعتصام، ۲/ ۸۵، ۸۶۔

وَرَدَ النَّصُّ بِهَا، وَلَمْ يَقِفُوا عِنْدَ هَذَا الْحُكْمِ بِالْجَوَازِ، بَلْ تَوَسَّعُوا فَشَرَعُوا لَهَا مِنَ الْحِيَلِ مَا يَجْعَلُهَا صُوْرَةً لَا رُوْحَ فِيْهَا وَلَا أَثَرَ.

وَالْابْتِدَاعُ هُنَا مِنْ أَغْرَبِ أَنْوَاعِ الْابْتِدَاعِ ...''۔[1]

اسی قبیل سے نماز ساقط قرار دینا ہے؛ کیونکہ ایسا کرنے والوں نے اسے روزہ کے فدیہ پر قیاس کیا ہے جس کے بارے میں نص موجود ہے، لیکن انہوں نے جواز کے اس حکم پر توقف نہیں کیا، بلکہ اس میں مزید گنجائش نکالی، اوراس کے لئے ایسے ایسے حیلے وضع کئے جو اسے محض ایک کھوکھلا ڈھانچہ بنا کر رکھ دیتے ہیں جس میں کوئی روح یا اثر باقی نہ ہو۔

اور یہ بدعت سازی کی ایک نہایت عجیب وغریب قسم ہے....۔

۳۔ اس میں اُن پیش آنے والے واقعات (پیشین گوئیوں) کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جن کے رونما ہونے، پھیلنے اور منتشر ہونے کی نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے، یہ چیزیں بدعات کے ساتھ اس اعتبار سے اکٹھا ہوتی ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک چیز دین کی نمایاں علامات کے بدلنے اور مٹنے کی خبر دیتی ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''**إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ: أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ، وَيَفْشُوَ الزِّنَا، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ**''۔[1]

یقیناً قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ: علم اٹھالیا جائے گا، جہالت پھیل جائے گی، زنا کاری عام ہوجائے گی، اور شراب پی جائے گی۔

---

[1] البدعۃ أسبابھا ومضارھا ص:۱۹۔

[2] صحیح بخاری، ۹/ ۳۳۰، حدیث (۵۲۳۱)، وصحیح مسلم، ۱۶/ ۲۲۱، حدیث (۲۶۷۱)، الفاظ اسی کے ہیں۔

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فَالْحَاصِلُ أَنَّ أَكْثَرَ الْحَوَادِثِ الَّتِي أَخْبَرَ بِهَا النَّبِيُّ ﷺ مِنْ أَنَّهَا تَقَعُ وَتَظْهَرُ وَتَنْتَشِرُ أُمُورٌ مُبْتَدَعَةٌ عَلَى مُضَاهَاةِ التَّشْرِيعِ، لَكِنْ مِنْ جِهَةِ التَّعَبُّدِ، لَا مِنْ جِهَةِ كَوْنِهَا عَادِيَّةً“۔ (1)

خلاصہ یہ کہ زیادہ تر حوادث جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ وہ رونما ہوں گے، پھیلیں گے اور عام ہوں گے، شریعت کی برابری کی بنیاد پر بدعت ہیں، لیکن عادت ہونے کے اعتبار سے نہیں، بلکہ تعبدی اعتبار سے۔

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ دین اسلام کے قطعی احکام کے ساتھ مخصوص ہے، جیسے زنا کاری وشراب نوشی کی حرمت، اسی طرح شریعت کے مقرر کردہ احکام کے ساتھ خاص ہے، بنا بریں یہ جرائم اور حدود کی قسموں، میراث کے حصوں، کفاروں اور عدت کی مقداروں اور اس طرح کے دیگر احکام کو شامل ہے جن کی شریعت میں متعین مقدار آئی ہے۔

یوں تو ان مقرر کردہ احکام کے دو اعتبار ہیں: عادتی اعتبار اور تعبدی اعتبار؛ لیکن ان میں بدعت تعبدی ہونے کے اعتبار سے واقع ہوتی ہے، عادت اور معقول المعنی ہونے کے اعتبار سے نہیں۔

اور ان مقرر کردہ احکام کے تعبدی ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ شارع نے اُنہیں ثابت ومسلم احکام بنایا ہے، جو کسی بھی زمان ومکان میں تبدیلی قبول نہیں کر سکتے۔

---

(1) الاعتصام، ۲/ ۹۸۔ نیز دیکھئے: ۲/ ۸۲-۹۸۔

امام ابن القیم (۷۵۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’الْأَحْكَامُ نَوْعَانِ: نَوْعٌ لَا يَتَغَيَّرُ عَنْ حَالَةٍ وَاحِدَةٍ هُوَ عَلَيْهَا؛ لَا بِحَسْبِ الْأَزْمِنَةِ وَلَا الْأَمْكِنَةِ، وَلَا اجْتِهَادِ الْأَئِمَّةِ، كَوُجُوْبِ الْوَاجِبَاتِ، وَتَحْرِيْمِ الْمُحَرَّمَاتِ، وَالْحُدُوْدِ الْمُقَدَّرَةِ بِالشَّرْعِ عَلَى الْجَرَائِمِ وَنَحْوِ ذَلِكَ، فَهَذَا لَا يَتَطَرَّقُ إِلَيْهِ تَغْيِيْرٌ وَلَا اجْتِهَادٌ يُخَالِفُ مَا وُضِعَ عَلَيْهِ. وَالنَّوْعُ الثَّانِي: مَا يَتَغَيَّرُ بِحَسْبِ اقْتِضَاءِ الْمَصْلَحَةِ لَهُ: زَمَاناً وَمَكَاناً وَحَالاً؛ كَمَقَادِيْرِ التَّعْزِيْرَاتِ وَأَجْنَاسِهَا وَصِفَاتِهَا. فَإِنَّ الشَّارِعَ يُنَوِّعُ فِيْهَا بِحَسْبِ الْمَصْلَحَةِ‘‘۔ [1]

احکام کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جو اپنی ایک حالت سے کبھی نہیں بدلتے، نہ زمان و مکان کے اعتبار سے نہ ائمہ کرام کے اجتہاد سے۔

جیسے: واجب احکام کا واجب ہونا، حرام احکام کا حرام ہونا، اور جرائم پر شریعت کے مقررہ حدود، وغیرہ۔ چنانچہ ان چیزوں میں کوئی تبدیلی آسکتی ہے نہ کوئی اجتہاد آڑے آسکتا ہے جو اس کی مقررہ شرعی حیثیت کے خلاف ہو۔

دوسری قسم: جو زمان و مکان اور حالت و ظروف کی مصلحت کے تقاضہ کے اعتبار سے بدل جاتے ہیں؛ جیسے تعزیری سزاؤں کی مقدار، ان کی جنسیں اور صفات؛ کیونکہ شریعت ان میں مصلحت کے مطابق مختلف قسموں کی اجازت دیتی ہے۔

* * *

---

[1] إغاثة اللهفان، ۱/ ۳۳۰-۳۳۱۔ نیز دیکھئے: إعلام الموقعين، ۴/ ۲۶۲-۲۶۳۔

سولہواں قاعدہ

کافروں کی خصوصیات میں خواہ عبادت ہو یا عادت یا دونوں اُن کی مشابہت اختیار کرنا بدعت ہے۔ [1]

چندمثالیں [2]:

۱۔ کافروں کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے دین کے طور پر چربی اور ہر ناخن والا جانور کھانے سے اجتناب کرنا۔

۲۔ اسی طرح: کافروں کے تہواروں اور مذہبی مناسبتوں میں ان کی موافقت کرنا۔

امام ذہبی (۷۴۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أَمَّا مُشَابَهَةُ الذِّمَّةِ فِي الْمِيْلَادِ، وَالْخَمِيْسِ، وَالنَّيْرُوْزِ، فَبِدْعَةٌ وَحِشَةٌ"۔ [3]

رہا میلاد مسیح علیہ السلام*، جمعرات** اور نیروز*** [4] (جیسے تہواروں) میں ذمیوں

---

[1] دیکھئے: احکام الجنائز ص: ۲۴۲۔

[2] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۴۲۲، والأمر بالاتباع والنھی عن الابتداع ص: ۱۴۱، ۱۴۶۔

[3] التمسک بالسنن والتحذیر من البدع ص: ۱۳۰۔

[4] * [یعنی یوم ولادت مسیح علیہ السلام، جسے کرسمس کے نام سے جانا جاتا ہے۔

** جمعرات: ایک نصرانی (عیسائی) تہوار ہے، جسے بڑی جمعرات کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائی اپنے روزہ کے آخری ہفتہ کی جمعرات کو بڑی جمعرات کہتے ہیں، اسی طرح اسے انڈے کی جمعرات بھی کہتے ہیں، ==

کی مشابہت اختیار کرنا، تو وہ وحشتناک بدعت ہے۔

قاعدہ کی وضاحت:

یہ اور اس کے بعد آنے والا دونوں قاعدے ایک معین قسم کے حرام کام کے ساتھ خاص ہیں، وہ ہے کافروں کی مشابہت اختیار کرنا۔

اس مشابہت کے تحت دو باتیں داخل ہیں:

پہلی بات:

کافروں کی اپنی خصوصیات میں اُن کی مشابہت اختیار کرنا، (اُن کی ایجاد کردہ بدعات میں نہیں) اور اس کا بیان اسی قاعدہ میں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَأَصْلٌ آخَرُ: وَهُوَ أَنَّ كُلَّ مَا يُشَابِهُوْنَ فِيْهِ مِنْ عِبَادَةٍ، أَوْ عَادَةٍ، أَوْ كِلَيْهِمَا هُوَ مِنَ الْمُحْدَثَاتِ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ وَمِنَ الْبِدَعِ؛ إِذِ الْكَلَامُ فِي مَا كَانَ مِنْ خَصَائِصِهِمْ

== کیونکہ اُس دن وہ اپنے بچوں کے لئے انڈے بناتے ہیں اور اُسے رنگتے ہیں، اس لئے کہ اس دن وہ حیوان سے نکلنے والی چیزیں مثلاً اس کا گوشت، دودھ اور انڈا کھاتے ہیں، کیونکہ ان کا روزہ جانور اور اس سے نکلنے والی چیزوں سے ہوتا ہے، اپنے روزہ میں وہ صرف اناج اور اس سے بنائی ہوئی چیزیں کھاتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ اسی دن عیسیٰ علیہ السلام پر دسترخوان اترا تھا، اس طرح یہ ان کا یوم دسترخوان بھی ہے، دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۴۷۸-۴۸۰۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا عیسائیوں کے اس تہوار میں مسلمانوں کو اُن کی مشابہت سے منع کرنے کی بابت ''تشبہ الخسیس بأهل الخميس'' نامی ایک رسالہ بھی ہے۔

*** نیروز، فارسی لفظ نوروز کا معرب ہے، جس کا معنیٰ یوم جدید ہے، یہ فارسی سال کا پہلا دن ہے اور فارسیوں کا سب سے بڑا تہوار ہے، بتایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے یہ تہوار فارسیوں کے ایک بادشاہ نے منایا تھا جس کا نام جمشید تھا۔ مصر کے قبطی بھی اس دن دھوم دھام سے جشن مناتے ہیں۔ (از افادات محقق کتاب: التمسک بالسنن) (مترجم)]

... فَجَمِيْعُ الْأَدِلَّةِ الدَّالَّةِ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ عَلَى قُبْحِ الْبِدَعِ وَكَرَاهَتِهَا: تَحْرِيْمًا أَوْ تَنْزِيْهًا؛ تَنْدَرِجُ هَذِهِ الْمُشَابَهَاتُ فِيْهَا؛ فَيَجْتَمِعُ فِيْهَا: أَنَّهَا بِدَعٌ مُحْدَثَةٌ، وَأَنَّهَا مُشَابَهَةٌ لِلْكَافِرِيْنَ، وَكُلٌّ وَاحِدٌ مِنَ الْوَصْفَيْنِ مُوْجِبٌ لِلنَّهْيِ"۔ [1]

اور ایک دوسرا اصول یہ ہے کہ تمام عبادات یا عادات یا دونوں چیزیں جس میں لوگ اُن کی مشابہت اختیار کرتے ہیں وہ اِس امت میں نو ایجاد امور اور بدعات کے قبیل سے ہیں؛ کیونکہ بات اُن امور سے متعلق ہے جو ان کی خصوصیات میں سے ہیں...

لہٰذا کتاب وسنت اور اجماع امت کے تمام دلائل جو تحریمی یا تنزیہی طور پر بدعات اور ان کی قباحت پر دلالت کرتے ہیں، یہ ساری مشابہتیں اُن میں داخل ہیں؛ چنانچہ اِن میں دو باتیں اکٹھا ہو جاتی ہیں: ایک یہ کہ وہ بدعات ہیں، دوسرے یہ کہ وہ کافروں کی مشابہت ہیں، اور یہ دونوں اوصاف ممانعت کے موجب ہیں۔

دوسری بات:

کافروں کی ایجاد کردہ بدعات' جو ان کے دین کا حصہ نہیں ہیں، میں ان کی مشابہت اختیار کرنا۔ اس کا بیان اس کے بعد والے قاعدہ میں ہے۔

اور کافروں کی مشابہت کے ذریعہ بدعت اس اعتبار سے واقع ہوتی ہے کہ وہ دین کے نظام کے خلاف بغاوت ہے؛ کیونکہ کافروں کی مشابہت اختیار کرنا دین اسلام اور اس کے احکام کے مٹنے اور کفر ومعاصی کے پھیلنے کی جڑ ہے، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی سنتوں اور ان کی شریعتوں کی پابندی کرنا ہر خیر وبھلائی کی بنیاد ہے۔

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۴۲۳، ۴۲۴۔

(شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:)

”وَلِهَذَا عَظُمَ وَقْعُ الْبِدَعِ فِي الدِّيْنِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِا تَشَبُّهٌ بِالْكُفَّارِ، فَكَيْفَ إِذَا جَمَعَتِ الْوَصْفَيْنِ؟“۔ [1]

دین میں بدعات کی سنگینی یونہی بہت زیادہ ہے، اگر اس میں کافروں کی مشابہت نہ بھی پائی جائے، اور جب اس میں دونوں اوصاف اکٹھا ہو جائیں تو بھلا کیا حال ہو گا؟

اسی بنا پر کافروں کی مخالفت کرنا شرعاً امر مقصود ہے؛ کیونکہ رسولوں کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا دین تمام ادیان پر غالب ہو جائے، لہٰذا بذات خود اُن کی مخالفت کرنا بھی انبیاء کی بعثت کا ایک بہت بڑا مقصد ہے۔ [2]

اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ یہودی حرام چیزوں کو حلال ٹھہرانے اور باطل حیلہ سازیوں کے ذریعہ اُن کا ارتکاب کرنے میں معروف ہیں، اسی طرح نصاریٰ (عیسائی) غلو اور دین میں شرعی حدود سے تجاوز کرنے میں معروف ہیں، اور یہ دونوں امور بدعت ہیں، یا بدعت کا ذریعہ ہیں۔

اسی لئے سلف صالحین (امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ وغیرہ) کہا کرتے تھے:

”إِنَّ مَنْ فَسَدَ مِنْ عُلَمَائِنَا كَانَ فِيهِ شَبَهٌ مِنَ الْيَهُودِ، وَمَنْ فَسَدَ مِنْ عُبَّادنا كَانَ فِيهِ شَبَهٌ مِنَ النَّصَارَى“۔ [3]

یقیناً جو ہمارے علماء میں سے بگڑے گا اُس میں یہودیوں کی مشابہت ہوگی، اور جو

---

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۳۱۰، ۴۲۴۔

[2] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۱۷۳، ۱۸۲۔ والأمر بالاتباع ص: ۱۵۰۔

[3] اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۶۷۔

ہمارے عبادت گزاروں میں سے بگڑے گا اُس میں نصرانیوں کی مشابہت ہوگی۔

کافروں کی مشابہت میں (درج ذیل) دو چیزیں داخل نہیں ہیں [1] :

اول: جو چیزیں دونوں شریعتوں میں مشروع ہیں، یا جو ہمارے یہاں مشروع ہیں اور وہ بھی کرتے ہیں؛ جیسے عاشوراء کا روزہ، یا اصل نماز اور روزہ۔

ایسی صورت میں مخالفت عمل کی صفت اور کیفیت میں کی جائے گی۔

دوم: جن چیزوں میں ان کی خصوصیت کا تصور نہیں ہے، بلکہ وہ چیزیں انسانی زندگی کے مزاج اور قیام معاش کا تقاضہ ہیں، جیسے عادات اور صنعت و کاریگری وغیرہ کی چیزیں۔

❊ ❊ ❊

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۴۲۰-۴۲۳۔

سترہواں قاعدہ

کافروں کی ایجاد کردہ بدعات میں 'جو ان کے دین کا حصہ نہیں ہیں' خواہ عبادت ہو یا عادت یا دونوں' اُن کی مشابہت اختیار کرنا بدعت ہے۔[1]

چند مثالیں:

۱۔ امام آجری (۳۶۰ھ) رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے:

''أَكْثَرُ هَذِهِ الأُمَّةِ، وَالعَامُّ مِنهَا تَجرِي أُمُورُهُمْ عَلَى سُنَنِ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ، كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ، وَعَلَى سُنَنِ كِسْرَى وَقَيْصَرَ وَعَلَى سُنَنِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَذَلِكَ مِثْلُ السَّلْطَنَةِ وَأَحْكَامِهِمْ وَأَحْكَامِ الْعُمَّالِ وَالْأُمَرَاءِ وَغَيْرِهِمْ، وَأَمْرِ الْمَصَائِبِ وَالْأَفْرَاحِ وَالْمَسَاكِنِ وَاللِّبَاسِ وَالْحِلْيَةِ، وَالْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْوَلَائِمِ، وَالْمَرَاكِبِ وَالْخَدَمِ وَالْمَجَالِسِ وَالْمُجَالَسَةِ، وَالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ، وَالْمَكَاسِبِ''۔[2]

اس امت کی اکثریت اور اس کے عام معاملات اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے طورطریقوں، یا قیصر وکسریٰ کے طریقوں یا دورجاہلیت کی روش پر چل رہے ہیں، جیسے مثال

[1] دیکھئے: الأمر بالاتباع والنھی عن الابتداع ص:۱۵۱۔
[2] کتاب الشریعۃ ص:۲۰۔

کے طور پر سلاطین، اور گورنروں اور امراء وغیرہ کے بارے میں ان کے حکم وفیصلے، اسی طرح مصائب، خوشی، رہن سہن، لباس، زیب و زینت، کھانے پینے، دعوتوں، سواریوں، خدام، مجلسوں، خرید وفروخت اور کمائی وآمدنی وغیرہ کے معاملات۔

۲۔ اسی قبیل سے فیشن اور نمائش وغیرہ میں کافروں کی تقلید اور نقالی بھی ہے، جس کی مصیبت اس دور میں عام ہوگئی ہے، اللہ کے سوا کسی کے پاس کوئی قوت وتصرف نہیں!

۳۔ اسی قبیل سے اُن تہواروں اور خوشی کی مناسبتوں کے جشنوں میں اُن کی موافقت بھی ہے جو انہوں نے (بدعت) ایجاد کرلی ہے، جبکہ اُن کے دین میں مشروع نہ تھیں[1]، جیسے، یوم مادر(Mother Day)اور یوم صحت(Health day)وغیرہ۔

ایک اہم تنبیہ:

کافروں کے کسی بھی تہوار میں ان کی مشابہت اختیار کرنا-خواہ وہ تہوار محض کوئی دنیوی مناسبت ہی کیوں نہ ہو- دینی امور میں اُن کی مشابہت اختیار کرنے کے تحت داخل ہے؛ کیونکہ عید یا تہوار میں بیک وقت ’’شریعت و دینی شعار‘‘ اور ’’عبادت وعادت‘‘ دونوں باتیں اکٹھا ہو جاتی ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’الْعِيْدُ الْمَشْرُوْعُ يَجْمَعُ عِبَادَةً، وَهُوَ مَا فِيْهِ مِنْ صَلَاةٍ أَوْ ذِكْرٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ، وَيَجْمَعُ عَادَةً، وَهُوَ مَا يَفْعَلُ فِيْهِ مِنَ التَّوَسُّعِ فِي الطَّعَامِ وَاللِّبَاسِ‘‘۔[2]

مشروع عید میں عبادت بھی پائی جاتی ہے، یعنی اُس میں نماز، یا ذکر، یا صدقہ، یا قربانی

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۴۲۳، والأمر بالاتباع ص: ۱۵۱۔

[2] اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۴۲۲۔

ہوتی ہے، اور عادت بھی پائی جاتی ہے، جس میں کھانے پینے اور پہننے میں فراوانی کا عمل کیا جاتا ہے۔

اس کی وضاحت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کافروں کی عمومی مشابہت اور اُن کے تہواروں میں خصوصی مشابہت پر رونما ہونے والے مفاسد پر غور لیں۔ اور عنقریب اس قاعدہ کے خاتمہ میں ان باتوں کا تذکرہ آئے گا۔

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ کافروں کی ایجاد کردہ بدعات میں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے متعلق ہے، **اور مشابہت کی اس قسم میں بدعت دو اعتبار سے داخل ہوتی ہے:**

ایک اس اعتبار سے کہ وہ کافروں کے یہاں بھی بدعت ہیں اور **دوسرے** اس اعتبار سے کہ یہ مشابہت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”... فَإِنَّهُ لَوْ أَحْدَثَهُ الْمُسْلِمُوْنَ لَقَدْ كَانَ يَكُوْنُ قَبِيْحًا، فَكَيْفَ إِذَا كَانَ مِمَّا لَمْ يَشْرَعْهُ نَبِيٌّ قَطُّ؟ بَلْ أَحْدَثَهُ الْكَافِرُوْنَ، فَالْمُوَافَقَةُ فِيْهِ ظَاهِرَةُ الْقُبْحِ، فَهَذَا أَصْلٌ“۔ [1]

...اگر اس بدعت کو مسلمانوں نے ایجاد کیا ہوتا تو بھی یقیناً بُری چیز تھی، تو جب کوئی ایسی چیز ہو جسے کسی نبی نے کبھی مشروع ہی نہ کیا ہو، بلکہ اسے کافروں نے ایجاد کیا ہو، تو کیا حال ہوگا؟ لہٰذا اس میں موافقت کی قباحت بالکل نمایاں ہے، یہ ایک اہم اصول ہے۔

---

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۴۲۳۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کی ایجاد کردہ بدعات میں ان کی مشابہت اختیار کرنا تین اعتبار سے منع ہے:

۱۔ اس اعتبار سے کہ وہ اُن کے دین میں بدعت ہے۔

۲۔ اس اعتبار سے کہ وہ مشابہت ہے۔

۳۔ اس اعتبار سے کہ وہ دین اسلام میں بھی بدعت ہے۔

کافروں کی مشابہت اختیار کرنے سے متعلق چند تنبیہات:

پہلی تنبیہ:

کتاب وسنت، اجماع، آثار اور اعتبار کے دلائل اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ مجموعی طور پر کافروں کی مشابہت اختیار کرنا منع ہے اور مواقع کے اعتبار سے کبھی واجبی طور پر تو کبھی استحبابی طور پر ان کے طور طریقوں کی مخالفت کرنا مشروع ہے۔

جبکہ کچھ مسائل ایسے ہیں جن سے سنت نے خصوصی طور پر منع فرما دیا ہے؛ جیسے داڑھی مونڈنا اور مونچھیں بڑھانا وغیرہ۔

دوسری تنبیہ:

کافروں کی مخالفت کرنا شرعی مقاصد میں سے ہے، اسی لئے کافروں کی مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت دونوں صورتوں کو شامل ہے: اُن کی مشابہت کا ارادہ کیا جائے (یعنی مشابہت مقصود ہو)، یا مشابہت کا ارادہ نہ کیا جائے (یعنی مشابہت مقصود نہ ہو)۔

کیونکہ کافروں کی مشابہت اختیار کرنے پر- خواہ مشابہت بالقصد ہو یا بلا قصد- اعتقادی وعملی مفاسد مرتب ہوتے ہیں۔

اس کی وضاحت حسب ذیل ہے:

تیسری تنبیہ:

کافروں کی عمومی مشابہت اور ان کے تہواروں میں خصوصی مشابہت اختیار کرنے پر مرتب ہونے والے چند مفاسد[1]:

۱۔ ظاہری طور طریقہ میں شریک ہونے سے دو مشابہ چیزوں کے درمیان خفیہ طور پر رفتہ رفتہ باہم باطنی یکسانیت وشباہت جنم لیتی ہے، یہ امر واقع ومحسوس ہے؛ کیونکہ اہل علم کا لباس زیب تن کرنے والا اپنے آپ کو ایک طرح سے اُن میں شامل محسوس کرتا ہے۔

۲۔ ظاہری طور طریقہ میں ان کے ساتھ شریک ہونا اس قدر ظاہری اختلاط کا موجب ہے کہ فرق وامتیاز ختم ہو کر رہ جائے، چنانچہ اس کے نتیجہ میں اللہ کے ہدایت یافتہ وپسندیدہ بندوں اور اللہ کے غضب کے ماروں اور گمراہوں کے مابین نفسیاتی فاصلہ ناپید ہو جاتا ہے، اور اس کے سبب دوستی ودشمنی کی گرہ ٹوٹ جاتی ہے۔

۳۔ کافروں کی مشابہت اختیار کرنا اللہ کے غیظ وغضب کا سبب ہے، جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

”اجْتَنِبُوا أَعْدَاءَ اللهِ فِي عِيدِهِمْ؛ فَإِنَّ السَّخَطَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ“۔[2]

---

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۷۹-۸۱، ۱/ ۴۷۱-۴۹۰۔

[2] اسے امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں روایت کیا ہے، ۹/ ۲۳۴، حدیث (۱۸۸۶۲)۔

[نوٹ: السنن الکبری بیہقی (۱۸۸۶۲) میں صرف پہلا ٹکڑا ہے، دوسرا نہیں، البتہ شعب الایمان میں دوسرے ٹکڑے سمیت مع اضافہ یہ الفاظ آئے ہیں:

”اجْتَنِبُوا أَعْدَاءَ اللهِ الْيَهُودَ، وَالنَّصَارَى فِي عِيدِهِمْ يَوْمَ جَمْعِهِمْ، فَإِنَّ السَّخَطَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ، ==

اللہ کے دشمنوں کے تہواروں میں شریک ہونے سے اجتناب کرو، کیونکہ ان پر اللہ کی ناراضگی اترتی ہے۔

اس لئے کہ اُن کے تہوار اللہ کی معصیت ونافرمانی ہیں، کیونکہ وہ یا تو نوایجاد بدعت ہیں یا منسوخ ہیں، اور مسلمان ان دونوں میں سے کسی پر بھی برقرار نہیں رہ سکتا۔ [1]

۴۔ ان کے بعض تہواروں میں مشابہت اختیار کرنا اُن کے باطل عقیدہ وعمل سے قلبی خوشی ومسرت کا موجب ہے؛ کیونکہ ہمارے اس رویہ سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان اُن کی دینی خصوصیات میں اُن کا جُز یا حصہ بن چکے ہیں، اور اس سے انہیں قلبی قوت اور شرح صدر حاصل ہوتا ہے، نیز یہ چیز بسا اوقات انہیں موقع سے فائدہ اٹھانے اور کمزوروں کا استحصال کرنے کی لالچ دلاتی ہے۔

۵۔ عموماً لوگوں کے دین ودنیا میں عیدوں، تہواروں اور خوشی کے موسموں کے بڑے عظیم فوائد ہوتے ہیں، جیسے وہ نماز، روزہ، زکاۃ اور حج وغیرہ سے نفع حاصل کرتے ہیں، اسی لئے ہر شریعت میں عیدیں موجود ہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا۟ ٱسْمَ ٱللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنۢ

== فَأَخْشَى أَنْ يُصِيبَكُمْ، وَلَا تَعْلَمُوا بِطَانَتَهُمْ فَتَخَلَّقُوا بِخُلُقِهِمْ" (دیکھئے: شعب الایمان، از بیہقی، ۱۲/ ۱۸، اثر نمبر (۸۹۴۰)۔

اللہ کے دشمن یہود ونصاریٰ کے تہواروں میں شریک ہونے سے، جس دن وہ اکٹھا ہوتے ہیں، اجتناب کرو، کیونکہ ان پر اللہ کی ناراضگی اترتی ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس کی زد میں تم بھی نہ آجاؤ، اور ان کا باطن نہ جاننے کے سبب اُن کے اخلاق وکردار نہ اپنالو۔ (مترجم)]

[1] دیکھئے: الأمر بالاتباع والنهي عن الابتداع ص: ۱۵۰۔

بَهِيمَةِ ٱلْأَنْعَٰمِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ فَلَهُۥٓ أَسْلِمُوا۟ ۗ وَبَشِّرِ ٱلْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ [الحج:۳۴]۔

اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔سمجھ لو کہ تم سب کا معبود برحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

❊ ❊ ❊

کافروں کی مشابہت میں یہ بھی شامل ہے:

اٹھارہواں قاعدہ

جاہلیت کے کاموں میں سے کوئی کام کرنا جو اسلام میں مشروع نہیں، بدعت ہے۔

جاہلیت:

جاہلیت سے مراد- جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں-:

"مَا كَانَ عَلَيْهِ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ، وَمَا عَادَ إِلَيْهِ كَثِيْرٌ مِنَ الْعَرَبِ مِنَ الْجَاهِلِيَّةِ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا"۔ [1]

(وہ عقائد و اعمال وغیرہ ہیں) جن پر اہل جاہلیت اسلام سے پہلے قائم تھے اور جاہلیت کی جن چیزوں سے بہت سے عرب پلٹ آئے جن پر وہ قائم تھے۔

چند مثالیں:

۱۔ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ"۔ [2]

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۳۹۸۔ نیز دیکھئے: ۱/ ۲۲۶، ۲۲۷۔

[2] اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۲۰۴-۲۰۷۔ اور حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے، ۶/ ۲۳۵، حدیث (۹۳۴)۔

چار چیزیں میری امت میں جاہلیت کی ایسی ہیں، جنہیں (کچھ لوگ) نہیں چھوڑیں گے: حسب وخاندان پر فخر، نسب میں طعنہ زنی، ستاروں سے بارش طلبی اور نوحہ خوانی۔

۲۔ سنن ابو داود میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لَا عَقْرَ فِي الْإِسْلَامِ“۔ [1]

اسلام میں عقر (کسی آدمی کی قبر پر جانور ذبح کرنا جائز) نہیں۔

(امام طرطوشی (۵۲۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:)

”وَذَلِكَ أَنَّهُ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَعْقِرُوْنَ الْإِبِلَ عَلَى قَبْرِ الرَّجُلِ الْجَوَادِ، يَقُوْلُوْنَ: نُجَازِيْهِ عَلَى فِعْلِهِ؛ لِأَنَّهُ كَانَ يَعْقِرُهَا فِي حَيَاتِهِ، فَيُطْعِمُهَا الْأَضْيَافَ، فَنَحْنُ نَعْقِرُهَا عَلَى قَبْرِهِ؛ لِيَأْكُلَهَا الطَّيْرُ وَالسِّبَاعُ فَيَكُوْنُ مُطْعِمًا بَعْدَ مَمَاتِهِ؛ كَمَا كَانَ مُطْعِمًا فِي حَيَاتِهِ“۔ [2]

اس لئے کہ اہل جاہلیت سخی آدمی کی قبر پر اونٹ ذبح کیا کرتے تھے، کہتے تھے: ہم اُسے نیک کام کا بدلہ دے رہے ہیں؛ کیونکہ وہ اپنی زندگی میں اونٹ ذبح کر کے مہمانوں کو کھلایا کرتا تھا، چنانچہ ہم اس کی قبر پر ذبح کر رہے ہیں کہ تاکہ اُسے پرندے اور درندے وغیرہ کھائیں، چنانچہ جیسے وہ اپنی زندگی میں کھلانے والا تھا اسی طرح طرح مرنے کے بعد بھی کھلانے والا رہے۔

۳۔ خوشی ومسرت میں کھانے کی دعوتیں کرنا اور لوگوں کو اس میں بلانا؛ مگر یہ چیز بچے کی پیدائش کے استقبال میں کی جائے، بچی کی پیدائش پر نہ کی جائے! ظاہر ہے کہ اس رویے

---

[1] [سنن آبو داود، کتاب الجنائز، باب کراھیۃ الذبح عند القبر، ۳/۲۱۶، حدیث (۳۲۲۲)۔ (مترجم)]

[2] الحوادث والبدع ص: ۱۷۱۔

میں اہل جاہلیت کی کھلی موافقت ہے؛ کیونکہ وہ بھی بچے (مذکر) کی آمد پر خوش ہوتے تھے اور خوشی کے مارے جشن مناتے تھے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِٱلْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُۥ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝٥٨ يَتَوَٰرَىٰ مِنَ ٱلْقَوْمِ مِن سُوٓءِ مَا بُشِّرَ بِهِۦٓ ۚ أَيُمْسِكُهُۥ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُۥ فِى ٱلتُّرَابِ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝٥٩﴾ [النحل:۵۸،۵۹]۔

ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لئے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں؟

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ اہل جاہلیت کے ان اعمال کے ساتھ خاص ہے جو اسلامی شریعت وطریقہ کے خلاف ہیں، یہ کافروں کی مشابہت اختیار کرنے سے متعلق سابقہ دونوں قواعد کے ساتھ ملحق ہے۔

اس قاعدہ کی دوٹوک وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ أَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا زَيْنَبُ، فَرَآهَا لاَ تَكَلَّمُ، فَقَالَ: ''**مَا لَهَا لاَ تَكَلَّمُ؟**'' قَالُوا: حَجَّتْ مُصْمِتَةً، قَالَ لَهَا: ''**تَكَلَّمِي، فَإِنَّ هَذَا لاَ يَحِلُّ، هَذَا مِنْ عَمَلِ الجَاهِلِيَّةِ**''، فَتَكَلَّمَتْ، فَقَالَتْ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: ''**امْرُؤٌ مِنَ المُهَاجِرِينَ**''، قَالَتْ: أَيُّ المُهَاجِرِينَ؟ قَالَ: ''**مِنْ قُرَيْشٍ**''، قَالَتْ: مِنْ

أَيِّ قُرَيْشٍ أَنْتَ؟ قَالَ: ''إِنَّكِ لَسَئُولٌ، أَنَا أَبُو بَكْرٍ'' .... ①

قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ قبیلۂ احمس کی ایک خاتون کے پاس آئے جس کا نام زینب (بنت مہاجر) تھا، آپ نے دیکھا کہ وہ بات نہیں کر رہی ہے، تو لوگوں سے پوچھا: کیا وجہ ہے یہ بات کیوں نہیں کر رہی ہے؟ لوگوں نے بتایا: کہ اس نے مکمل خاموشی کے ساتھ حج کرنے کی نذر مانی تھی (اس لئے خاموش ہے)۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: بات کرو، یہ تو جاہلیت کا عمل ہے! بہر کیف اس نے بات کی، اور پوچھا: آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: میں مہاجرین کا ایک فرد ہوں۔ اس نے کہا: مہاجرین کے کس قبیلہ سے؟ آپ نے فرمایا: قبیلۂ قریش سے۔ اس نے پوچھا: قریش کے کس خاندان سے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم بہت سوال کرتی ہو، میں ابو بکر ہوں...۔ ②

① صحیح بخاری، ۷/ ۱۴۷، حدیث (۳۸۳۴)۔

② [اس روایت کا تتمہ یہ ہے:

قَالَتْ: مَا بَقَاؤُنَا عَلَى هَذَا الأَمْرِ الصَّالِحِ الَّذِي جَاءَ اللَّهُ بِهِ بَعْدَ الجَاهِلِيَّةِ؟ قَالَ: ''بَقَاؤُكُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ أَئِمَّتُكُمْ''، قَالَتْ: وَمَا الأَئِمَّةُ؟ قَالَ: ''أَمَا كَانَ لِقَوْمِكِ رُءُوسٌ وَأَشْرَافٌ، يَأْمُرُونَهُمْ فَيُطِيعُونَهُمْ؟'' قَالَتْ: بَلَى، قَالَ: ''فَهُمْ أُولَئِكِ عَلَى النَّاسِ''.

پھر اس نے کہا: جاہلیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں یہ نیک معاملہ (دین حق) عطا فرمایا ہے اس پر ہم کب تک گامزن رہیں گے؟ آپ نے فرمایا: تم اس پر اس وقت تک قائم رہو گے جب تک تمہارے ساتھ تمہارے ائمہ (حکمران) سیدھے رہیں گے۔ اس نے کہا: ائمہ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تمہاری قوم میں کچھ سردار اور سربرآوردہ لوگ نہیں ہیں جو لوگوں کو کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ اُن کی اطاعت کرتے ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: وہی لوگ ائمہ (قوم کے ذمہ داران) ہیں۔ (مترجم)]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ اس اثر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَمَعْنَى قَوْلِهِ: (مِنْ عَمَلِ الجَاهِلِيَّةِ) أَيْ مِمَّا انْفَرَدَ بِهِ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، وَلَمْ يُشْرَعْ فِي الْإِسْلَامِ. فَيَدْخُلُ فِي هَذَا: كُلُّ مَا اتُّخِذَ مِنْ عِبَادَةٍ مِمَّا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَتَعَبَّدُوْنَ بِهِ، وَلَمْ يَشْرَعِ اللهُ التَّعَبُّدَ بِهِ فِي الْإِسْلَامِ''۔ (1)

ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قول: ''یہ تو جاہلیت کا عمل ہے!'' کا معنیٰ یہ ہے کہ: یہ ان کاموں میں سے ہے جسے صرف اہل جاہلیت کیا کرتے تھے، اسلام میں مشروع نہیں ہے۔

چنانچہ اس میں: ہر اس کام کو عبادت بنا لینا داخل ہے جس کے ذریعہ اہل جاہلیت عبادت کیا کرتے رہے ہوں، اللہ نے اسلام میں اس کے ذریعہ عبادت مشروع نہ فرمائی ہو۔

البتہ جو چیز اسلام میں آئی ہو اُس کا کرنا مشروع ہے، اگرچہ وہ کام اہل جاہلیت بھی کرتے رہے ہوں، لہٰذا وہ کام مشروع ہونے کی بنیاد پر کیا جائے گا اور مشروع طریقہ سے انجام دیا جائے گا۔

اس کی مثال: صفا ومروہ کے درمیان سعی اور حج کے دیگر احکام ہیں، کہ وہ اللہ کے شعائر ہیں، اگرچہ عمومی طور پر اہل جاہلیت بھی اُنہیں انجام دیا کرتے تھے۔ (2)

* * *

(1) اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/۳۲۷۔

(2) اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/۳۲۷-۳۲۸۔

تیسرا اصول:

بدعت تک پہنچانے والے وسائل و ذرائع

اسباب و ذرائع کے اعتبار سے ہر اس عمل میں بدعت واقع ہوتی ہے جو عمل بدعت تک لے جاتا ہو۔

یہ اصول حسب ذیل پانچ قواعد میں منحصر ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ:

بدعت تک لے جانے والے ذرائع درج ذیل امور میں داخل ہوتے ہیں:

أولاً: شرعاً مطلوب امور میں، جیسے واجبات و مستحبات۔

ثانیاً: شرعاً جائز امور میں، جیسے مباح اور مکروہ امور۔

ثالثاً ورابعاً: گناہ و معاصی اور حرام امور میں، اور یہ دو اعتبار سے۔

اس طرح یہ چار جامع قواعد ہوئے۔

اسی طرح بدعت کے اسباب و ذرائع میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں: جو بدعت کی تکمیل کرتی ہیں، اُس پر مبنی ہیں اور اس کے تابع ہیں۔

اس طرح سابقہ تفصیل سے پانچ جامع قواعد حاصل ہوئے۔

آئندہ صفحات میں ان قواعد کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

اُنیسواں قاعدہ

اگر شرعاً مطلوب عمل اس طرح انجام دیا جائے کہ اُس کے اصل حقیقت کے خلاف ہونے کا وہم پیدا ہو‘ تو وہ بدعت میں شامل ہے۔

قاعدہ کی وضاحت اور اس کی مثالیں:

یہ قاعدہ واجبات ومستحبات جیسے شرعاً مطلوبہ امور کے ساتھ مخصوص ہے، اور اس میں پانچ صورتیں شامل ہیں:

۱۔ عام نفل کی ادائیگی سے وہم ہو کہ وہ سنت موکدہ ہے، مثال کے طور پر نفل نمازیں مساجد میں باجماعت ادا کرنا۔ [1]

۲۔ سنت کی ادائیگی سے وہم ہو کہ وہ فرض ہے، مثال کے طور پر ہر جمعہ کو نماز فجر میں پابندی سے سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کی تلاوت کرنا۔ [2]

۳۔ موسع (یعنی زمان ومکان اور وصف وکیفیت کی قید سے خالی) عبادت کی ادائیگی سے وہم ہو کہ وہ کسی وقت، جگہ، صفت یا متعین کیفیت کے ساتھ مخصوص ہے۔

---

[1] الحوادث والبدع،ص:٦٦، والاعتصام،١/ ٣٤٥، ٣٤٦۔

[2] الباعث علی إنکار البدع والحوادث،ص:٥٤۔

اس صورت کی وضاحت نویں قاعدہ میں ہو چکی ہے۔

اس سے قریب قریب اور اس میں شامل درج ذیل دو صورتیں ہیں:

۴۔ مشروع عمل کے ساتھ کوئی اضافی عمل چسپاں ہو جائے، یہاں تک کہ وہ اِس عمل کی صفت یا شبہ صفت بن جائے، بایں طور کہ یہ وہم ہو کہ وہ عمل اُسی میں ضم اور شامل ہے۔

اس کی مثال:

جیسے کوئی آدمی جانور ذبح کرتے ہوئے یا غلام آزاد کرتے ہوئے کہے:

''اللَّهُمَّ هَذَا مِنْكَ وَإِلَيْكَ''۔ [1]

اے اللہ یہ تیری جانب سے ہے اور تیرے ہی لئے ہے۔

یا اسی طرح کوئی دورانِ طواف قرآن کی تلاوت کرے۔

البتہ یہ اس صورت میں ہوگا جب مشروع عمل کے ساتھ کوئی عادتی کام، یا کوئی دوسری مشروع عبادت انجام دینے سے اُس کا اس مشروع عمل میں ضم ہونا سمجھا جائے۔

ورنہ اگر مکلف مشروع عبادت کرے اور اس کے ساتھ کوئی دوسری عبادت بھی انجام دے، لیکن اس کا مقصد ملانا یا ملانے کا ذریعہ بنانا نہ ہو، بلکہ دونوں میں سے ہر عبادت دوسرے سے منفرد اور جدا ہو' تو ایسی صورت میں اس پر کوئی حرج نہیں، جیسے قحط سالی یا خوف کے لئے اجتماعی دعا کرنا، کہ اگر یہ چیز اس طور پر نہ ہو کہ اُس سے ملانے کی مشروعیت کا اندیشہ ہو، نہ ہی اس کے باجماعت ادا کی جانے والی سنت ہونے کا ڈر ہو جس کا مساجد میں اعلان کیا جائے' تو ایسا کرنا جائز ہے۔ [2]

---

[1] [مستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الذبائح، ۴/ ۲۶۰، حدیث (۷۵۷۱)۔(مترجم)]

[2] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۲۲-۳۱۔

۵۔ مشروع اجتماعات (اکٹھا ہونے کی مناسبتوں) کے علاوہ ہر دائمی اجتماع جو ہفتوں، مہینوں یا سالوں کے گزرنے کے ساتھ بار بار ہوتا ہو۔[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فَإِنَّ ذٰلِكَ يُضَاهِي الْاِجْتِمَاعَ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، وَلِلْجُمُعَةِ، وَلِلْعِيْدَيْنِ وَلِلْحَجِّ، وَذٰلِكَ هُوَ الْمُبْتَدَعُ الْمُحْدَثُ“۔[2]

کیونکہ اس سے پنج وقتہ نمازوں، جمعہ، عیدین اور حج وغیرہ کے لئے جمع ہونے کی مشابہت اور برابری ہوتی ہے، اور یہ نو ایجاد بدعت ہے۔

اس کی مثال:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”السَّفَرُ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ لِلتَّعْرِيْفِ فِيْهِ، فَإِنَّ هٰذَا أَيْضًا ضَلَالٌ بَيِّنٌ، فَإِنَّ زِيَارَةَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ مُسْتَحَبَّةٌ مَشْرُوْعَةٌ لِلصَّلَاةِ فِيْهِ وَالْاِعْتِكَافِ، وَهُوَ أَحَدُ الْمَسَاجِدِ الثَّلَاثَةِ الَّتِي تُشَدُّ إِلَيْهَا الرِّحَالُ، لٰكِنَّ قَصْدَ إِتْيَانِهِ فِي أَيَّامِ الْحَجِّ هُوَ الْمَكْرُوْهُ، فَإِنَّ ذٰلِكَ تَخْصِيْصُ وَقْتٍ مُعَيَّنٍ بِزِيَارَةِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، وَلَا خُصُوْصَ لِزِيَارَتِهِ فِي هٰذَا الْوَقْتِ عَلَى غَيْرِهِ“۔[3]

جیسے بیت المقدس میں کسی صالح آدمی کی قبر کے پاس بڑا اجتماع کرنے کے لئے وہاں

---

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/۶۳۰، والامر بالاتباع والنهی عن الابتداع، ص: ۱۸۰۔

[2] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/۶۳۰۔

[3] اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/۶۳۷۔ نیز دیکھئے: الحوادث والبدع، ص: ۱۲۸، والباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص: ۳۲، ۳۳۔

کا سفر کرنا، یہ بھی کھلی گمراہی ہے؛ کیونکہ بیت المقدس میں نماز اور اعتکاف کے لئے اس کی زیارت مستحب اور مشروع ہے، وہ ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کی طرف کجاوے کسے جاسکتے ہیں (یعنی سفر کیا سکتا ہے)، لیکن ایام حج میں وہاں جانے کا قصد کرنا مکروہ ہے؛ کیونکہ ایسا کرنا بیت المقدس کی زیارت کے لئے متعین وقت خاص کرنا ہے، جبکہ اس کی زیارت کے لئے اس وقت کی دوسرے وقت پر کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

❊ ❊ ❊

بیسواں قاعدہ

جب کوئی شرعاً جائز کام اس طرح کیا جائے کہ اُسے شرعاً مطلوب اور ضروری سمجھا جائے، تو وہ بدعت میں شامل ہے۔ [1]

چند مثالیں:

جیسے: مساجد کی آرائش و زیبائش کرنا؛ کہ بہت سارے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کے گھروں کو بلند کرنے کے قبیل سے ہے، اسی طرح حد درجہ قیمتی جھومر لٹکانا، یہاں تک کہ اس میں خرچ کرنا اللہ کی راہ میں انفاق شمار کیا جائے۔ [2]

نیز اس کی مثال یہ بھی ہے کہ:

جب لوگ بصرہ کی جامع مسجد کے صحن میں نماز پڑھتے تھے اور اپنے سروں کو سجدہ سے اٹھاتے تھے تو اپنی پیشانیوں سے مٹی پوچھتے تھے، چنانچہ کسی حکمراں نے حکم دیا کہ مسجد کے صحن میں کنکریاں ڈال دی جائیں، اور وجہ بتائی: کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں لمبا عرصہ گزر جانے کے

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۱/ ۳۴۶-۳۴۷، ۲/ ۱۰۹۔

[2] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۸۲۔ اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مساجد کی آرائش و زیبائش کرنے یا اس میں قیمتی جھومر وغیرہ لٹکانے کی مثال اس قاعدہ کے تحت اس قول کی بنا پر ہی آئے گی کہ اس کا حکم مکروہ ہے، حرام نہیں۔

بعد بچے بڑے ہو کر یہ نہ کہیں کہ سجدہ کے نشان سے پیشانی پوچھنا نماز کی سنت ہے![1]

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ مباح ومکروہ امور جن کی شرعاً اجازت ہے‘ کے ساتھ خاص ہے، بایں طور کہ اُسے اس طرح کیا جائے کہ شریعت میں اس کے مطلوب ہونے کا وہم ہو۔

امام ابوشامہ (٦٦٥ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فَكُلُّ مَنْ فَعَلَ أَمْراً مُوْهِمًا أَنَّهُ مَشْرُوْعٌ وَلَيْسَ كَذَلِكَ، فَهُوَ غَالٍ فِي دِيْنِهِ، مُبْتَدِعٌ فِيْهِ، قَائِلٌ عَلَى اللهِ غَيْرَ الْحَقِّ بِلِسَانِ مَقَالِهِ أَوْ لِسَانِ حَالِهِ“۔[2]

جس کسی نے کوئی ایسا کام کیا جس سے یہ وہم ہو کہ وہ مشروع ہے، جبکہ ایسا نہ ہو، وہ اپنے دین میں غلو کرنے والا، بدعتی اور اپنی زبان قال یا زبان حال سے اللہ پر ناحق بات کہنے والا ہے۔

رہا مسئلہ حرام کاموں کو اس طرح کرنا کہ اس سے یہ وہم ہو کہ وہ حرام نہیں ہیں، یا یہ وہم ہو کہ وہ شرعاً مطلوب ہیں، تو اس کا بیان عنقریب آئندہ دو قاعدوں میں آئے گا۔

* * *

[1] دیکھئے: الاعتصام، ٢/ ١٠٨۔

[2] الباعث علی إنکار البدع والحوادث،ص: ٢٠، ٢١۔

اکیسواں قاعدہ

اگر گناہ کا کام خصوصیت کے ساتھ وہ علماء کریں جن کی اقتداء کی جاتی ہو، اور ان کی طرف سے گناہ عام ہو جائے، یہاں تک کہ اُن پر نکیر کرنے والے کی طرف بھی توجہ نہ کی جائے، حالت یہ ہو جائے کہ عوام اس گناہ کو دین کا حصہ سمجھنے لگیں، تو یہ بدعت میں شامل ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام الناس عالم دین کے عمل کو اگر اس نے اُس عمل کی ممانعت کی صراحت کی ہو تو، اُس کے قول پر مقدم کرتے ہیں؛ کیونکہ فتویٰ دہی کے منصب پر فائز عالم جس طرح اپنے قول سے لوگوں کو فتویٰ دیتا ہے اپنے عمل سے بھی فتویٰ دیتا ہے، اسی لئے عوام الناس کہتے ہیں کہ: اگر یہ کام ممنوع یا ناپسندیدہ ہوتا تو عالم اس کام سے باز رہتا۔ [1]

اس قاعدہ کی مثالیں:

اس کے بعد آنے والے قاعدہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۹۹-۱۰۲۔

قاعدہ کی وضاحت:

یہ اور اس کے بعد آنے والا قاعدہ گناہوں کے ساتھ خاص ہے، جب اُنہیں اس طور پر کیا جائے کہ اس سے وہم ہو کہ وہ گناہ نہیں ہیں، اور دونوں قاعدوں میں وہم علماء کی جانب سے پیدا ہوتا ہے، یا تو اُن کے گناہ کرنے کی وجہ سے، جیسا کہ اس قاعدہ میں ہے، یا لوگوں میں گناہ کے پھیلنے اور پنپنے کے وقت اُن کے نکیر کرنے سے خاموشی اختیار کرنے کی وجہ سے، جیسا کہ آنے والے قاعدہ میں ہے۔

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَأَصْلُ جَمِيعِ ذَلِكَ: سُكُوتُ الْخَوَاصِّ عَنِ الْبَيَانِ ، وَالْعَمَلِ بِهِ عَلَى الْغَفْلَةِ، وَمِنْ هُنَا تُسْتَشْنَعُ زَلَّةُ الْعَالِمِ، فَقَدْ قَالُوا: "**ثَلَاثٌ تَهْدِمُ الدِّينَ: زَلَّةُ الْعَالِمِ، وَجِدَالُ مُنَافِقٍ بِالْقُرْآنِ، وَأَئِمَّةٌ ضَالُّونَ**"۔ [1]

ان تمام چیزوں کی جڑ: خاص لوگوں (علماء وغیرہ) کا وضاحت و بیان سے سکوت اختیار کرنا، اور غفلت میں اس پر عمل کرنا ہے، اسی بنا پر عالم کی لغزش کو باعث عیب و عار سمجھا جاتا ہے، چنانچہ سلف کہا کرتے تھے: تین چیزیں دین کو برباد کر دیتی ہیں: عالم کی لغزش، منافق کا قرآن کے ذریعہ حجت و مناظرہ کرنا اور گمراہ پیشوایان۔

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے: "زَلَّةُ الْعَالِمِ زَلَّةُ الْعَالَمِ"۔ [1]

عالم کی لغزش دنیا کی لغزش (کا سبب) ہے۔

❊ ❊ ❊

(1) دیکھئے: الاعتصام، ۲/۱۰۱۔ اور اثر کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے امام دارمی نے سنن (۱/۷۱) میں، اور امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ (۲/۹۷۹-۹۸۰، نمبر: ۱۸۶۷-۱۸۷۰) میں روایت کیا ہے۔

(2) دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۰/۲۷۴۔

بائیسواں قاعدہ

اگر عوام گناہ کا کام کریں اور ان میں گناہ عام ہو جائے، اور قابل اقتداء علماء انکار کی قدرت کے باوجود اُن پر نکیر نہ کریں، نتیجہ یہ ہو کہ عوام یہ سمجھنے لگیں کہ اس گناہ میں کوئی حرج نہیں، تو یہ بدعت میں شامل ہے۔

کیونکہ اس کے برعکس اگر اُن پر نکیر کی جائے گی تو عام آدمی یہ سمجھے گا کہ یہ کام معیوب ہے یا غیر مشروع ہے، کیونکہ لوگوں کے درمیان عالم نبی کے قائم مقام ہوتا ہے۔[1]

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فَإِذَا عَدِمَ الْإِنْكَارُ مِمَّنْ شَأْنُهُ الْإِنْكَارُ، مَعَ ظُهُورِ الْعَمَلِ وَانْتِشَارِهِ وَعَدَمِ خَوْفِ الْمُنْكِرِ وَوُجُودِ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَفْعَلْ، دَلَّ عِنْدَ الْعَوَامِّ عَلَى أَنَّهُ فِعْلٌ جَائِزٌ لَا حَرَجَ فِيهِ، فَنَشَأَ فِيهِ هَذَا الاعْتِقَادُ الْفَاسِدُ بِتَأْوِيلٍ يَقْنَعُ بِمِثْلِهِ مَنْ كَانَ مِنَ الْعَوَامِّ فَصَارَتِ الْمُخَالَفَةُ بِدْعَةً“۔[2]

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۱۰۲۔

[2] الاعتصام، ۲/ ۱۰۲۔

چنانچہ جب انکار کا حق رکھنے والے کی طرف سے انکار نہیں پایا جائے گا، باوجودیکہ گناہ وبدعملی پھیلی ہوئی ہوگی اور انکار کرنے والے کو کوئی ڈر نہ ہوگا' بلکہ اُسے اُس پر قدرت ہوگی، پھر بھی وہ انکار نہیں کرے گا، تو یہ چیز عوام کے یہاں اس بات کی دلیل ہوگی کہ یہ عمل جائز ہے' اس میں کوئی حرج نہیں، اور اس طرح ایک تاویل کے سبب جس سے عوام کو اطمینان ہوتا ہے' یہ فاسد عقیدہ پیدا ہو جائے گا، لہٰذا یہ خلاف ورزی بدعت ہے۔

چند مثالیں:

جیسے: سماج ومعاشرہ میں پھیلی ہوئی بُرائیاں؛ مثلاً سودی لین اور حرام وسائل ابلاغ کا استعمال وغیرہ۔

اسی طرح امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے، کہتے ہیں:

''وَلَقَدْ بَلَغَنِي فِي هَذَا الزَّمَانِ عَنْ بَعْضِ مَنْ هُوَ حَدِيثُ عَهْدٍ بِالْإِسْلَامِ أَنَّهُ قَالَ فِي الْخَمْرِ: لَيْسَتْ بِحَرَامٍ وَلَا عَيْبَ فِيهَا، وَإِنَّمَا الْعَيْبُ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا مَا لَا يَصْلُحُ كَالْقَتْلِ وَشِبْهِهِ.

وَهَذَا الِاعْتِقَادُ لَوْ كَانَ مِمَّنْ نَشَأَ فِي الْإِسْلَامِ كَانَ كُفْرًا، لِأَنَّهُ إِنْكَارٌ لِمَا عُلِمَ مِنْ دِينِ الْأُمَّةِ ضَرُورَةً.

وَسَبَبُ ذَلِكَ تَرْكُ الْإِنْكَارِ مِنَ الْوُلَاةِ عَلَى شَارِبِهَا، وَالتَّخْلِيَةُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اقْتِنَائِهَا، وَشُهْرَتُهُ بِجَارَةِ أَهْلِ الذِّمَّةِ فِيهَا، وَأَشْبَاهُ ذَلِكَ''۔ [1]

مجھے اس دور کے کچھ نومسلموں کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ ان کا شراب کے بارے

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۱۰۸۔

یں کہنا ہے کہ: شراب حرام نہیں ہے، نہ اس میں کوئی عیب ہے، بلکہ عیب یہ ہے کہ اُس کے ذریعہ ایسے کام کیئے جائیں جو درست نہیں ہیں، جیسے قتل وخونریزی وغیرہ!!

اگر یہ عقیدہ کسی ایسے شخص کا ہوتا جس کی پرورش اسلام میں ہوئی ہو تو کفر ہوتا؛ کیونکہ یہ ایک ایسی چیز کا انکار ہے جو دین اسلام میں بدیہی طور پر معلوم ہے۔

اس کا سبب: حکمرانوں کی جانب سے اُس کے پینے والے پر نکیر نہ کرنا، اُسے رکھنے کی چھوٹ دینا اور ذمیوں کے محلہ میں اس کا شراب نوشی میں مشہور ہونا وغیرہ ہے۔

ان چاروں قواعد میں مشترک جامع پہلو:

ہر شرعی حکم کی اپنی خصوصیت ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ان شرعی احکام کے درمیان قول یا فعل یا عقیدہ کسی بھی چیز میں برابری نہ کی جائے۔

بنا بریں مناسب یہ ہے کہ موسع واجب احکام اور عام طور پر ہونے والے مکرر واجب احکام میں برابری نہ کی جائے۔

اسی طرح مستحب اور واجب احکام کی انجام دہی میں برابری نہ کی جائے، اور نہ مستحب اور بعض مباح احکام میں بلاوضاحت مطلق ترک کرنے میں برابری کی جائے۔

اسی طرح مباح اور مستحب یا مکروہ احکام میں بھی برابری نہ کی جائے۔

نیز مکروہ اور حرام یا مکروہ اور مباح احکام میں بھی برابری نہ کی جائے۔

اور اسی طرح حرام احکام اور ان کے علاوہ دیگر احکام جو حرام نہیں ہیں کے درمیان بھی برابری نہ کی جائے۔

امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لَا يَنْبَغِي لِمَنِ الْتَزَمَ عِبَادَةً مِنِ الْعِبَادَاتِ الْبَدَنِيَّةِ النَّدْبِيَّةِ أَنْ يُوَاظِبَ عَلَيْهَا مُوَاظَبَةً يَفْهَمُ الْجَاهِلُ مِنْهَا الْوُجُوبَ، إِذَا كَانَ مَنْظُورًا إِلَيْهِ مَرْمُوقًا، أَوْ مَظِنَّةً لِذَلِكَ، بَلِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَدَعَهَا فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ حَتَّى يَعْلَمَ أَنَّهَا غَيْرُ وَاجِبَةٍ؛ لِأَنَّ خَاصِّيَّةَ الْوَاجِبِ الْمُكَرَّرِ الِالْتِزَامُ وَالدَّوَامُ عَلَيْهِ فِي أَوْقَاتِهِ، بِحَيْثُ لَا يَتَخَلَّفُ عَنْهُ، كَمَا أَنَّ خَاصِّيَّةَ الْمَنْدُوبِ عَدَمُ الِالْتِزَامِ، فَإِذَا الْتَزَمَهُ فَهِمَ النَّاظِرُ مِنْهُ نَفْسَ الْخَاصِّيَّةِ الَّتِي لِلْوَاجِبِ؛ فَحَمَلَهُ عَلَى الْوُجُوبِ، ثُمَّ اسْتَمَرَّ عَلَى ذَلِكَ؛ فَضَلَّ.

وَكَذَلِكَ إِذَا كَانَتِ الْعِبَادَةُ تَتَأَتَّى عَلَى كَيْفِيَّاتٍ يُفْهَمُ مِنْ بَعْضِهَا فِي تِلْكَ الْعِبَادَةِ مَا لَا يُفْهَمُ مِنْهَا عَلَى الْكَيْفِيَّةِ الْأُخْرَى، أَوْ ضُمَّتْ عِبَادَةٌ أَوْ غَيْرُ عِبَادَةٍ إِلَى الْعِبَادَةِ قَدْ يُفْهَمُ بِسَبَبِ الِاقْتِرَانِ مَا لَا يُفْهَمُ دُونَهُ، أَوْ كَانَ الْمُبَاحُ يَتَأَتَّى فِعْلُهُ عَلَى وُجُوهٍ؛ فَيُثَابَرُ فِيهِ عَلَى وَجْهٍ وَاحِدٍ تَحَرِّيًا لَهُ وَيَتْرُكُ مَا سِوَاهُ، أَوْ يَتْرُكُ بَعْضَ الْمُبَاحَاتِ جُمْلَةً مِنْ غَيْرِ سَبَبٍ ظَاهِرٍ، بِحَيْثُ يُفْهَمُ مِنْهُ فِي التَّرْكِ أَنَّهُ مَشْرُوعٌ.

وَلِذَلِكَ لَمَّا قَرَأَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ السَّجْدَةَ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدَ مَعَهُ النَّاسُ، قَرَأَهَا فِي كَرَّةٍ أُخْرَى، فَلَمَّا قَرُبَ مِنْ مَوْضِعِهَا تَهَيَّأَ النَّاسُ لِلسُّجُودِ؛ فَلَمْ يَسْجُدْهَا، وَقَالَ: ”**إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَكْتُبْهَا عَلَيْنَا إِلَّا أَنْ نَشَاءَ**“۔[1]

---

[1] الموافقات، ۳/۳۳۲-۳۳۳۔ [دیکھیے: عمر رضی اللہ عنہ کا اثر: موطا امام مالک تحقیق الأعظمی، ۲/۲۸۸، نمبر(۷۰۱)، والسنن الکبریٰ للبیہقی، ۲/۴۵۶، نمبر(۳۷۵۶)، و ۳/۳۰۲، نمبر(۵۷۹۶)۔(مترجم)]

جو شخص کسی جسمانی عبادت کا اہتمام کرتا ہو اگر وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز، یا بلند مقام ہو یا اُسے ایسا سمجھا جا سکتا ہو، تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ اُس پر ہمیشگی برتے، بایں طور کہ جاہل اُسے واجب سمجھنے لگے، بلکہ اُسے چاہیئے کہ کبھی کبھی اسے چھوڑ دیا کرے، تا کہ معلوم ہو کہ وہ واجب نہیں ہے۔

کیونکہ مکرر واجب کی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کے اوقات میں اس کی ایسی پابندی کرے اور ہمیشگی برتے کہ کبھی نہ چھوڑے۔

جبکہ مندوب ومستحب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی پابندی نہ کرے، لہٰذا جب وہ (بلند مرتبہ شخص) اس کی پابندی کرے گا تو دیکھنے والا اُس میں وجوب ہی کی خصوصیت سمجھے گا؛ اور اُسے وجوب پر محمول کرلے گا، پھر اُس پر ہمیشہ عمل کرے گا اور گمراہ ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر عبادت کئی طریقوں سے ہوتی ہو جس میں ایک طریقہ سے جو سمجھا جاتا ہو وہ دوسرے طریقہ سے نہ سمجھا جاتا ہو۔

یا عبادت میں کوئی دوسری عبادت یا عبادت کے علاوہ کوئی اور چیز ملا دی جائے جس کے سبب کچھ سمجھا جاتا ہو جو اُس کے بغیر نہ سمجھا جاتا ہو۔

یا مباح کام کئی طرح کیا جا سکتا ہو لیکن وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کرنے کی کوشش کرے، دیگر طریقے چھوڑ دے۔

یا بعض مباح کاموں کو کسی ظاہری سبب کے بغیر بالکل چھوڑ دے، بایں طور کہ اس کے رویے سے یہ سمجھا جائے کہ اس کا چھوڑنا مشروع ہے۔

اسی لئے جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر آیتِ سجدہ تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی سجدہ کیا، پھر دوسری مرتبہ آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کی جگہ کے

قریب پہنچے، اور لوگ سجدہ کے لئے تیار ہونے لگے، تو آپ نے سجدہ نہیں کیا بلکہ فرمایا:
''اللہ نے اسے ہم پر فرض نہیں کیا ہے، اِلا یہ کہ ہم چاہیں''۔

پھر امام شاطبی (۷۹۰ھ) رحمہ اللہ اس کا ضابطہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَهَذَا كُلُّهُ إِنَّمَا هُوَ فِيمَا فُعِلَ بِحَضْرَةِ النَّاسِ، وَحَيْثُ يُمْكِنُ الِاقْتِدَاءُ بِالْفَاعِلِ، وَأَمَّا مَنْ فَعَلَهُ فِي نَفْسِهِ وَحَيْثُ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ مَعَ اعْتِقَادِهِ عَلَى مَا هُوَ بِهِ؛ فَلَا بَأْسَ''۔ [1]

یہ تمام باتیں اس صورت میں ہیں جب وہ عمل لوگوں کی موجودگی میں کیا جائے یا جہاں کرنے والے کی پیروی کا امکان ہو، ورنہ اگر تنہائی میں کرے یا ایسی جگہ کرے جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو، اور اس کی وہی حیثیت سمجھتا ہو جو حقیقت میں ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بدعت کے ذرائع میں شامل بعض امور:

بدعت کے ذرائع میں ہر وہ عمل شامل ہے: جس کا معاملہ مشتبہ ہو، واضح نہ ہو کہ وہ بدعت ہے کہ اُس سے منع کیا جائے، یا بدعت نہیں ہے کہ اُس پر عمل کیا جائے؟ ایسی صورت میں احوط یہ ہے کہ بدعت میں پڑنے کا راستہ بند کرتے ہوئے اُسے ترک کر دیا جائے۔ [2]

* * *

---

[1] الموافقات، ۳/ ۳۳۳۔

[2] دیکھئے: الباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص: ۶۶، والاعتصام، ۲/ ۶، ۷۔

تیئیسواں قاعدہ

دین میں ایجاد کردہ بدعات کی انجام دہی کے نتیجے میں جو بعض تعبدی یا عادتی امور انجام دیئے جاتے ہیں وہ بھی بدعت میں شامل ہیں؛ کیونکہ بدعت پر مبنی عمل بھی بدعت ہے۔ [1]

چند مثالیں:

ماہ شعبان کی پندرہویں شب میں کی جانے والی عادت ومعمول سے زیادہ روشنی اور چراغاں، نیز اس کے سبب مساجد میں ہونے والا شور وشغب، حلوہ خوری، اور اس رات فراخی سے مال خرچ کرنا وغیرہ، یہ ساری چیزیں بدعت ہیں' اصل (بدعت) کے تابع ہیں۔ [2]

مزید مثالیں:

بدعتی تہواروں، جشنوں اور تقریبات کے موقع پر کھانے، پینے، پہننے، کھیل کود اور راحت وآرام میں کشادگی اختیار کرنا، یہ ساری چیزیں اُسی دینی بدعتی تہوار کے تابع ہیں، جیسا کہ وہ

---

[1] دیکھئے: الاعتصام، ۲/ ۱۹۔

[2] دیکھئے: مساجلۃ علمیۃ بین الامامین، ص: ۴۱، ۴۷، ۵۲، ۵۴، والباعث علی إنکار البدع، ص: ۹۶۔

دین اسلام میں اُس کے تابع ہے۔[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَكَذَلِكَ حَرِيْمُ الْعِيْدِ، وَهُوَ: مَا قَبْلَهُ وَمَا بَعْدَهُ مِنَ الْأَيَّامِ الَّتِي يُحْدِثُونَ فِيْهَا أَشْيَاءَ لِأَجْلِهِ، أَوْ مَا حَوْلَهُ مِنَ الْأَمْكِنَةِ الَّتِي يُحْدَثُ فِيْهَا أَشْيَاءُ لِأَجْلِهِ، أَوْ مَا يُحْدَثُ بِسَبَبِ أَعْمَالِهِ مِنَ الْأَعْمَالِ؛ حُكْمُهَا حُكْمُهُ، فَلَا يُفْعَلُ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ.

فَإِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ يَمْتَنِعُ مِنْ إِحْدَاثِ أَشْيَاءَ فِي أَيَّامِ عِيْدِهِمْ، كَيَوْمِ الْخَمِيْسِ وَالْمِيْلَادِ، وَيَقُوْلُ لِعِيَالِهِ: ''إِنَّمَا أَصْنَعُ لَكُمْ هَذَا فِي الْأُسْبُوْعِ أَوِ الشَّهْرِ الْآخَرِ''، وَإِنَّمَا الْمُحَرِّكُ لَهُ عَلَى إِحْدَاثِ ذَلِكَ وُجُوْدُ عِيْدِهِمْ، وَلَوْلَا هُوَ لَمْ يَقْتَضُوا ذَلِكَ، فَهَذَا أَيْضاً مِنْ مُقْتَضَيَاتِ الْمَشَابَهَةِ.

لَكِنْ يُحَالُ الْأَهْلُ عَلَى عِيْدِ اللهِ وَرَسُوْلِهِ، وَيَقْضِي لَهُمْ فِيْهِ مِنَ الْحُقُوْقِ مَا يَقْطَعُ اسْتِشْرَافَهُمْ إِلَى غَيْرِهِ، فَإِنْ لَمْ يَرْضَوْا فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، وَمَنْ أَغْضَبَ أَهْلَهُ لِلهِ أَرْضَاهُ اللهُ وَأَرْضَاهُمْ''۔[2]

یہی معاملہ عید (تہوار) کے حریم کا ہے: یعنی تہوار کے پہلے اور بعد کے چند ایام جن میں وہ تہوار کے لئے کچھ نئے کام کرتے ہیں، یا اس کے آس پاس کی جگہیں جن میں وہ اس کے لئے کچھ نئے نئے کام کرتے ہیں، یا اس کے سبب جو کچھ بھی نئے کام انجام پاتے ہیں، اُن سب کا حکم وہی ہے جو اس بدعتی تہوار کا، لہٰذا ان میں سے کچھ بھی نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/ ۴۷۲۔

[2] دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، ۲/ ۵۱۲۔

کیونکہ بعض لوگ بسا اوقات اپنے تہواروں کے دنوں میں، جیسے جمعرات اور میلاد کے دن کچھ نئی چیزیں کرنے سے اجتناب کرتے ہیں، اور اپنے گھر والوں سے کہتے ہیں: (میں تمہارے لئے یہ کام آئندہ ہفتہ یا اگلے مہینہ میں کر دوں گا)۔

اور اس نئے کام کا سبب محض اُن کی عید کا وجود ہوتا ہے، اگر یہ نہ ہوتو انہیں اس کی ضرورت نہ ہوتی، لہٰذا یہ بھی مشابہت کے تقاضوں میں سے ہے۔

ہونا یہ چاہئے کہ اہل وعیال اور گھر والوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عید کے سپرد کیا جائے اور اس میں ان کے حقوق پورے کئے جائیں جس سے دیگر تہواروں کی بابت اُن کی لالچ اور میلان ختم ہو جائے، اور اگر وہ اس سے نہ راضی ہوں تو پھر اللہ کے سوا کوئی قوت وتصرف ہی نہیں! اور جو اللہ واسطے اپنے اہل وعیال کو ناراض کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے اور اُن سب کو خوش کر دے گا۔

قاعدہ کی وضاحت:

یہ قاعدہ بدعت کی انجام دہی کے سبب ہونے والے امور، جو بدعت کے وجود سے پیدا ہوتے ہیں، کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ یہ امور تکمیل کے اعتبار سے بدعت کے وسائل وذرائع میں شامل ہیں۔

کیونکہ شارع جب کوئی حکم مشروع کرتا ہے تو اس کے ساتھ اُس کے لوازمات اور تکمیلی امور بھی شامل کر دیتا ہے، یہ چیزیں یا تو اس حکم کا راستہ ہموار کرنے والی ہوتی ہیں، یعنی وہ وسائل جن پر حکم کا وجود موقوف ہوتا ہے جیسے اسباب اور شرائط وغیرہ، اور یہی ذرائع کہلاتے ہیں۔

یا پھر اُس حکم سے ملحق ہوتی ہیں، یعنی اُس کے تابع اور مکمل کرنے والی چیزیں جو اُس سے نکلتی اور متفرع ہوتی ہیں۔ [1]

بدعت کے تابع امور کا اعتبار نہ کرنے کے بعض مفاسد ونقصانات:

بدعت کے ان تکمیلی امور کو انجام دینے سے بدعتیوں کے شعار کو تقویت ملتی ہے نیز گناہ ومنکر کا اظہار ہوتا ہے اور اسے مدد حاصل ہوتی ہے۔ [2]

* * *

[1] دیکھئے: القواعد والأصول الجامعۃ، ص: ۱۰-۱۷۔

[2] دیکھئے: الباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص: ۳۹۔

خاتمہ

خاتمہ دو نقطوں پر مشتمل ہے:

① بدعات کی پہچان کے قواعد کا سرسری بیان۔

② بدعت کے مجالات ومیادین۔

بدعات کی پہچان کے قواعد کا سرسری بیان

① **پہلا قاعدہ:**

ہر عبادت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ گھڑی ہوئی حدیث پر مبنی ہو، وہ بدعت ہے۔

② **دوسرا قاعدہ:**

ہر عبادت جو محض رائے اور خواہش نفس پر مبنی ہو، وہ بدعت ہے؛ جیسے بعض علماء یا عبادت گذاروں کی باتیں، یا بعض علاقوں کے عادات و اطوار یا بعض حکایات، قصے کہانیاں اور خواب ومنامات۔

③ **تیسرا قاعدہ:**

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی عبادت کو ترک کیا ہو (چھوڑ دیا ہو، نہ کیا ہو) باوجود یکہ اس کا موجب اور متقاضی سبب موجود اور ثابت رہا ہو، اور کوئی مانع نہ رہا ہو؛ تو وہ عبادت کرنا بدعت ہے۔

④ **چوتھا قاعدہ:**

جس عبادت کو سلف صالحین؛ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے نہ کیا ہو، یا اسے نقل نہ کیا ہو، یا اُسے اپنی کتابوں میں نہ لکھا ہو، یا اپنی مجلسوں میں اس کا ذکر نہ چھیڑا ہو، وہ بدعت ہے، بشرطیکہ اس عبادت کی انجام دہی کا تقاضہ موجود رہا ہو اور کوئی چیز مانع نہ رہی ہو۔

⑤ **پانچواں قاعدہ:**

ہر وہ عبادت جو شریعت اسلامیہ کے قواعد اور اس کے مقاصد کے خلاف ہو، بدعت ہے۔

⑥ چھٹا قاعدہ:

تقرب الٰہی کا ہر وہ عمل جو کسی عادت یا معاملہ کے ذریعہ اس طور پر انجام دیا جائے جو شریعت میں معتبر نہ ہو، بدعت ہے۔

⑦ ساتواں قاعدہ:

تقرب الٰہی کا ہر وہ عمل جو اللہ کے منع کردہ کام کی انجام دہی کے ذریعہ ہو' بدعت ہے۔

⑧ آٹھواں قاعدہ:

ہر عبادت جو شریعت میں کسی مقید طریقہ سے آئی ہو، اُس طریقہ کو بدلنا بدعت ہے۔

⑨ نواں قاعدہ:

ہر مطلق عبادت جو شریعت میں کسی عام دلیل سے ثابت ہو؛ اس عبادت کے اطلاق کو کسی متعین وقت یا متعین جگہ وغیرہ کے ذریعہ مقید ومحدود کرنا، اس طور پر کہ اس سے وہم پیدا ہو کہ وہ شرعاً مقصود ہے، جبکہ اس تقیید پر کوئی عام دلیل نہ ہو، بدعت ہے۔

⑩ دسواں قاعدہ:

عبادت کی شرعی مقدار میں اضافہ اور اس کی انجام دہی میں شدت پسندی اور تکلف کے ذریعہ غلو کرنا بدعت ہے۔

⑪ گیارہواں قاعدہ:

جو بھی عقائد، آراء اور علوم نصوصِ کتاب وسنت کے معارض ہوں یا امت کے سلف صالحین کے اجماع کے خلاف ہوں' وہ بدعت ہیں۔

⑫ بارہواں قاعدہ:

جو عقائد اور افکار ونظریات کتاب وسنت میں آئے ہیں نہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم ورحمہم

سے منقول ہیں، وہ بدعت ہیں۔

⑬ تیرہواں قاعدہ:

دین میں بے جا بحث وتکرار، جھگڑا اور حجت بازی بدعت ہے۔

⑭ چودہواں قاعدہ:

لوگوں کو عادات ومعاملات کے قبیل سے کسی کام کا اس طرح پابند کرنا کہ اسے شرعی حکم کی طرح قرار دینا جس کی خلاف ورزی نہ کی جا سکتی ہو، اور دین کی طرح بنا لینا جس کا معارضہ نہ کیا جا سکتا ہو، بدعت ہے۔

⑮ پندرہواں قاعدہ:

ثابت ومسلم دینی حیثیتوں کے خلاف بغاوت کرنا اور مقررہ شرعی حدود کو بدلنا بدعت ہے۔

⑯ سولہواں قاعدہ:

کافروں کی خصوصیات میں ٗ خواہ عبادت ہو یا عادت یا دونوں ٗ اُن کی مشابہت اختیار کرنا بدعت ہے۔

⑰ سترہواں قاعدہ:

کافروں کی ایجاد کردہ بدعات میں ٗ جو ان کے دین کا حصہ نہیں ہیں، خواہ عبادت ہو یا عادت یا دونوں ٗ اُن کی مشابہت اختیار کرنا بدعت ہے۔

⑱ اٹھارہواں قاعدہ:

جاہلیت کے کاموں میں سے کوئی کام کرنا جو اسلام میں مشروع نہیں ٗ بدعت ہے۔

⑲ انیسواں قاعدہ:

اگر شرعاً مطلوب عمل اس طور پر انجام دیا جائے کہ اُس کے اصل حقیقت کے خلاف ہونے

کا وہم پیدا ہو، تو وہ بدعت میں شامل ہے۔

⑳ **بیسواں قاعدہ:**

جب کوئی شرعاً جائز کام اس طرح کیا جائے کہ اُسے شرعاً مطلوب اور ضروری سمجھا جائے، تو وہ بدعت میں شامل ہے۔

㉑ **اکیسواں قاعدہ:**

اگر گناہ کا کام خصوصیت کے ساتھ وہ علماء کریں جن کی اقتداء کی جاتی ہو، اور ان کی طرف سے گناہ عام ہو جائے، یہاں تک کہ اُن پر نکیر کرنے والے کی طرف بھی توجہ نہ کی جائے، حالت یہ ہو جائے کہ عوام اس گناہ کو دین کا حصہ سمجھنے لگیں، تو یہ بدعت میں شامل ہے۔

㉒ **بائیسواں قاعدہ:**

اگر عوام گناہ کا کام کریں اور ان میں گناہ عام ہو جائے، اور قابل اقتداء علماء انکار کی قدرت کے باجود اُن پر نکیر نہ کریں، نتیجہ یہ ہو کہ عوام یہ سمجھنے لگیں کہ اس گناہ میں کوئی حرج نہیں، تو یہ بدعت میں شامل ہے۔

㉓ **تیئیسواں قاعدہ:**

دین میں ایجاد کردہ بدعات کی انجام دہی کے نتیجے میں جو بعض تعبدی یا عادتی امور انجام دیئے جاتے ہیں وہ بھی بدعت میں شامل ہیں؛ کیونکہ بدعت پر مبنی عمل بھی بدعت ہے۔

❊ ❊ ❊

بدعت کے مجالات ومیادین

بدعات کی پہچان کے قواعد پر غور کرنے اور ژرف نگاہی سے اس کا جائزہ لینے سے نمایاں طور پر واضح ہوتا ہے کہ بدعت کئی قسموں میں داخل ہوتی ہے، ذیل میں ان اقسام اور ان کے تحت آنے والے قواعد کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں:

① **عقائد:** (قاعدہ نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳)۔ [1]

② **عبادات اور نیکیاں:** (قاعدہ نمبر ۱ تا ۱۰، ۱۹)۔ [2]

③ **عادات ومعاملات:** (قاعدہ نمبر ۶، ۱۴، ۱۵، ۲۰، ۲۳)۔ [3]

④ **معاصی اور ممنوعات:** (قاعدہ نمبر ۷، ۲۱، ۲۲)۔ [4]

نیز دیکھئے:

⑤ **کافروں کی مشابہت:** (قاعدہ نمبر ۱۶، ۱۷، ۱۸)۔ [5]

اللہ نے جو باتیں بیان کرنے کی توفیق ارزانی بخشی یہاں اس کا اختتام ہوا۔ درود وسلام نازل ہو ہمارے سردار و نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، اور آپ کے تمام آل واصحاب پر، اور ہماری آخری

---

[1] دیکھئے: ص (۱۹۷، ۲۰۹، ۲۲۱)۔

[2] دیکھئے: ص (۱۱۱-۱۹۴، ۲۶۱)۔

[3] دیکھئے: ص (۱۷۳، ۲۳۳، ۲۳۷، ۲۶۴، ۲۷۴)۔

[4] دیکھئے: ص (۱۷۶، ۲۶۶، ۲۶۸)۔

[5] دیکھئے: ص (۲۴۲، ۲۴۷، ۲۵۴)۔

دعا یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

[بحمد اللہ تعالیٰ وتوفیقہ، کتاب کا ترجمہ ۲۰ / مارچ ۲۰۲۰ء بروز جمعہ شب ۴۰-۱۱ بجے مکمل ہوا، فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات، ولہ الحمد فی الأولیٰ والآخرۃ، وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وأصحابہ۔

وکتبہ: الفقیر إلی رحمۃ اللہ ورضوانہ، ابوعبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ المدنی۔]

(صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

❊ ❊ ❊

ہماری اہم مطبوعات



SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI
14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai-70.
Phone : 022-26520077 +91 9892555244 ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.com